سلسلہ کتب علوم الیوم برائے غیر عربی دان

الحمد للہ!! پہلی قسط ۵ مجلدات میں

سلسلة تفقيه طالب علم ونصاب مدارس

Volume
1/5

اسلامی نظامِ اقتصادیات برائے قدیم وجدید معاملات مالیہ

(قدیم وجدید اصولی فقہی مباحث کا مجموعہ)

Islamic Economic System
to solve the ancient & contemporary affairs

الحقيبة الإقتصادية

نظام الاقتصاد الإسلامي لحل المعاملات المالية القديمة والمعاصرة

اعداد واشراف مجموعہ اسلامی اقتصادیات:

شیخ ارشد بشیر عمری مدنی سلمہ اللہ

Shaikh Arshad Basheer Umari Madani
Hafiz, Aalim, Faazil (Madina University, KSA), MBA.
Founder & Director of AskIslamPedia.com
Chairman: Ocean The ABM School, Hyd.

مجموعہ اسلامی اقتصادیات

1. فقه المعاملات المالية المعاصرة
2. منحة العلام – كتاب البيوع
3. قواعد في البيوع
4. علوم البيوع
5. منظومة القواعد الفقهية

ABM PrintTime

1

عن الكتاب

نام کتاب:	فقه المعاملات المالية المعاصرة
مؤلف:	أ.د. سعد بن تركي الخثلان
سنِ طباعت:	1433هـ – 2012 م
ناشر:	دار الصميعي للنشر والتوزيع
ملک:	المملكة العربية السعودية الرياض
اعداد واشراف ومراجعہ:	شیخ ارشد بشیر عمری مدنی سلمہ اللہ
فریق الترجمہ والمراجعہ:	شیخ معاذ عمری، شیخ ارشد بشیر عمری مدنی وعلماءِ آسک اسلام پیڈیا حفظہم اللہ (AskIslamPedia.com)

ABM PrintTime

فہرست

قواعد في البيوع 5
فصل اول-(شیئر سرٹیفکٹ اور کمرشیل دستاویزات) 8
دوسری فصل-بینک نوٹ 48
تیسری فصل-کاروباری دستاویزات 58
چوتھی فصل-بیع المرابحۃ للآمر بالشراء 97
پانچویں فصل-تورق مصرفی 110
چھٹویں فصل- آرڈرس پر ہونے والے معاہدے 132
ساتویں فصل-التأجیر المنتھي بالتملیک 144
آٹھویں فصل-کریڈٹ کارڈ 153
نوویں فصل-انشورنس 169
دسویں فصل-ازدیاد اور انتقاص کی عقود،اور ڈسکاونٹ کارڈ 183
گیارہویں فصل-خطاب الضمان 193
بارہویں فصل-جمعیات الموظفین 199
تیرہویں فصل- تجارتی مسابقات اور اس کے احکام 206
چودہویں فصل-شرکات التسویق الهرمي 219
پندرہویں فصل-المتاجرۃ بالہامش (المارجن) 230

ABM Print Inc

قواعد في البيوع

1)- **مجلس کبار علماء**: جو مملکت عربیہ سعودیہ کی زیر سرپرستی سال میں دو مرتبہ منعقد ہوتی ہے۔ مملکت سعودیہ کی منتخب اور نامور علمی شخصیتیں اس مجلس کا حصہ ہیں۔ مذکورہ کمیٹی جو قضایا عامہ اور درپیش مسائل کا حل پیش کرتی ہے، انہیں مسائل میں سے عصر حاضر کے مالی مسائل وغیرہ بھی ہیں جو روز روز درپیش ہوتے ہیں، وہ بھی کمیٹی کے پاس زیر بحث ہوتے ہیں۔

2)- **اللجنة الدائمة**: مجلس کبار علماء کی ایک شاخ ہے، جو ریسرچ اور فتوی نویسی پر مامور ہے۔ زندگی کے بیشتر نئے مسائل اور عام قضایا کی بابت استفسارات کی بھرمار ہوتی ہے۔ جسے کبار علماء پر پیش کیا جاتا ہے، بعد ازاں فتاوے بھی شائع کئے جاتے ہیں۔

3)- **اسلامی مالیاتی ادارہ**: جو تجارتی منڈیوں کی خرید وفروخت کا جائزہ لیتا ہے۔ جس کا دفتر بحرین میں واقع ہے۔ عصر حاضر کی مالی معاملات میں شرعی معیار (سٹینڈرڈ) کو بحال رکھنے میں اس ادارہ کی عظیم کوششیں ہیں۔ اس ادارہ کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ جو قضیہ انہیں درپیش ہوتا ہے وہ متعدد مجالس اور اس مہم کے لئے تشکیل دی گئی کمیٹی میں موضوع بحث ہوتا ہے۔ اس دوران زیر بحث معاملہ ضبط تحریر لایا جاتا ہے، پھر شرعی کمیٹی کی طرف سے اس پر ہر پہلو سے گفتگو ہوتی ہے۔ اور حسب ضرورت کمیٹی کی صوابدید پر ترمیم بھی کی جاتی ہے۔ بعدہ ان معلومات کو مجلس شرعی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ جب زیر بحث موضوع پر سیر حاصل گفتگو ہو جاتی ہے تو اس کا مختصر سا خلاصہ عمدگی کے ساتھ منصہ ء شہود پر لایا جاتا ہے۔

4)- **اسلامک بینک چلانے والے شرعی ادارے**: بعض اداروں کا جدید مسائل جن کا تعلق بینکنگ لین دین سے ہے، ان امور مالیات کی بحث وتمحیص اور اس کا حل پیش کرنے سے متعلق نمایاں خدمت ہیں۔

جب ہم عصر حاضر کے مسائل پر- عموما- اور مالی معاملات پر- خصوصا- جاری کئے گئے فتووں کا جائزہ لیں تو تین طرح کے مناہج سامنے آتے ہیں۔ کچھ فتاوے یک گونہ سختی اور آخری درجہ کی احتیاط پر مبنی ہوتے ہیں، کچھ مفتیان حضرات بسبب

متساہل ہونے کہ اور وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عمومی طور پر اباحت کا فتوی جاری کرتے ہیں۔ جب کہ تیسرا طریقہ درمیانی ہے۔

پہلا طریقہ: فتاوی کی ایک نوعیت ایسی ہے کہ جس سے امور مالیات کے بیشتر صورتوں پر شدت کی راہ اختیار کرتے ہوئے صرف منع کیا گیا ہے۔ جب کہ زیر بحث مسئلہ غیر معمولی دقت کا متقاضی ہوتا ہے اس کے باوجود اس کا خیال نہیں رکھا جاتا ہے۔ کچھ اصحاب فتوی سے اگر پوچھ لیا جائے فلاں نوعیت کے کاروبار کا کیا حکم ہے؟ تو جوابی الفاظ غیر مطمئن ہوتے ہیں کہ اگر وہ سودی لین دین سے ہو تو حرام ہے! جب کہ سائل سرے سے ناواقف رہتا ہے کہ اس تجارت میں سود کی کونسی شکل ہے؟ اور کیا ہے؟

مفتیان دین کو اس طرح کے حالات میں متانت کا ثبوت دینا چاہئے۔ صورت مسئلہ کا باریک بینی سے جائزہ لینا ضروری ہے، پھر شرعا کیا حکم ہوگا معلوم کرے، حرام کی نوعیت سے واقف ہو، پھر مذکورہ تحقیق کی روشنی میں مستفتی کو شرعا حلال یا حرام کا فتوی دے۔ اگر نتیجہ تک نہیں پہنچ پاتے ہیں تو بلا تکلف "لا أدري" کہہ کر اپنے دامن کو پاک رکھے۔

مذکورہ نہج کے بالمقابل کچھ مفتی صاحبان نہایت متساہل واقع ہوئے ہیں۔ جہاں گنجائش نہ ہو وہاں بھی تیسیر علی الناس کے حوالے سے وجہ جواز کی کوئی صورت پیدا کر لیتے ہیں، حالانکہ یہ ہلاکت خیز راستہ ہے، کیونکہ رب العلمین کا دین لوگوں کی خواہشات پر قائم نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالی نے اس شریعت کو حق کی توضیح، عادلانہ تحکیم، اور با معنی مصلحت کے اصولوں پر اتارا ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر انسانیت اپنے آپ کو گناہ اور ظلم سے دور رکھے۔ اسی طرح باطل ادیان اور غیر شرعی رسم ورواج، سماجی رسم ورواج کی غلامی اور بوجھ سے اپنے آپ کو آزاد بھی رکھے۔ یہ بات بھی واضح ہو جانا چاہئے کہ اللہ تعالی کی شریعت لوگوں نے ترتیب نہیں دی ہے کہ حالات وظروف اور خواہشات کی تکمیل کے لئے حسب ضرورت ترمیم کرلیں، بلکہ شارع خود رب العلمین ہے، اور یہ شریعت صبح قیامت تک باقی رہے گی، چونکہ اس میں سبھوں کا مفاد پیش نظر رکھا گیا ہے اس لئے لوگوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو شریعت کے موافق ڈھال لیں۔

ABM PrintTime

تیسرا گروہ: تو ان کا نہج اور نقطہ ء نظر یہ ہے کہ جدید مسائل پر خوب غور وفکر سے جائزہ لیتے ہیں۔ بحث اور تحقیق میں ان کے پیش نظر شرعی دلائل متفق علیہ قواعد اصل ہوتے ہیں۔ اور تطبیق میں تشدد اور تساہل دونوں طریقوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس مناسبت سے امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ کا قول قابل ذکر ہے، آپ فرماتے ہیں:

تشدد اور تساہل دو متضاد فیصلے ہیں، راہ اعتدال یہ ہے کہ پیش آمدہ مسائل پر متفق علیہ دلائل کی روشنی میں خوب غور وفکر کیا جائے، دلیل کا تقاضا اگر شدت اور سختی کا ہے، جیسے سود کا مسئلہ ہے تو شدت ہونی چاہیئے۔ اگر کسی شرعی مسئلہ میں وسعت از خود ہے تو اس کے بیان میں کوئی حرج نہیں۔

فتوی نویسی کی بات ہو رہی تھی تو اس ضمن میں ایک مسئلہ کی وضاحت مقصود ہے جو غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کے حق میں جو جدید مسائل کا حل نکالنے میں دلچسپی رکھتے ہیں، تو اس طرح کے مفتی حضرات کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقاصد شریعہ سے اچھی طرح واقف ہوں تاکہ ان کا کوئی بھی فتوی جاری ہو تو مقاصد شریعہ سے ہم آہنگ ہو، اس کی طبیعت سے میل کھاتا ہو۔ یہی وہ منہج ہے جس کا شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔ اور مسائل خلافیہ کی ترجیح میں مذکورہ نہج ہی کو سامنے رکھتے تھے۔

ABM PrintInc

فصل اول

(شیئر سرٹیفکٹ اور کمرشیل دستاویزات)

ABM PrintTime

شیئر سرٹیفکٹ: یہ ایک طرح کا قابل بھروسہ کاغذی سرمایہ یعنی چیک () ہے جو نقدی (رقوم) قیمت کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور کاروباری دنیا میں اس کا وجود عام اور متداول ہے۔

یہ وثیقہ: شئیرز اور بانڈز دونوں کو شامل ہیں، جس کو کمپنیاں، تجارتی ادارے، بینک، اور کچھ ممالک جاری کرتے ہیں۔([1])

مذکورہ تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شیئر سرٹیفکٹ اور اسٹاک پیپرز ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ وہ اس طرح سے کہ دونوں کی حیثیت وثائق کی ہے جو اصل نقد کی متبادل ہیں۔ دوسرے یہ کہ دونوں بزنس (بیع وشراء) میں متدوال بھی ہیں۔ تاہم اس ہم آہنگی کے باوجود دونوں میں کچھ فرق بھی ہے، کچھ قابل ذکر فروق کا مختصرا یہاں ذکر کیا جائے گا:

(1)- چیک عام طور پر قرض کی علامت ہوتا ہے جو نوٹس موصول ہونے پر یا مختصر مدت بعد واجب الاداء ہوتا ہے۔ ادائیگی کی مدت میں کبھی کبھار دو سال کی توسیع کی جاتی ہے۔ جب کہ اسٹاک پیپرز سرمایہ کاری کے لئے قرض کی رسید ہوتے ہیں۔ اس کی میعاد شئیرز اور بانڈز کے لئے جدا جدا ہے۔ شئیرز([2]) کی میعاد کمپنی کی بقا پر منحصر ہے، جب کہ بانڈز کی میعاد اگر بشکل قرض ہو تو (غیر معینہ) دس سے پانچ سال تک ہے۔ اگر قرض سے متعلق ہو تو میعاد ایک سال متعین ہو گی۔

---

[1] - دیکھئے: البنك اللاربوي في الإسلام لمحمد باقر الصدر (ص: 123، 124)، المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي لمحمد شبير (161).

[2] - شئیرز کسی کمپنی یا ادارے کی طرف سے جاری کئے گئے قرض کی نمائندگی نہیں کرتی ہیں، اور نہ ہی اس کی قیمت کی ادئیگی کی پاسداری کرتی ہیں۔ شئیرز کا خریدار تو کمپنی سے ہونے والے نفع ونقصان اور اس میں موجود متنوع اشیاء کی تحلیل سب میں برابر کا شریک رہتا ہے۔ دیکھئے: الأوراق التجارية لعلي جمال الدين عوض (ص: 12).

ABM PrintTime

(2)- چیک میں کوئی اضافی فائدہ نہیں ہوتا، جب کہ اسٹاک پیپرز کے حاملین کمپنی کے منافع میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ جیسے قرض دہندہ قرض کے بانڈز سے کچھ حاصل کرلیتے ہیں، اور معینہ مدت (ایک سال کی میعاد) پر بھی بہت کچھ نفع حاصل کرلیتے ہیں۔[3][4]

(3)- چیک اس اعتبار سے بھی ممتاز ہے کہ اس کے حصول کی مقررہ تاریخ منضبط اور طے شدہ ہوتی ہے۔ جب کہ اسٹاک پیپرز عمومی طور پر تاریخ طے کرنے یا تعیین کرنے میں دوٹوک والا معاملہ نہیں برتتے ہیں۔ شئیرز کا خریدار بغیر تعرض کے کمپنی جب تک ہے برابر ساتھ رہ سکتا ہے۔ کچھ کمپنیاں عمداً کچھ شئیرز ہولڈرز کو قرعہ اندازی کے تحت ان کی حصہ داری کونابود کردیتے ہیں۔ جس طرح سے کچھ حکومتی رعایت حاصل کرنے والی کمپنیوں کا معاملہ ہے۔ جو مقررہ وقت میں طے شدہ اور منصوبہ بند فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور وقت ختم ہونے پر وہ ساری رعایتیں، منافع اور پراپرٹیز سرکار منتقل ہو کر ریاستی خزانے کا حصہ بن جاتی ہیں۔

(4)- بعض قانونی عمل کی مناسبت سے چیک جزوی طور پر جاری کی جاتی ہیں، اور قیمت لین دین کی نوعیت پر منحصر ہوتی ہے، جب کہ اسٹاک پیپرز ہول سیل حسب ترقیم یکساں قیمت پر جاری کئے جاتے ہیں۔

---

[3] - قرض پر اصل سے زائد لینا شرعاً حرام ہے، اس پر اہل اسلام کا اجماع بھی ہے۔ ایک مشہور فقہی قاعدہ بھی ہے جو سبھی اہل علم کے نزدیک معتبر ہے، وہ یہ کہ: "كل قرض جر نفعا فهو ربا" ہر وہ قرض جو اصل رقم سے زائد کچھ بھی نفع لائے وہ سود ہے۔ دیکھئے: المغني (436/6).

[4] - قرض پر مزید فائدہ حاصل کرنا شرعاً حرام ہونے کی وجہ سے مملکت سعودیہ میں بھی سخت ممنوع ہے۔ بر سبیل مثال: سعودی مالیاتی ایجنسی سے صادر ہونے والا آرٹیکل نمبر (2) ملاحظہ فرمائے، اس میں لکھا ہوا ہے: کسی بھی سعودی مالیاتی ایجنسی کو زائد فائدہ لینے دینے کا کوئی وجہ جواز نہ ہو گا۔ ہاں زائد رقم لینے کا جواز صرف اس صورت میں ہو گا جو انہیں ضرور تا لوگوں کی زائد خدمات کرنی کی فیس لینی ہو یا اپنے تیئں سرکاری سہولیات فراہم کرنے کی اجرت حاصل کرنی ہو۔ ایسا لینا اس لئے صحیح ہو گا تاکہ ایجنسیاں اپنے اخراجات کی بھرپائی کرسکیں۔ دیکھئے: الموسوعة المصرفية السعودية لعبد العزيز المهنا: (ص: 130)، الأوراق التجارية في النظام التجاري السعودي لإلياس حداد: (ص: 15).

ABM PrintTime

(5)- چیک کی نمائندگی کرنے والی اصل رقم طے شدہ تاریخ تک مستحکم رہتی ہے۔ جب کہ کمرشیل دستاویزات کی قیمتیں اس کی برعکس ہیں۔ اوراصل مالیاتی مارکیٹنگ میں قیمتوں کی الٹ پلٹ سے اسٹاک پیپرز کی قیمتیں بھی مسلسل تغیر پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ اوراس مذکورہ اسٹاک پیپرز کی قیمتوں کا اقتصادی صورت حال بحال کرنے میں گہرا ربط ہے۔

(6)- چیک ہر وہ شخص جاری کرسکتا ہے جو ان کے اجراء کا اہل ہو، لیکن اسٹاک پیپرز صرف مالیاتی ادارے اوراور کمپنیاں ،اور ہر وہ شخص جسے قانونی حیثیت حاصل ہو وہی جاری کرسکتے ہیں۔

(7)- چیک ہولڈراور جو بھی اس میں شریک کار ہو اس کو طے شدہ قرض کی ادائیگی یقینی بنانا ہو گا۔ جب کہ اسٹاک پیپرز کا خریدار اپنی بیع وشراء کی شکل خاص کی بناء اس کا مکلف نہ ہو گا۔ کبھی خریدار اپنی طے شدہ ملکیت کے مکمل حصول سے قبل ہی کمپنی حرمان کا شکار ہو جاتی ہے، کبھی دوسرے اسباب بھی کارگر ہوتے ہیں۔ فروشندہ پر اتنا ہی لازم ہے کہ وہ شئیرز اور بانڈز کو خریدار کے حوالے کر دے۔ بعد ازاں وہ کسی امر کا مسوول نہ ہو گا۔

(8)- چیک بینکوں سے تخفیف (Discount) اور رعایت کو قبول کرتی ہیں۔ کیونکہ چیک کم اور معین مدت ([5]) میں پورا پورا حاصل کرنے والی ہیں۔ جب کہ کمرشیل کاغذات کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس میں ادائیگی کی مدت و میعاد طویل ہے۔ اوراس کی قیمت اتار چڑھاو کا شکار ہو جاتی ہے۔ اوراگر خریداران کاغذات کو کرنسی میں تبدیل کرنے کا خواہاں ہوں تو صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ بینک نوٹ مارکیٹ ([6]) سے سودا کرلے۔ کبھی تصرف کی اس نوعیت سے

---

[5] - کمرشل پیپرز بینکوں سے تخفیف (discount) اس موضوع کی تفصیلات ان شاء اللہ مستقل اپنے عنوان کے تحت آئے گی۔

[6] - البورصة: یہ ایک فرانسیسی لفظ ہے اس کا لفظی معنی ہے پیسوں کی تھیلی۔ یوں اس کا اطلاق معاملات بازار، سامان کی خریداری اور فنانشیل پیپرز پر ہونے والی قراردادا اور معاہدے پر ہوتا ہے۔ کیونکہ تاجر حضرات اس کو ڈیل کرنے کے لئے معروف مصنوعی بیگ میں پیسے لاتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تاجر حضرات وفود کی شکل میں شہر بروج (Bruges) جو (Belgium) کا ایک ساحلی شہر ہے، وہاں آتے اور ایک خانوادے کے ہوٹل میں قیام کرتے جن کا پیشہ ہی زر کا تبادلہ تھا۔ اوراس خوانوادے کا نام فان دربورص تھا۔ یہ لوگ اپنے گھروں اور ہوٹلوں پر بورصہ کی نقاشی کرتے۔ دیکھئے: الاقتصاد السياسي لزكي عبد المتعال: (ص: 12)، بورصات الأوراق المالية والقطن لإبراهيم أبي العلاء (ص: 12)، الموسوعة الاقتصادية لراشد البراوي (ص: 128)، المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي للدكتور محمد عثمان شبر (ص: 162).

APM Print Time

ضرر بھی ہوسکتا ہے، بالخصوص تجارت ایسے وقت میں ہو جب کہ کمرشیل کاغذات جاری کرتے وقت مالی حیثیت مناسب نہ ہو۔([7])

کمرشیل کاغذات کی اقسام:

کرنسی کی بازار میں متداول ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں: شئیرز، اور بانڈز۔

لغت میں الأسهم کا معنی:

ابن فارس رحمہ اللہ کہتے ہیں: (السين والهاء والميم)، بنیادی طور پر اس کے دو معنے ہیں: ایک یہ کہ اس میں تلون اور تغیر کا معنی آتا ہے، دوسرے یہ کہ نصیبہ اور حصہ کا معنی بھی آتا ہے([8])۔ اس کی جمع أسهم وسهام وسهمان آتی ہے۔([9])

الأسهم کا اصطلاحی معنی:

اس کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں، تاہم سب سے قریبی معنی یہ ہے کہ: یہ ایک طرح کے چیکس یعنی صکوک اور سیکورٹیز ہیں جو کمپنی کے راس المال میں شئیرز کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جس میں کا ہر حصہ قیمتاً مساوی ہوتا ہے۔ یہ بٹنے کے قابل نہیں

---

[7] - دیکھئے: محمد صالح بك: الأوراق التجارية (ص: 4)، إلياس حداد: الأوراق التجارية في النظام السعودي (ص: 14-17)، علي جمال الدين عوض: الأوراق التجارية (ص: 12)، محمد إسماعيل علم الدين: القانون التجاري (ص: 94-95)، أكرم ياملكي: الأوراق التجارية (ص: 7)، حسين النوري: دروس في الأوراق التجارية (ص: 110 12)، محمد أحمد سراج: الأوراق التجارية في الشريعة الإسلامية (ص: 47- 48)، لبيان أوجه الفرق بين الأوراق التجارية والأوراق المالية (الأسهم والسندات) كتابنا: أحكام الأوراق التجارية في الفقه الإسلامي (ص: 60- 63).

[8] - دیکھئے: معجم مقاييس اللغة (111/3) مادة: سهم.

[9] - دیکھئے: مادة: (سهم) في: النهاية في غريب الحديث والأثر: (429/2)، الصحاح: (1956/5)، المصباح المنير: (ص: 153)، لسان العرب: (412/6)، القاموس المحيط: (ص: 1452).

ABM Print Time

ہوتاہے۔ تجارتی منڈیوں میں یہ عام طور سے متداول ہوتاہے۔اور کمپنی کے راس المال میں جن خریداروں نے حصہ لیا ہے ان تمام کے حقوق کی یہ چیکس نمائندگی کرتی ہیں۔([10])

مذکورہ اس تعریف کے پیش نظر شئیرز کی کچھ نمایاں خصوصیات کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

(1)۔ یہ چیکس مساوی قیمت کی ہوتی ہیں،اور بحیثیت مجموعی راس المال کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔اس ضمن کچھ تجارتی ضوابط طئے کئے گئے ہیں،اور جاری کئے جانے والے نام بنام شئیرز کی قیمتوں جن میں اعلی وادنی کی ایک حد ہوتی ہے۔ایک ہی قیمت لگانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے کمپنی کو معاملات میں،منافع کی تقسیم میں،جنرل اسمبلی کی اکثیریت کا اندازہ لگانے میں اوراشیاء کی قیمت طے کرنے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔

(2)۔ قیمتوں کا یکساں ہونے سے شرکاء کے حقوق بھی یکساں ہوتے ہیں۔ہاں کبھی کچھ بہترین اور عمدہ قسم کے شئیرز جاری کئے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں ان خریداروں کو کچھ زائد حقوق اور فوائد سے نوازا جاتاہے جو عام شئیرز کی خریداری پر نہیں دیا جاتا۔اس طرح کی شئیرز کی حقیقت اور حکم کیاہے،بہت جلد تفصیلی گفتگو آپ کے حیطہء علم میں آئے گی ان شاء اللہ۔

(3)۔ خریدار اپنے دیگر شرکاء کے ساتھ مسوولیت میں برابری میں ہیں،یعنی شرکاء کی ذمہ داریاں شئیرز کی حسب قیمت آپس میں منقسم ہوں گی۔ کمپنی پر عائد دین کی بابت ان سے کسی طرح کی بھی بازپرس نہ ہوگی سوائے ان شئیرز سے متعلق جن کے وہ مالک ہوں۔

(4)۔ شئیرز چوں کہ بٹنے کے عدم قابل ہوگا،تولازمی طور سے اس کا مالک ایک ہی ہوگا۔اور قانون اس کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ کمپنی کے سامنے ایک سے زائد مالک ہوں۔اگر ملکیت زائد ازایک میں منقسم ہوتی ہے جیسے وراثت، ہبہ، یا وصیت،تو اس طرح کا بٹوارہ اگرچہ صحیح ہے لیکن کمپنی کے طے شدہ ضوابط کے پیش نظر ناقابل قبول ہے۔ایسی صورت

---

[10] - دیکھئے: بيع الأسهم للزحيلي: (ص: 8)، الوجيز في القانون التجاري لمصطفى كمال طه: (300/1)، القانون التجاري السعودي لمحمد حسن الجبر: (ص: 59)، المعايير الشرعية: (ص: 397)، دليل المصطلحات الفقهية والاقتصادية: (ص: 177).

میں ان لوگوں پر ضروری ہے کہ آپس میں کسی ایک کو طے کرے جو سب کی طرف سے کمپنی کے لئے نیابت کرلے۔جی ہاں! اس طرح کی بٹوارہ سے کمپنی اس لئے روک لگاتی ہے، تاکہ کمپنی اوراس کے شرکاء کے مابین حقوق کے حصول اور ادائے واجبات دونوں بآسانی اور براہ راست ہو جائیں۔

(5)۔شئیرز کا بآسانی میسر ہونا، یہ تیسیر ان شئیرز کی ایک اہم خصوصیت ہے۔اگر ان ہدایات کے خلاف کوئی بات ہو تو کمپنی شراکت داری ختم کردیتی ہے۔([11])

السندات کی تعریف اور اس کا حکم:

السندات کی تعریف:

لغت میں السند کا معنی بلاتے ہوئے ابن فارس رحمہ اللہ کہتے ہیں:(السین والنون والدال)، بنیادی طور پر اس کا معنی آتاہے:ایک چیز کو دوسرے سے ملادینا۔([12])

"المصباح المنیر " کے مصنف احمد بن محمد الفیومی الحموی(ت770ھ تقریبا)رحمہ اللہ کہتے ہیں:السند کے معنی یہ ہے کہ دیوار یا کسی اور چیز سے ٹیک لگانا۔([13])

السند کا اطلاق معتبر تحریر پر ہوتا ہے، چاہے وہ تحریر ملکیت پر مبنی ہو، یا قرض اور دیگر چیزوں سے متعلق ہو۔کیونکہ اسی تحریر کی بنیاد پر انسان اپنے حق کو ثابت کرتا ہے۔([14])

---

[11] - دیکھئے: شركات المساهمة لأبي زيد رضوان: (ص: 113)، الأسهم والسندات لعبد العزيز الخياط: (ص: 18)، شركة المساهمة في النظام السعودي لصالح بن زابن المرزوقي: (ص: 334)، بيع الأسهم لوهبة الزحيلي: (ص: 9)، الأسهم والسندات وأحكامها في الفقه الإسلامي لأحمد الخليل: (63)، بحوث فقهية معاصرة لمحمد عبد الغفار الشريف: (ص: 70)، أحكام الأسواق المالية لمحمد صبري هارون: (ص: 31)، المعاملات المالية المعاصرة لمحمد شبر: (ص: 163).

[12] - دیکھئے: معجم مقاييس اللغة (105/3).

[13] - دیکھئے: (ص: 110)، القاموس المحيط (ص: 370).

[14] - دیکھئے: الخدمات الاستثمارية في المصارف وأحكامها في الفقه الإسلامي (354/1).

السند کا اصطلاحی معنی:

یہ وہ دستاویز ہے جو عامۃ الناس کو دیا جاتا ہے تاکہ ان کے اصل سرمایہ سے نفع بخش تجارت ہو سکے، عوض کے طور پر انہیں اصل سرمایہ کے ساتھ کچھ نفع بھی دے دیا جاتا ہے۔[15]

اس طرز تجارت کی بنیاد اسٹاک پیپرز پر ہوتی ہے، وہ ایک چیک ہے جو اس کے لینے والے سے متعلق یقینی اور قابل عہد ہوتا ہے کہ وہ کمپنی یا بینک سے کتنا اور کس تاریخ کو لیا ہے۔ اسی کے مطابق منفعت کا وہ حقدار ہوگا۔ یہ اس قرض کے سبب ہے جس سے وہ اپنی ضروریات یا تجارت وغیرہ میں کشادگی چاہتا ہے، اور جس کو کوئی کمپنی یا ایجنسی طے کرتی ہے۔[16]
قابل غور بات یہ ہے کہ یہ بانڈز کسی طور پر بھی ربا (سود) کی آمیزش سے جدا نہیں ہو سکتے، اگر زائد فائدہ نکال دیا جائے تو اس کی شکل قرض حسنہ کی ہو جائے گی۔ لیکن بینک کی نظام دنیا میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے معاملات میں سود کے بغیر تجارت کرے۔

شئیرز اور بانڈز میں فرق:

شئیرز اور بانڈز بعض عمومی امور میں یکساں ہیں، دونوں کا حصول نہایت آسان ہے، اسی طرح ان میں سے کسی بھی شئ کی خریداری مختصر انہیں سکتی۔ ہاں برائے نام کبھی ہو جائے یا ہولڈر کے لئے استثناء ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کے مابین فروق کی کثرت ہے، ان میں قابل ذکر کچھ یہ ہیں:

---

15 - دیکھئے: المرجع السابق (354/1)، معجم المصطلحات التجارية (ص: 165).

16 - دیکھئے: البنوك الإسلامية بين النظرية والتطبيق، للدكتور عبد الله بن محمد بن أحمد الطيار (ص: 160)، أدوات الاستثمار في أسواق رأس المال (ص: 32)، الموسوعة الاقتصادية، للدكتور سميح مسعود (ص: 87)، الخدمات الاستثمارية في المصارف وأحكامها في الفقه الإسلامي (348/2)، شركة المساهمة في النظام السعودي، دراسة مقارنة بالفقه الإسلامي (ص: 386)، الشركات التجارية لعلي حسن يونس (ص: 558)، الأسهم والسندات من منظور إسلامي (ص: 52).

(1)- شئیرز کی حیثیت یہ ہے کہ وہ کمپنی کے راس المال کی جزوی نمائندگی کرتی ہے، یوں شئیرز کا خریدار کمپنی کا جزوی مالک ہوتا ہے۔ جب کہ بانڈز کی حیثیت کمپنی کے حق میں قرض کنندہ کی ہے۔ تو کمپنی اس کے ہولڈرز کو قرض دیتی ہے۔([17])

(2)- شئیرز کا معاملہ کمپنی کی شراکت داری کا ہے، وہ کمپنی کے نفع ونقصان ہر دو کا متحمل ہے۔ جب بانڈز میں آمدنی کے طئے شدہ حصہ ہوتا ہے۔ نہ کم نہ زیادہ، اور یہ بھی کہ کمپنی کے نقصان سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

(3)- بانڈز کے مالک کو یک گونہ ترجیح دی جائے گی اس صورت میں کہ کمپنی اس کی شراکت سے مستفید ہوتی ہو، کیونکہ کمپنی کو اس سے جزوی قرض ملتا ہے۔ جب کہ شئیرز کے مالک کو قرض کی ادائیگی کے بعد بچنے والی آمدنی سے ہی بہرہ ہونا پڑتا ہے([18])۔ ایسا اس لئے کہ بانڈز کا مالک کمپنی سے خارجی طور سے بقرض معاملہ کرتا ہے، اور شئیرز کا مالک اندرون اور کمپنی کے شرکاء کا ایک جزء ہوتا ہے۔([19])

(4)- شئیرز کے خریدار کو کسی طور پر بھی ادائیگی میں ڈھیل نہیں دی جاتی ہے، ہاں کمپنی خود اگر رعایت دے یا مخصوص شیئرز کی خریداری میں کوئی راہ نکل جائے۔ البتہ بانڈز کا خریدار اس سے ممتاز ہے کہ وہ اپنے پاس ایک طئے شدہ وقت تک رعایت حاصل کرتا ہے۔([20])

---

[17] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 364).

[18] - دیکھئے: الخدمات الاستثمارية في المصارف وأحكامها في الفقه الإسلامي (349/2)، المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي (ص: 176)، النقود والبنوك والأسواق المالية (ص: 71)، الأسهم والسندات من منظور إسلامي (ص: 52).

[19] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 132).

[20] - دیکھئے: الخدمات الاستثمارية في المصارف وأحكامها في الفقه الإسلامي (349/2)، أدوات الاستثمار في أسواق رأس المال (ص: 32)، إدارة الاستثمارات (ص: 191)، الأسواق المالية العالمية وأدواتها المشتقة (ص: 116).

شئیرزاور بانڈز کی خریداری کا حکم:

بانڈز سے ہونے والا تھوڑا فائدہ بھی باتفاق کل معتبر معاصر علماء حرام ہے۔ قطع نظر اس کے کہ کمپنی فائدہ میں ہے یا نقصان میں، اس میں ربوی آمیزش ہونے کی وجہ سے متقدمین کے ہاں بھی مطلقاحرام گردانا گیاہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرض پر اصل سے زائد کچھ بھی نفع ملے وہ ربا ہے اور ربا حرام ہے، ازدیاد کا معاملہ گرچہ ایک دانہ سے یا کھرسے ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے!!، اور مسئلہ ءمذکورہ پر اہل اسلام کا اتفاق اجتہادی نہیں بلکہ منصوص ہے، مستند ہے، وحی کی روشنی میں کیا گیاہے۔([21])

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر قرض پر یہ شرط لگادی جائے کہ اس پر کچھ زائد بھی لوٹاناہوگا، تو یہ باتفاق یہ حرام ہے۔([22])

رابطہ ءعالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی طرف سے منعقد ہونے والی فقہی کونسل کے چھٹے اجلاس میں پاس کی گئی پہلی قرارداد میں یہ بات کہی گئی ہے کہ: بانڈز کا سودی ہونے کی وجہ سے اس کو جاری کرنا، فروخت کرنا، لین دین کا معاملہ برتنا سب ناجائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں ربوی آمیزش ہے۔([23])

لیکن حال ہی میں کچھ اسلامک بینک مباح تجارت کی متبادل دینے کی پہل کی ہیں۔ اوراس بانڈز کواس کی حرمت کے باوجود چیکس کی قسیم قراردی ہیں، جیسے: صکوک اجارہ، صکوک المضاربۃ، اور صکوک المشارکۃ جو اصلا جائز ہیں بانڈز کوانہیں پر قیاس کی ہیں۔

شئیرز کا حکم اس میں کچھ تفصیل ہے: شئیرز کا حکم اوراس پر گفتگو کرنے سے قبل ان کو اجراء کرنے والی کمپنیوں اس کی انواع، اوراس سے مرتبط فقہی احکام بھی پیش نظر ہوناچاہئے۔ ہمارے علماء – رحمہم اللہ – نے اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کرچکے ہیں، فقہ کی کسی بھی کتاب کی ورق گردانی کرلیں مذکورہ موضوع کی تفصیلات آپ کو مل جائیں گی۔

---

[21] - دیکھئے: التمهيد لابن عبد البر (68/4).

[22] - دیکھئے: المغني (436/6).

[23] - دیکھئے: قرارات المجمع الفقهي رابطة العالم الإسلامي (ص: 327).

ABM Print Time

آپس کی ملی جلی تجارت، شراکت داری کوئی نہیں ہے، زمانہء قدیم میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ﴾(ص: 24)

الشرکۃ کی تعریف:

بانڈز سے ہونے والا تھوڑا فائدہ بھی باتفاق کلعربی زبان میں اس کا معنی ہوتا ہے مخلوط، اور باہم ایک دوسرے سے ملنے کو، اور الشرک کہتے ہیں حصہ کو۔([24])

فقہی اصطلاح میں اس کا معنی ہے: شرکاء کا آپسی معاہدہ جو راس المال اور آمدنی پر ہوتا ہے۔ اور کچھ نے ان الفاظ میں اس کی تعریف کی ہے: کسی امر میں تصرف اور ملکیت کی صلاحیت پر یکساں طور پر مجتمع ہونا۔([25])

شرکات کی بابت مذکورہ تعریف سے اس کی دو قسمیں بنتی ہیں:

(أ)- ایسی شراکت داری جو کسی معاہدے یا قرارداد پر قائم ہوتی ہیں۔

(ب)- دوسرے ایسی شراکت جو کسی پراپرٹی پر قائم ہوتی ہے۔ لفظ الشرکۃ کی مذکورہ دوسری تعریف سے یہی شراکت مراد ہے۔ وہ اس طرح سے کہ کوئی دو یا دو سے زائد شخص کسی عینی اشیاء کے مالک ہوں، جیسے: مال وراثت، ہبہ، اور کسی شیئ کی خرید و فروخت وغیرہ، تو ایسے معاملات میں کوئی ایک ذاتی طور پر تصرف کے قابل نہ ہوگا، ہاں دوسروں کی اجازت ہو تو الگ بات ہے([26])۔ کیوں کہ اس میں کسی طرح کی قرارداد یا معاہدہ نہیں ہوتا ہے۔ اس میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں، اور دوسروں کے حصے کے یہ مالک نہیں ہوتے ہیں۔

اس مذکورہ قسم کی پھر دو قسمیں ہیں:

---

[24] - دیکھئے: القاموس المحیط (1220/1)، لسان العرب (448/10).

[25] - دیکھئے: الإنصاف للمرداوي (407/5).

[26] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 100).

ABM Print Time

(1)- اختیاری: اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھ سکتے ہیں: کسی دو شخصوں کو کچھ مال ہبہ کیا گیا، یا از طریق وصیت کچھ حاصل ہو گیا، تو یہ دونوں اس کی ملکیت میں برابر کے شریک ہیں۔

(2)- اجباری: اس کی مثال اس طرح سے دی جا سکتی ہے کسی متوفی کی اولاد میراث میں مشترک ہو، اخوۃ لام کو ملنی والی وراثت سے متعلق رب ذوالجلال کا ارشاد ہے: ﴿فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾(النساء: 12)

مذکورہ نوعیت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان کو ملنی والی شیئ از خود مل کر رہے گی اس کے حصول میں ان کی تخلیقی حیثیت کچھ نہیں ہے۔

البتہ یہ مسئلہ باب ہذا کا مقصود نہیں ہے، اور نہ ہی شرکات سے متعلق فقہاء کے پیش نظر اس طرح کے مسائل مقصود ہوا کرتے ہیں۔

لفظ الشركة کی اصطلاحی تعریف میں (أو تصرف): کا مطلب ہے ایسی شراکت داری جو کسی معاہدے یا قرارداد پر منعقد ہوتی ہے۔ شرکات کی بابت گفتگو کرتے ہوئے فقہاء کے پیش نظر ایسی شراکت ہی اصل اور مقصود ہوتی ہے۔

اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ: دو یا دو سے زائد شخص کسی تجارت میں کہ مال اور محنت دونوں میں ہر کوئی شریک رہے گا، یا کسی کا مال ہو گا محنت کسی اور کی یا اس کے برعکس والا معاملہ ہو۔([27])

معاہدے کے تحت چلنی والی کمپنیاں اور اس کی اقسام:

کسی معاہدے کی تحت چلنی والی کمپنیاں اور اس کا حکم بتلانے کے لئے فقہاء نے اس کی حسب ذیل اقسام بتلائے ہیں:

(1)- **شركة العنان**: اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخص سرمایہ اور محنت دونوں لگائیں اور نفع ونقصان دونوں میں شریک ہوں۔([28])

---

[27] - دیکھئے: البنوك الإسلامية بين النظرية والتطبيق، للدكتور عبد الله بن محمد بن أحمد الطيار (ص: 120).

[28] - دیکھئے: المغني (121/5)، الإنصاف (408/5).

ABM PrintTime

اس نوعیت والی شراکت میں سرمایہ کا یکساں لگانے کی کوئی شرط نہیں ہے، حسب حال طرفین میں سے کسی کا زیادہ ہو سکتا ہے، نتیجۃً نفع اور نقصان بھی اسے کے بقدر ہو گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک شریک اپنی صوابدید پر کمپنی کی صلاح وفلاح کی خاطر تصرف کرے یا اپنے دیگر شرکاء کی طرف سے بھی کر سکتا ہے۔([29])

(2)- **شركة المضاربة**: اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنا سرمایہ لگائے اور دوسرا محنت کرے، اور نفع میں دونوں شریک ہوں گے۔ اس نوع کی ساجھداری کو المضاربة کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عربی محاورہ الضارب في الأرض سے ماخوذ ہے، جس کے معنی تجارتی سفر کے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾(المزمل: 20)۔ اس کا ایک نام قراض بھی ہے، جس کا معنیٰ اصلی کاٹنا ہے۔ عربی میں کہا جاتا ہے:"قرض الفأر الثوب" یعنی چوہے نے کپڑے کو کاٹ دیا۔ یعنی ایک شخص اپنے مال میں سے کچھ مال الگ کر کے کمپنی کو سونپ دیتا ہے پھر اس سے منافع حاصل کرتا ہے۔([30])

اس کی مثال اس طرح دی جا سکتی ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے کو ایک لاکھ ریال دے اور کہے کہ تم اس سے تجارت کرو، پھر جو منافع ہو گا اس میں دونوں نصف نصف کے مالک ہوں گے، یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ 25٪ یہ اور 75٪ وہ لے۔ حسب ضرورت دونوں کے اتفاق رائے سے ہو سکتا ہے۔

شركة العنان اور شركة المضاربة میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں طرفین دونوں کے دونوں راس المال میں شریک ہوتے ہیں۔ جب کہ آخر الذکر تجارت میں ایک سرمایہ لگاتا ہے، دوسرا محنت کرتا ہے۔([31])

---

[29] - دیکھئے: البنوك الإسلامية بين النظرية والتطبيق، للدكتور عبد الله بن محمد بن أحمد الطيار (ص: 121).

[30] - دیکھئے: الشرح الكبير على المقنع (130/5)، المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 100).

[31] - دیکھئے: البنوك الإسلامية بين النظرية والتطبيق، للدكتور عبد الله بن محمد بن أحمد الطيار (ص: 176).

ABM Print Time

(3)- **<u>شركة الوجوه</u>:** اس کا معنی یہ ہے کہ دو شخص ایک ساتھ اور باعتبار مواجھت کسی شیئ کی خریداری کرتے ہیں اور ان کے پاس پیسہ نہیں ہوتا ہے، کمپنی ذمہ داری لیتی ہے۔ جب کہ راس المال میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اس تصرف میں دونوں ہاتھ بٹائیں گے، اور مشروط طریقے سے ان کے مابین نفع تقسیم ہوگا۔[32]

اس کی مثال اور صورت یہ ہے کہ: دو یا اس سے زائد شخص کسی چیز کی خریداری قرضا کرلیں جب کہ راس المال ان کا اپنا نہیں ہوتا، پھر اسی شیئ کو نقد ابیچ دیتے ہیں۔ قرض کی ادائیگی کے بعد بطور منفعت طئے شدہ شروط کی روشنی میں آپس میں تقسیم ہوجائے گی۔

(4)- **<u>شركة الأبدان</u>:** اس کی صورت یہ ہے کہ اس تجارت میں دو سے زائد اشخاص کسی کاریگری میں شریک ہوں اور نفع بمشروط منقسم ہوجائے گی۔[33]

اس کی مثال اور صورت یہ ہے کہ کوئی دو مزدور مچھلی کے حصول میں ایک ساتھ محنت کرتے ہوں اور جتنی مچھلی ہاتھ آئے گی اس کی آمدنی میں دونوں برابر برابر یا کسی مشروط طور پر تقسیم کرلیں گے۔

اس طرز کی تجارت شركة أعمال سے بھی جانی جاتی ہے۔ حالیہ دنوں میں تو اکثر اسی نام سے اس کی شہرت ہے، بالخصوص ورکشاپس، کارپینٹرس، آٹوموبائل اور دیگر کاریگروں کے ہاں۔[34]

(5)- کچھ حضرات نے ایک اور قسم کا اضافہ کیا ہے، جس کو **<u>شركة المفاوضة</u>** کہتے ہیں۔ اس کی عملی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے شریک کار کو: خرید وفروخت، مضاربت، وکالت، یا رھن، اور دیگر متنوع اقسام میں جو اس قبیل سے ہیں، وہ سونپ دے۔ درحقیقت تجارت کی یہ بھی ایک صحیح شکل ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ نوع مذکورہ شركة العنان اور شركة الوجوه کی نوع سے قریب تر ہے اور اس سے ہم آہنگ ہے۔ نقصان اور فائدہ اصل مال کی مقدار پر منحصر ہوگا۔

---

32 - دیکھئے: المغني (121/5)، الإنصاف (458/5).

33 - دیکھئے: المغني (114/5)، الشرح الكبير (185/5)، الإنصاف (460/5)

34 - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 102)

ہماری رائے میں آخر الذکر کوئی مستقل قسم نہیں ہے، بلکہ سابقہ اقسام ہی میں سے ایک شکل ہے۔([35])

کمپنیوں سے متعلق مسائل کے لئے مشہور قواعد:

کمپنی اور اس کی اقسام پر گفتگو کرنے کے بعد مستحسن یہ ہے کہ اب کمپنی کو درپیش مسائل کی تحلیل کے ضوابط و قواعد پر گفتگو ہو، ان اہم قواعد میں سے کچھ یہ ہیں:

(1)- پہلی بات یہ ہے کہ ملکیت اور نفع کمپنی کے سارے شرکاء میں ان کی اپنی جدوجہد کے بقدر برابر ہے۔ہاں نقصان رب المال سے مختص ہے۔ملکیت کی کوئی تعیین نہیں ہے، نصف یا اس سے زیادہ یا کم کسی طور پر ہو سکتی ہے، کسی کا حق ملکیت 80% اور کسی کا 20% ہو سکتا ہے۔نصف نصف والی بات بھی ہو سکتی ہے۔

ملکیت اور آمدنی کے علاوہ نقصان کا معاملہ تو صرف رب المال پر ہی ہے، کمپنی اگر مضاربت کے طریق پر ہو تو نقصان کا بوجھ صرف رب المال پر ہو گا۔اس کے شریک کار کی صرف محنت رائیگاں جائے گی، مالی نقصان نہیں ہو گا۔ہاں اگر اس نقصان میں اس کی لاپرواہی شامل ہو تو اس نقصان میں یہ بھی اپنی لاپرواہی کے بقدر شریک ہو گا([36])۔اسی لئے بعض لوگوں کا مضارب کے حق میں نقصان کی مطلقا نفی کرنا صحیح نہیں ہے۔([37])

---

[35] - دیکھئے: المغني (138/5)، الإنصاف (464/5)، البنوك الإسلامية بين النظرية والتطبيق (ص: 121)، المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 101)

[36] - دیکھئے:المعونة للقاضي عبد الوهاب (1122/2)، البهجة شر التحفة (217/2)، كشاف القناع (498/3)، السيل الجرار (200/3)، المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 106)، في فقه المعاملات المالية المعاصرة والمصرفية المعاصرة للدكتور نزيه حماد (ص: 263)

[37] - دیکھئے: الاستذكار (19/6)، التفريع لابن الجلاب (195/2)، الإشراف للقاضي عبد الوهاب (61/2)، المعونة (1122/2)، بداية المجتهد (238/2)، الزرقاني على الموطأ (235/3، 20)، المغني (176/7، 179)، كشاف القناع (498/3)

مجمع الفقہ الاسلامی الدولی کی طرف سے یہ حکم نامہ جاری کیا جاچکا ہے کہ راس المال میں مضارب پر کسی طرح کا ضمان نہیں ہو گا، اوراس شرط کو مذکورہ اکیڈمی نے عدم جواز کا ہی حکم پاس کیا ہے، اگر اس پر کوئی ٹھوس بات واضح الفاظ میں یا اشارۃ بھی ہو تو ایسی صورت میں مضارب پر عائد ضمان والی شرط باطل مانی جائے گی، اور آمدنی میں مضارب اپنے شریک کار کے برابر ہی لینے کا حقدار ہو گا۔([38])

اہل علم اس امر میں اختلاف کئے ہیں کہ مذکورہ اس شرط کا کمپنی کے بطلان پر اثر پڑے گا یا نہیں؟

جمہور اہل علم نے اس باہمی تجارت کو صحیح کہا ہے اور اس مخصوص شرط کو باطل مانا ہے([39])۔ اور کچھ فقہاء نے اس طرز کی تجارت اور اس میں موجود اس شرط دونوں کو باطل کہا ہے۔ اس میں جمہور کی رائے درست معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ عقود میں اصل صحت ہے، یہ درست اور بشکل صحیح ہو تو اس بنا پر تعمیر ہونے والی باہمی تجارت صحیح ہو گی، ہاں شرط باطل ہے۔ اگر کمپنی کو نقصان ہو گا تو رب المال کی بات ہی مانی جائے گی اور بغیر ثبوت کے بھی۔ کیونکہ مضارب امین ہے([40])، یعنی کے دلیل اس کو لانی پڑے گی۔ رہی بات کی تو اس میں رب المال اور مضارب دونوں نقصان میں شریک رہیں گے۔ سبب یہ ہے کہ راس المال میں دونوں مساوی ہوتے ہیں۔

(2)- دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ آمدنی اور نفع میں مقدار متعین نہیں ہونا چاہئے۔ آمدنی کی تقسیم کا معاملہ صاف ہونا اسی طرح ہونا چاہئے کہ فلاں کو چوتھائی، اور فلاں کو ایک تہائی اور آدھا وغیرہ، یا پھر اس کی شرح بتلادی جائے کہ کس کو کتنا فیصد ملے گا۔

اس طرز تعیین سے قرضدار سے کچھ فائدہ سمیت لینے کی بو آتی ہے، یوں آپسی تجات والا معاملہ اپنی اصل شکل سے نکل جاتا ہے([41])۔ رابطہ العالم لاسلامی کی فقہی اکیڈمی کی جانب سے یہ قرارداد پاس ہو چکی ہے، جس میں ہے کہ:

---

[38] - دیکھئے: القرار رقم (30(4/5)، قرارات مجمع الفقه الإسلامي الدولي (ص: 69، 70، 197)

[39] - دیکھئے: الإنصاف (ج5، ص: 424)، المعاملات المالية المعاصرة (ص: 108)

[40] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة (ص: 105)

[41] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة (ص: 10۳)

تجارت کی ایک نوع مضاربت میں یہ طئے شدہ اصول ہے کہ مضارب رب المال کو اصل مال میں کسی طور پر بھی تحدید کی تعیین نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ شکل اصول مضاربت سے میل نہیں کھاتی ہے۔ پھر یہ سود کی ایک قسم بن جاتی ہے کہ قرض سے کچھ زائد کا حصول۔ اور رب المال نے جو اصل مال لگایاہے کہ کہیں ایسانہ ہو کہ تعیین کی وجہ سے کل کا کل فائدہ مضارب ہی کو مل جائے، یا تعیین کے سبب اصل مال ہی کو نقصان پہنچ جائے اور مضارب کے ہاتھ کچھ نہ آئے۔!

مضاربت اور قرض پر فائدہ حاصل کرنے والے معاملہ میں دقیق اور فنی فرق یہ - جس کی عملی تصویر سودی بینک کاری میں دیکھ سکتے ہیں - ہے کہ مال مضارب کے ہاں امانت ہوتا ہے، اس کے حق میں کٹوتی اسی وقت ہوتی ہے جب کہ نقصان کا وہ خود ذمہ دار ہو، اور رب المال و مضارب کے مابین آمدنی کا حصہ مذکورہ نوعیت سے ہی تقسیم ہو گا۔

ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ مضاربت کی صحت کے لئے جو شروط مقرر کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رب المال اور مضارب کے مابین آمدنی کی تقسیم مذکورہ نوعیت کی ہونی چاہیئے، اس میں تحدید والا معاملہ نہیں ہو گا۔([42])

(2)- نفع اور نقصان کی ذمہ پہلے ہی سے کسی ایک پر نہیں ڈالا جائے گا۔ اس طرز عمل سے ربوی تجارت میں بدل جائے گی۔ البتہ نفع کا معاملہ مضارب سے جوڑا جاسکتاہے، اور صرف توقع سے اس کا واقع ہونا یانہ ہونا دونوں صورتیں سامنے آسکتی ہیں۔

(3)- تیسرا ضابطہ یہ ہے کہ مال مضارب کے ہاں امانت ہوتا ہے اس سے اسی وقت مسوول مانا جائے گا جب کہ نقصان کا وہ خود سبب ہو، اس اعتبار سے وہ مال اپنے ہاتھ لیا اور کچھ نقصان ہو گیا، مگر اس نے انکار کر دیا کہ نقصان کا سبب وہ نہیں ہے تو اسی کی بات لی جائے گی اور دلیل کی ضرورت بھی نہ ہو گی، البتہ رب المال نے واضح کر دیا کہ غلطی اسی سے ہوئی ہے اور ثابت ہو جانے پر اس کی غلطی کے بقدر اس سے باز پرس ہو سکتی ہے۔([43])

---

[42] - دیکھئے: قرارات المجمع الفقهي الإسلامي برابطة العالم الإسلامي (ص: 299)، القرار الخامس من الدورة (14)

[43] - دیکھئے: الشرح الكبير على المقنع (174/5)، زاد المعاد (154/1)

اس گفتگو کے بعد کچھ نئی طرز کی کمپنیوں سے متعلق گفتگو کی جائے گی ، لیکن یہ جدید طرز کی کمپنیاں بھی اصل کے اعتبار سے اسی ضمن میں آئیں گی جس پر فقہاء کلام کرچکے ہیں، جس کو الشرکات المساھمۃ کہاجاتاہے۔

الشرکات المساھمۃ:

اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ ایسی کمپنیاں جس کا راس المال شئیرز کی صورت میں مساوی طور پر منقسم ہو تا ہے۔ جس میں بٹنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اور یہ کہیں سے بھی حاصل کیا جاسکتاہے۔ ہر شریک کو اس کے شئیرز کے مطابق ہی نفع ملے گا، اور اس کی ذمہ داری بھی اسی کے بقدر ہوگی جتنے اس کے شئیرز ہوں گے۔

اس طرز کی کمپنیوں کی اہمیت پر ایک نظر ڈالتے ہیں:

اس طرز کی کمپنیوں نے معاشی استحکام کے لئے نہایت اہم رول ادا کی ہیں، ماہرین نے اس کے اس رول کو دیکھ کر اس کے حق میں یہ الفاظ کہے ہیں کہ کمپنیاں اقتصادیات کی فلاح کے لئے ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہیں، اور صنعت وتجارت کے باب میں تقعید کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور حالیہ دنوں شئیرز کا جو چلن ہے اس کی کوئی شکل ماضی میں نہیں ملتی ہے۔ بڑی بڑی کمپنیوں کی طرف سے صنعت وتجارت کی دنیا میں یہ ایک بڑا انقلابی کارنامہ ہے۔ آلات جدیدہ کے استعمال کا بھی اس میں بہت بڑا دخل ہے۔ بڑی بڑی کمپنیوں جو صنعت وتجارت اور زراعت وغیرہ سے متعلق ہیں ، ان کمپنیوں نے بڑے پیانے پر تجارت کی یہ صورت حال پیدا کر دی ہے کم سے کم محنت سے راس المال دوگنا ہو تا جائے، فردی سرمایہ اور انفرادی محنت سے اتنابڑا کام ظاہری اسباب کے تحت مشکل ہے۔ فی نفسہ کمپنی کا معاملہ اس کی اقسام، مسائل فقہاء کے ہاں زیر بحث رہے ہیں، مجمع الفقہ الاسلامی کا ایک موضوع رہاہے، تاہم اس میں جدید تنوع اور اس کی آسمان کو چھوتی لمبائی اور وسیع دائرہ کار تو ماضی میں اس کی مثال نہیں ملتی، یہ تو آج کا معاملہ ہے۔

کمپنیوں کا شئیرز جاری کرنے اور ترقی یافتہ شہروں میں سرمایہ کاری کی بدولت منضبط ہو جانے کے بعد اہلیان شہر بھی اس کی ترقی اور اس طرز تجارت کو پروان چڑھانے میں پورا پورا حصہ لیاہے۔ اس کی یہ خوبی ہے کہ اس طرز کی کمپنیوں نے چھوٹے

ABM PrintTime

موٹے انداز سے کافی لوگوں سے مال لے کرراس المال میں خوب اضافہ کیاہے۔اور پھر اس راس المال کی بدولت تعمیرات، مولس، ہوائی اڈے، اور صنعت وتجارت اورزراعت سے متعلق بہت کچھ اہم چیزوں کی بناڈالتی ہیں، سرمایہ کاری کا یہ ڈھنگ کسی اور شیئ کے لئے حاصل کرنا نہایت مشکل ہوتاہے۔ اس طرح کی سرمایہ کاری دورجدید کی ایک اختراع ہے۔اس طرز تجارت کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس تجارت میں بڑی تعداد میں لوگ اپنا سرمایہ لگاتے ہیں جب کہ صاحب مال کی شرکت کی ضرورت بھی نہیں رہتی ہے۔جس کی وجہ سے بھاری مقدار میں لوگ اپنا سرمایہ لگاتے ہیں اوران کے سرمایہ کی وجہ سے ان اس کمپنی سے یک گونہ تعلق بھی بندھا رہتاہے۔یوں اس کمپنی کی ترقی میں ان کا بھی ایک حصہ رہتاہے۔

عمومی طور سے کمپنیوں کا بالخصوص ان شئیرز پر مبنی کمپنیوں کا ایک فائدہ یہ ہے کہ افراداور شہر اقتصادی طور پر مستحکم ہوجاتے ہیں، اور یہ تجارت عروج حاصل کرلیتی ہے، یہ بات بھی ہے کہ شہروں کوجو فائدہ ہوتاہے اس سے کہیں بڑھ کر شرکاء اس سے مالامال ہوتے ہیں۔اس طرز تجارت سے لوگوں کا مال جو کبھی کسی کام کے نہیں رہ جاتا وہ سب اس میں لگادیا جاتاہے، سرمایہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس میں کمپنیاں بڑے پیمانے پر تجارت کرتی ہیں اور شہر میں ضروریات زندگی کی ریل پیل ہوجاتی ہے۔یہ بات بھی پیش نظر ہونا چاہئے کہ کسی بھی شہر کا استحکام اس کی اقتصادی حال کے مستحسن ہونے پر ہے۔جب کہ سرمایہ کی کمی سے یہ امر محال ہے۔اس تفصیل سے مذکورہ نوع کی کمپنیوں کی خصوصا اور عمومی طور پر دیگر کمپنیوں کے وجود، اوران کی وجہ سے اقتصادی استحکام کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتاہے۔(44)

---

[44] - دیکھئے: شركة المساهمة في النظام السعودي للمرزوقي: (ص: 264- 268)، بحث: (الأسهم) للدكتور: محمد بن علي القري بن عبيد، منشور في مجلة: مجمع الفقه الإسلامي الدولي، الدورة السابعة، المجلد الأول: (ص: 197- 198)، بحث بعنوان: المتاجرة بأسهم شركات غرضها مباح لكن تقرض وتقترض من البنك، لأحمد الحجي الكردي، منشور في مجلة الشريعة والدراسات الإسلامية جامعة الكويت، العدد: (44) (ص: 143)، بيع الأسهم للزحيلي: (ص: 5، 6)، مبررات إعادة النظر في أسهم الشركات التي يكون أصل نشاطها مباح ولكنها تتعامل بالفوائد المصرفية لنظام يعقوبي: أعمال الندوة الفقهية الخامسة لبيت التمويل الكويتي: (ص: 73)

ABM Print Time

تیسرا مبحث: شئرز سے متعلق فقہی مباحث:

شئیرز مارکیٹ پر گفتگو کرنے سے قبل شئرز سے متعلق جو فقہی مباحث ہیں پہلے ان سے آگاہی حاصل کر لیتے ہیں۔

شئیرز سے متعلق یہ کہا جا چکا ہے کہ یہ کمپنی کے راس المال کا ایک حصہ ہوتا ہے، یہ سارے حصوں کو ملا کر ہی کمپنی بنتی ہے۔ اسلامی فقہ میں اس نوع کی وکالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی عمل میں دو یا دو سے زائد شریک ہوں تو ایک دوسرے کے حق میں وکیل کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ اور راس المال میں ملکیت کے طور پر ہر ایک کا سرمایہ کے بقدر درجہ اور مقام ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ان کمپنیوں کی کچھ زائد قوانین ہیں جس میں سے یہ بھی ہے کہ شرکاء کا لگایا ہوا سرمایہ شئرز کی شکل میں اصالۃ نہیں ہوتا بلکہ بالذات اس میں اشخاص اصل ہوتے ہیں، اور کمپنی اپنی ملکیت میں دیگر شرکاء سے ممتاز اور الگ ہوتی ہے۔ تو شئیرز کی اس شکل اور اس نوع کی تجارت میں اہل کی اختلاف رائے رہی ہے۔ جو دو قولوں پر قائم ہے:

(1)- پہلا قول یہ ہے کہ یہ شئرز تجارتی سرمایہ ہیں، بس اتنا ہی کافی ہے، شئیرز کی اپنی نوعیت میں راس المال میں کیا ہیں اور کس سے ہم آہنگ ہیں یہ سرے سے نہیں دیکھا جائے گا۔

اس قول کی طرف شیخ جاد الحق جو جامعہ ازہر کے سابق شیخ الجامعہ رہے ہیں، اور دیگر اہل علم اور باحثین بھی اسی رائے کو تسلیم کئے ہیں۔[45]

(2)- دوسرا قول یہ ہے کہ شئیرز اپنے مالک یعنی صاحب اسہم کی ملکیت اور کمپنی میں اس کے حصہ اور وجود کی نمائندگی کرتی ہے، معاصر علماء کی اکثریت اسی قول کو راجح قول کے طور پر لیتی ہے۔[46]

---

45 - دیکھئے: الفتاوى الإسلامية في القضايا الاقتصادية لجاد الحق: (ص: 318)، بيع الأسهم للزحيلي: (ص: 25، 26).

46 - دیکھئے: مجلة مجمع الفقه الإسلامي برابطة العالم الإسلامي (343/9)، مناقشات مجلة مجمع الفقه الإسلامي الدولي، الدورة السابعة (691/1- 702)، بحث للصديق الضرير، بعنوان: (هل يجوز شراء أسهم الشركات والمصارف إذا كان في بعض معاملاتها ربا؟)، مجلة المجمع الفقهي بالرابطة (137/9).

پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ کمپنی سے متعلق قوانین بشری قوانین ہیں، اوراس میں یہ بات طئے شدہ ہے کہ یہ مال کمپنی کی اصل ملکیت شمار ہوگی، اس جانب السنہوری نے "شرح القانون المدنی" میں اشارہ بھی کیا ہے، وہ کہتے ہیں: "شریک جو سرمایہ لگاتا ہے اس کے اس عمل سے وہ ان شئیرز کی وجہ سے اصل مالک نہیں بن سکتا۔ کمپنی میں جب تک اس کا مال لگا رہتا ہے اس کا حق ملکیت کمپنی ہی کو رہے گا"۔([47])

اس دلیل کا دو طرح سے رد کیا گیا ہے:

(1)- دلیل اول میں جو بات کہی گئی ہے کہ اس میں اصل کمپنی ہی مسوول ہو گی، سرمایہ اسی کی ملکیت شمار ہو گی، اس نوعیت کی شرکۃ العنان سے ہم آہنگی ہوتی ہے، جس میں سرمایہ دونوں کا اور نفع ونقصان بھی دونوں کا۔جب کہ شئیرز کمپنی میں کئی ایک شرکاء ہوتے ہیں اور سرمایہ سب کا ہوتا ہے، کمپنی اس سے جڑے اصحاب کو ماہانہ حسب مال نفع دیتی ہے، اور عمال لوگوں کے سرمایہ سے ہونے والے فائدہ ہی سے ماہانہ اجرت لیتے ہیں۔ اور رہی بات نقصان کی تو بذات خود اصحاب المال برداشت کرتے ہیں۔

یہ بات بھی قابل غور ہے ایسا کرنے سے یہ فرق ہی مٹ جائے گا، وہ اس طرح کہ جو کمپنیاں اصلا حلال پر قائم ہیں وہ اور جو حرام پر قائم ہیں سب حکما ایک ہو جائیں گی۔جب کہ دونوں اپنے اپنے تصرف میں جدا جدا ہیں، ایسی صورت میں اہل علم میں سے کوئی بھی یہ بات نہیں کہے ہیں۔([48])

---

[47] - دیکھئے: مبررات إعادة النظر في أسهم الشركات التي يكون أصل نشاطها مباح ولكنها تتعامل بالفوائد المصرفية لنظام يعقوبي: أعمال الندوة الفقهية الخامسة لبيت التمويل الكويتي: (ص: 76)، بيع الأسهم للزحيلي: (25- 27).

[48] - دیکھئے: مناقشات مجلة مجمع الفقه الإسلامي الدولي، الدورة السابعة: (705/1، 706)، الخدمات الاستثمارية في المصارف وأحكامها في الفقه الإسلامي للشبيلي: (265/2).

ABM PrintTime

(2)- اس کا ایک سبب یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ یہ شئیرز ایک طرح کا مال تجارت ہیں، اس کے بازار بھی ہیں۔ ان اموال سے جو تجارت کرے گا اس سے وہ نفع بھی حاصل کرے گا کبھی نقصان بھی اٹھائے گا۔ تو اس کی اصل مارکیٹنگ قیمت ہو گی، اس اعتبار سے اس کی حیثیت عروض کی ہے۔([49])

اس کا جواب اس طرح سے دیا گیا ہے کہ یہ مسئلہ سرے سے مختلف فیہ ہے ہی نہیں۔ ان شئیرز کی حیثیت عروض کی ہو یا نہ ہو کمپنی میں اس کا جو اصل حصہ اور رول ہے اس سے وہ خارج نہیں ہوتا۔

قول ثانی کے دلائل حسب ذیل ہیں:

ان علماء نے کہا کہ شئیرز کے مالک کی حیثیت اس تجارت میں شریک کار کی ہے، اور فقہ اسلامی میں اس کا درجہ توکیل کا ہے، یوں تصرف میں وہ یکساں ہوتا ہے۔ یا اس کی حیثیت اس تجارت میں موجود تمام شرکاء جیسی ہے، ملکیت میں وہ بھی شریک ہوتا ہے۔ اور فقہ اسلامی کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ کہیں بھی ایسی بات نہیں ہے کہ کمپنی تمام شرکاء سے کٹ کر ذاتی طور پر اس کی مالک ہوتی ہے([50])۔ اس قول کی تائید کے لئے بعض فقہاء کے اقوال بھی پیش خدمت ہیں:

علامہ قدوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب کسی مال میں دو لوگ شریک ہو جائیں، تو ان میں سے ہر کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس میں دوسرے کی اجازت کے بغیر بھی تصرف کرے۔ اس لئے کہ بیع و شراء اس کا لازمی تقاضا ہے"۔([51])

ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس نوع کی تجارت کی سالمیت کے لئے جو شروط ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کمپنی سے جو طئے شدہ معاملہ ہوتا ہے وہ وکالت اور توکیل کے قابل ہو، اس لئے کہ اس میں دونوں طرف سے تصرف کی گنجائش نکل سکے"۔([52])

---

[49] - دیکھئے: أسواق الأوراق المالية: (ص: 318)، الأسهم والسندات وأحكامها في الفقه الإسلامي للخليل: (ص: 188، 189).

[50] - دیکھئے: بيع الأسهم للزحيلي: (ص: 25- 27).

[51] - دیکھئے: التجريد: (3056/6).

[52] - دیکھئے: فتح القدير: (155/6)، الاختيار لتعليل المختار: (19/3).

ABM PrintTime

ابن رشد المالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "۔۔۔مال تجارت میں دونوں ایک دوسرے کے برابر اور تصرف میں وہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں"۔([53])

علامہ الماوردی رحمہ اللہ کہتے ہیں:"اس تجارتی امور میں جو معاملہ رائج پاتا ہے اس میں دونوں تصرف میں مشترک ہیں، اوران کا آپسی معاملہ وکالت کا ہوگا"۔([54])

امام نووی رحمہ اللہ نے کہا:"شریک کار کا تصرف توکیل میں ہونے والے تصرف کے مساوی ہے"۔([55])

علامہ دمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دونوں بحیثیت شریک کے ایک دوسرے کے لئے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں"۔([56])

الموفق ابن قدامہ رحمہ اللہ کا قول بھی یہی بات قدرے تفصیل سے کہی:"اس معاملہ میں دونوں شریک کار اپنی اپنی ملکیت کے مطابق حق تصرف رکھتے ہیں، اور توکیل میں بھی بقدر اپنے حصے کے وہ حق تصرف رکھتا ہے"۔([57])

علامہ مرداوی رحمہ اللہ نے ابن قدامہ رحمہ اللہ کے اس قول ان الفاظ" بلا نزاع " میں تعلیق چڑھائی ہے۔([58])

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر اہل الذمہ کسی مسلمان تاجر سے شریک کار ہونے سے پہلے اپنے تئیں شراب، خنزیر وغیرہ کی تجارت کرلے تو اس کی تجارت اس کے اپنے عقیدہ کے تحت کے وہ اس کے ہاں حلال ہے، صحیح ہوگی۔ہاں اگر وہ کسی مسلم تاجر سے بطور شریک کار تجارت کرتا ہے تو ایسی تجارت فاسد ہوگی۔اس لئے کہ شریک وکیل ہوتا ہے، اور ایک کا معاملہ دوسرے سے جڑا ہوا ہی رہتا ہے، ایسے میں ایک مسلمان کا خنزیر اور شراب ملکیت صحیح نہیں ہوتی ہے"۔([59])

---

[53] - دیکھئے: بداية المجتهد (193/2).

[54] - دیکھئے: الحاوي الكبير (483/6، 484).

[55] - دیکھئے: روضة الطالبين: (283/4).

[56] - دیکھئے: النجم الوهاج في شرح المنهاج (11/5).

[57] - دیکھئے: المقنع: (9/14).

[58] - دیکھئے: الإنصاف: (11/14).

[59] - دیکھئے: أحكام أهل الذمة: (274/1).

البھوتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس طرح کے مال میں سارے شرکاء اپنے اپنے مال کے بقدر مالک ہیں اور دوسرے شرکاء کے مال میں بطور وکیل کے حق تصرف رکھتے ہیں، اور یہ معاملہ آخر الذکر کے اعتبار وکالت ہے اور اول الذکر کے اعتبار سے امانت ہے"۔([60])

بعض فقہاء کے یہ کچھ اقوال ہیں جو اس بابت صریح ہیں کہ شرکت وکالت کا تقاضا کرتی ہے، اور اس میں یہ آپسی طور سے حق تصرف رکھتے ہیں۔ اور چونکہ یہ ایک ساجھیدار ہے، اور اس کا لگایا ہوا سرمایہ کمپنی کے ایک حصہ ہونے کی ترجمانی کرتا ہے۔

مذکورہ دونوں اقوال میں ترجیح:

اہل علم کے دونوں اقوال میں سے دوسرا قول-واللہ اعلم-ہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، یعنی شریک اپنے مال کے بقدر حق ملکیت اوراور دیگر شرکاء سے بطور وکیل بھی حق تصرف رکھتا ہے۔

رہا مسئلہ اس پہلی رائے کا جس میں ان شئیرز کو عروض قرار دیا گیا ہے۔ یہ رائے مجرد بعض قوانین کی بنیاد پر بنی ہے، جب کہ فقہ اسلامی میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، جیسا کہ اس سے قبل بھی اس کو ذکر کیا جاچکا ہے، مزید براں یہ بھی کہ شئیرز سے متعلق جو کمپنیاں ہیں اس سے یہ کسی طور پر بھی میل نہیں کھاتی ہیں، معارض ہیں۔ اس مساہمت میں شریک کار کو بیع اور ہبہ وغیرہ میں حق تصرف حاصل ہے، اور یہ ملکیت پر دلالت کناں ہے۔ اور بیع ملکیت پر ہی ہوسکتی ہے، مجرد اس وثیقہ جو کہ اتھارٹی کاغذات کو رکھ کر کوئی بیع نہیں کرسکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں شریک جب کسی وجہ سے معاملہ ختم کرلیتا ہے تو وہ اپنا حصہ ضرور لے جاتا ہے، یہ خود بھی اس کے مالک ہونے کی دلیل ہے۔([61])

---

[60] - دیکھئے: شرح منتهى الإرادات: (549/3).

[61] - دیکھئے: تعليق الضرير على بحث القري، مجلة دراسات اقتصادية إسلامية: (م5، ع2، ص: 64).

ABM PrintTime

چوتھی فصل: شئرز تجارت سے متعلق فقہی مباحث اوراس کا حکم:

شئیرز سے متعلق فقہی احکام ومسائل قلم بند کئے جانے کے بعد اب اس کی تجارت، اس کی کمپنیاں اور مارکیٹنگ سے متعلق فقہی مسائل بیان کئے جائیں گے۔ یہ مسئلہ دوحالتوں میں سے کسی ایک سے جڑا ہی رہے گا:

(1)- اس کی ایک حالت شركة العنان کی ہوگی، اس صورت میں کہ مجلس الادارہ اس تجارت میں بطوعمیل کے اجرت حاصل کرے گی، نہ کہ اس تجارت میں شریک کار۔ کیونکہ کمپنی تمام شرکاء کی طرف سے وکالت کا کام کرتی ہے، اوراس پر اجرت لینا جائز ہے۔

اس آپسی تجارت میں شرکاء اور کمپنی کے مابین رضامندی اساس کا درجہ رکھتی ہے، اور کمپنی تمام شرکاء کی طرف سے وکالت کرتی ہے، شرکاء کی تعداد اصل مسئلہ نہیں ہے، اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے، اور کثرت کی وجہ سے تمام شرکاء کا اپنے وکیل کی معرفت حاصل کرنا ایسا ضروری بھی نہیں ہے، اور مضاربت میں رب المال کو جو حیثیت حاصل ہے، اس کمپنی میں شریک بلکہ سارے شرکاء کو رب المال کی طرح ماناجاتاہے۔ اورآپس میں ایک دوسرے کا وکیل اوراس میں تصرف شرعی دائرہ میں رہتے ہوئے جائزہے، اوراس قاعدہ کی روشنی میں کہ اہل اسلام اپنے طئے شدہ شروط پر مسائل کی تحلیل کرسکتے ہیں، جب تک کہ اس میں اسلامی اصولوں اوراس کے مقاصد سے تعارض نہ ہو۔([62])

(2)- اس کی دوسری حالت شركة العنان ومضاربة کی ہے، یعنی اس میں کمپنی شرکاء سے مساہمت کرتی ہے– جس طرح سعودی نظام تجارت میں ہے–، اس میں اپنی کارکردگی کے عوض آمدنی میں بطور تناسب اپنا حصہ لیتی ہے، کمپنی اس عمل کی ضامن ہوتی ہے اور کفالت کرتی ہے جس سے اس کو اتنا حصہ دیاجاتاہے۔([63])

---

[62] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 129).

[63] - دیکھئے: شركة المساهمة في النظام السعودي للدكتور صالح المرزوقي (ص: 299، 300).

شئرز کمپنیوں کا حکم:

شئیرز کمپنیوں سے متعلق شرعی نقطہ نظر سے اصل یہی ہے کہ اگر وہ سود اور دیگر حرام امور سے پاک ہیں تو وہ درست اور شرعی طور پر جائز ہیں۔ موجودہ دور میں اس طرز کی جو کمپنیاں ہیں اپنے عمل کے اعتبار سے ان کی تین قسمیں بنتی ہیں، شرعی حکم اسی اعتبار سے لاگو ہو گا:

(1)- پہلی قسم یہ ہے کہ اس طرح کی کمپنیاں اپنے عمل میں اور اس کی کاروائیوں میں مباح کا درجہ رکھتی ہوں۔

یہ کمپنیاں اپنے سارے معاملات میں شرعی احکام کے موافق انجام دیتی ہوں، جیسے زراعت، صنعت، اور دیگر تجارتی کمپنیاں۔ اس طرح کی کمپنیاں الشرکات المباحة اور النقیة سے بھی جانی جاتی ہیں۔ اور یہ کمپنیاں سودی کاروبار سے مکمل اجتناب کرتی ہوں، قرض دینے لینے میں بھی اسلامی نقطہ نظر کو ملحوظ رکھتی ہوں۔ اس طرح کی کمپنیوں میں مساہمت مباح اور جائز ہے۔

(2)- دوسری قسم کی وہ کمپنیاں جو خالص حرام امور پر مبنی ہوں۔

جیسے شراب بنانے والی، اور دیگر نشہ آور جیسے بیڑی، سگرٹیٹ اور عام سودی کاروبار کرنے والی کمپنیاں۔ ان کا یہ معاملہ چونکہ حرام امور پر مبنی ہے اس لئے اس میں مساہمت حرام ہے۔

مذکورہ دونوں قسم کی کمپنیوں سے متعلق مسئلہ واضح ہے، اور اس کا حکم بھی بصراحت موجود ہے، اس میں کوئی غبار نہیں۔

(3)- اس کی تیسری قسم یہ ہے کہ کچھ کمپنیاں اصالۃ جس چیز پر قائم ہوتی ہیں وہ امور مباحہ ہیں، یوں پہلی قسم کی طرح ہی ہوتی ہیں، تاہم ان کے کچھ معاملات ربوی و سودی ہوتے ہیں۔ قرض لینے دینے میں سودی نظام روا رکھتے ہیں۔

اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ: ان کمپنیوں کے معاملات صناعت، زراعت اور تجارتی امور پر ہی مبنی ہوتی ہیں، لیکن بعض معاملات محرمات کی قبیل سے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ بینک کی طرف سے جاری کی جانے والی رسیدیں جو قرضا دی جاتی ہیں وہ واپسی میں سود سمیت یعنی مزید فائدہ سے ہی حاصل کرتی ہیں۔ بڑے پیمانے پر اسی طرز کی کمپنیاں آج موجود ہیں۔ اس قسم کی کمپنیاں الشرکات المختلطة کے نام سے بھی جانی جاتی ہیں۔ کیونکہ اس میں حلال و حرام دونوں طریقے موجود ہیں۔

اس قسم کی کمپنیوں کا کیا حکم ہوگا، اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، اس میں سے دو رائے زیادہ مشہور ہیں:

(1)- پہلی رائے یہ ہے کہ اس کمپنی میں حصہ لیا جاسکتا ہے، البتہ اس شرط پر کہ وہ اس آمدنی اور نفع پر ملنے والے سود سے اپنے دامن کو پاک رکھے، اتنا نکال کر الگ کردے جتنی اس کی مقدار ہے، اگر مقدار نہیں معلوم ہوسکی ہے تو اس آمدنی کا نصف الگ کردے۔ اس معاملہ میں زیادہ والی بات اتنی ہی کہی گئی ہے۔

اس قول کی نسبت شیخ محمد بن صالح ابن العثیمین رحمہ اللہ کی طرف کی گئی ہے[64]۔ اور اسی قول کو رکھتے ہوئے تقریباً تمام شرعی اور بینکنگ ادارے اپنی طرف سے ربوی شرح کی تعیین کرتے ہوئے اپنے معاملات روا رکھتے ہیں۔[65]

(2)- اس باب میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس طرح کمپنیوں میں شرکت مطلقاً حرام ہے۔

اسی قول کی طرف بکثرت معاصر اہل علم گئے ہیں، اور اسی طرف دو اکیڈمی کا رجحان بھی ہے۔ ایک فقہ اسلامی اکیڈمی جو رابطہ عالم اسلامی کے تابع ہے، جو ہمارے شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ کی زیر سرپرستی میں ہے۔ ایک اور ملکی سطح کی فقہ اسلامی اکیڈمی جو تنظیم اسلامی کانفرنس اور علمی ریسرچ وفتوی نویسی پر مامور کمیٹی کے تابع ہے۔[66]

---

[64] - علامہ ابن العثیمین رحمہ اللہ کی طرف عدم جواز کا فتوی بھی منسوب کیا گیا ہے، دیکھئے: الأسهم المختلطة، لصالح العصيمي، ط: الثالثة (ص: 129- 135).

[65] - انہیں اداروں میں سے ایک شرعی ادارہ راجحی بینکنگ ہے، جو کہ ایک سرمایہ کاری کمپنی ہے، اپنے فیصلے اور قرارداد نمبر (485) بتاریخ (1422/8/23ھ) میں اداروں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ ایسی کمپنیاں جس میں دونوں طرز کی تجارت ہو اس میں سرمایہ کاری اور تجارتی معاملات استوار رکھ سکتے ہیں، لیکن کچھ ضوابط کا لحاظ کرتے ہیں ہوئے، ان ضوابط میں سے کچھ قابل ذکر یہ ہیں:

(1). کمپنی میں موجود سرمایہ کاری کی آمدنی میں سے زائد ربوی آمیزش نہیں ہونی چاہئے۔

(2). کمپنی کا ایسے عناصر سے پاک ہونا چاہئے جو حرام کاری میں اور محرمات سے پر ہوں۔ دیکھئے: الأسهم المختلطة لصالح العصيمي (32/1).

[66] - دیکھئے: قرارات مجمع الفقه الإسلامي برابطة العالم الإسلامي قرار رقم (4) من الدورة (14)، مجلة مجمع الفقه الإسلامي الدولي، عدد 6، (ج2 ص: 1273، والعدد 7، (ج1، ص: 73)، والعدد 9، (ج2 ص: 5)، فتاوى اللجنة الدائمة (299/14).

اب یہاں قول اول کے قائلین کے دلائل ذکر کئے جائیں گے:

جواز کا فتوی دینے اہل حضرات نے اپنے قول کی تائید میں کئی ایک دلائل سے استدلال کئے ہیں، جو بنیادی طور پر دو باتوں پر منحصر ہیں:

(1)- بعض فقہاء کی طرف سے ذکر کئے گئے کچھ قواعد سے استدلال۔([67])

ان قواعد میں مثلا: جب حلال مال حرام سے مختلط ہو، تو حرام کاری سے حاصل کیا ہوا مال سارے مال کو حرام نہیں کر دیتا۔ ایک اور قاعدہ ہے: کوئی چیز کبھی کسی امر کی اتباع میں پائے ثبوت کو پہنچ جاتا ہے، جب کہ یہی معاملہ استقلالا نا قابل ہوتا ہے([68])۔ ایک تیسرا قاعدہ بھی ملاحظہ فرمائیں: اصل حکم اکثریت پر ہوتا ہے۔

مذکورہ قواعد اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ حلال کا حرام سے مختلط ہو جائے تو اکثر پر حکم جاری ہوگا۔ اور یہ ربوی معاملہ اس طرح کی کمپنیوں میں مباح سے نسبتا کم ہوتا ہے، یوں حکم اکثر پر ہوگا اور وہ مباح ہے۔ نتیجۃ ان کمپنیوں میں مساہمت جائز ہے۔

اس کے جواز پر دلالت کرنی والی یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ بھی معاملہ روا رکھا جب کہ وہ سودی خوری میں مثالی تھے، ان کا مال حلال بھی تھا اور حرام بھی، اس کے باوجود ان سے خرید وفروخت ہو یا ہدایا کا قبول کرنا ہو، حتی کی ان کی دعوت ولیمہ پر حاضری دینا ہو سب آپ نے عملا کر دکھایا۔ حالانکہ ان کا مال حلال وحرام سے مختلط تھا۔

(2)- دوسرا استدلال اس قضیہ سے ہے کہ یہ کمپنیاں بڑے بڑے کام کی سرپرستی کرتی ہے، اور انہیں انجام دیتی ہے، معا یہ بھی کہ ہماری ضروریات زندگی کا ایک بڑا حصہ اس کے وجود سے باقی ہے، تو کہیں بھی کسی بھی انسان کو اس سے تعامل میں بے نیازی نہیں ہو سکتی ہے۔

---

[67] - دیکھئے: بحوث في الاقتصاد الإسلامي لعبد الله بن سليمان المنيع، (ص: 219- 249).

[68] - مثلا ایک عورت لڑکے کی ولادت کی گواہی دے تو اس کا نسب ثابت ہو جاتا ہے، جب کہ نسب کے ثابت کرنے میں ایک شاہد استقلالا کافی نہ ہوگا۔ دیکھئے: القواعد لابن رجب. القاعدة الثالثة والثلاثون بعد المائة. (مترجم)

ABM Print Time

بطور مثال کے ان کمپنیوں کو لیں جو بجلی، سمٹ، دودھ، مشروبات، اور خبر رسانی وغیرہ دیگر انسانی ضروریتوں کو مہیا کرتی ہیں۔ اگر ان کمپنیوں سے تعامل کو عدم جواز کا فتوی دیں گے تو کمپنیاں اپنا وجود کھو بیٹھیں گی، یوں لوگوں کی ضروریات زندگی داو پر لگ جائیں گی۔

اس عدم جواز کے فتوی سے جو عمومی آفت آئے گی اس سے بچنے کے لئے بس ایک ہی راہ ہے کہ اس کے جواز کا فتوی دیں، ہاں یہ ضرور ہونا چاہئے کہ اس میں موجود سودی آمیزش سے اپنے دامن کو داغ دار ہونے سے مکمل بچائیں۔

قول ثانی کے قائلین کی دلیل حسب ذیل ہے:

کمپنی میں اپنا سرمایہ لگانے والا کمپنی کی ملکیت میں دوسروں کی طرح اپنا ایک حصہ رکھتا ہے، کمپنی سے جڑی ساری اشیاء کا تعلق اس سے بھی ہوتا ہے، اس لئے کہ شئرز کمپنی میں پر راس المال کا ایک حصہ ہے، بلکہ ساری شئیرز کمپنی میں اپنا ایک حصہ رکھتی ہیں اور اپنی نمائندگی کرتی ہیں، اور اصولا ہر ادارہ یا ہر کمپنی سے جڑا ہر معاملہ اس کے مالک جو ایک ہو یا ایک سے زائد اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ کمپنی سے جڑی ہر چیز اس کے مالک کی طرف ہی منسوب ہوتی ہے، تو ان اشیاء میں سے یہ بھی ہے کہ کمپنی سود سمیت قرض لیتی ہے اور دیتی ہے، یوں شریک کار اس کی گویا توکیل کر رہا ہے۔ جب یہ سارے معاملات کمپنی کے سپرد کر دیا ہے تو اس کمیٹی کی طرف سے کی جانے والی ساری چیزیں اس کی زد میں آجاتی ہیں، سود پر دیا جانے والا قرض بھی اسی ضمن میں آجاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ سود کی حرمت پر سختی سے نوٹس لی ہے، یہ معلوم ہے کہ شریعت نے سودی کاروباری میں کاتب اور شاہد کو ملعون قرار دیا ہے، تو اس شخص کے گناہ کا کیا انجام ہوگا جو اس میں اصل معاملہ رکھے، ملکیت اس کی، تصرف اس کا، اور حق وکالت بھی اس کو ہوتی ہے؟

اس میں امر بھی ہے کہ اس کمپنی میں مساہمت کرنے والا اثم وعدوان میں تعاون کر رہا ہوتا ہے، اور حرام خوری وسود خوری میں مددگار ہوتا ہے، کہ لوگوں کا سرمایہ اس میں لگاتا ہے، گرچہ کہ وہ خود نہیں کھاتا مگر معاون ضرور ہوتا ہے۔

ABM Print.me

فقہ اسلامی اکیڈمی جو رابطہ عالم اسلامی کی زیر نگرانی میں چل رہی ہے، اس کی طرف سے یہ قرارداد پاس ہو چکا ہے کہ: " اس امور تجارت میں کتاب وسنت کی دلائل کی روشنی میں حرمت واضح ہے، کیونکہ شریک کار جب شئرز خرید تا ہے تو اس ربوی امر کو ملحوظ رکھ کر ہی خرید تا ہے، اس معاملہ سے وہ باخبر رہتے ہوئے ہی بیع وشراء کرتا ہے، اس کمپنی میں جانتے ہوئے کہ سودی کاروبار ہے مساہمت کرنا حرام ہے، کیونکہ مساہمت اور اس کمپنی کی ملکیت میں شرکت پر دال ہے۔ اس کمپنی سے دیا جانے والا یا لیا جانے والا قرض جو زائد فائدہ پر ہی منحصر ہوتا ہے، اس شریک کار کا بھی برابر کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اور قرض لینے یا دینے کا معاملہ جو فائدے سے پر ہوتا ہے وہ سارے حضرات اس شخص کی بھی نیابت کر رہے ہوتے ہیں کیونکہ یہ ایک مساہم ہے، اس اعتبار سے امور حرام میں توکیل ناجائز ہے"۔([69])

راجح قول:

اس امر میں راجح - واللہ اعلم - یہی قول زیادہ صحیح ہے جو کہ دوسرا قول ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں میں مساہمت حرام ہے، کیونکہ جن دلائل سے اس کا رد کیا گیا ہے وہ نہایت قوی دلائل ہیں۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس میں مساہمت کرنے والا اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کے بقدر اس سودی کاروبار کا حصہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے حرمت پر مبنی قول ہی اس معاملہ میں زیادہ درست اور صحیح ہے۔ شریعت اسلامیہ میں سود کی حرمت میں بہت سخت قدم اٹھایا ہے، اور اس نظام تک پہنچنے والی ساری راہوں پر قدغن لگائی ہے، کسی پہلو بھی اس کے تعلق ہو اس کو ختم کر دیا ہے۔ اس حدیث مبارکہ پر غور فرمائیں جسے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب تمر کے بدلے پکی کھجوروں کی بیع سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے پوچھا: پکی کھجوریں اگر سوکھ جائیں تو اس میں کمی ہو جاتی ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ہاں میں جواب دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں اس تجارت کو غلط قرار دیا، اور منع فرمادیا۔([70])

---

69 - دیکھئے: پاس کی گئی قرارداد نمبر (4)، من الدورة (14).

70 - دیکھئے: سنن أبي داؤد: كتاب البيوع، باب في التمر بالتمر. برقم: 3359، صححه الشيخ الألباني رحمه الله (مترجم)

اس حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرز کی بیع کو حرام قرار دیا، جب کہ اس میں کھجور اور کھجور کی ہی بیع ہو رہی تھی، اور تقابض کا معاملہ بھی صاف تھا۔ لیکن تماثل میں مکمل یگانگی نہ تھی۔ رطب کے سوکھ جانے کی حالت میں تمر کی بیع تو اس سے بھی آسان معاملہ ہوتا ہے۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔

اس حدیث مبارکہ میں ان لوگوں کا رد موجود ہے جو کہتے ہیں کہ اس طرح کی کمپنیوں میں مساہمت جائز ہے، اس لئے کہ سود نسبتا امر مباح سے اقل ہوتا ہے۔

اب رہا معاملہ قول اول پر پیش کی گئی دلیل کا جواب تو وہ حسب ذیل ہے:

ان حضرات کا استدلال جو کچھ قواعد فقہیہ کی روشنی میں کیا گیا ہے، تو ان قواعد کا کسی طور پر بھی اس مسئلہ پر انطباق صحیح نہیں ہے، یہ قواعد اس امر کے لئے پیش کئے جاسکتے ہیں جس میں حلال مال حرام مال سے مختلط ہو، جب کمپنیوں کا یہ معاملہ مال اور عمل دونوں سے مشترک ہے، کیونکہ اس میں مساہم جہاں سرمایہ لگاتا ہے، وہیں اس امور محرمات میں عملی طور پر بھی شریک رہتا ہے، جیسے قرض کا معاملہ ہے اس سے وہ آگاہ ہوتے ہوئے بھی سرمایہ لگاتا ہے۔ اور کمپنی سے جڑی ساری اشیاء کا یک گونہ انتساب ہر مساہم سے ہوئی جاتا ہے۔ مساہم سے مال اور عمل دونوں منسوب ہوتے ہیں، یہ ذاتی طور سے تو عمل نہیں کرتا لیکن وکالت کی شکل میں مجلس ادارت اس مساہم کی نیابت کرتی ہے۔

ان قواعد کی تطبیق اس طرح سے ممکن ہوسکتی ہے کہ کسی انسان کا مال حلال وحرام سے مختلط ہے، تو ایسے انسان سے بیع وشراء، اس کے ہاں کھانا، اس سے ہدایا قبول کرنا، وغیرہ امور جائز ہیں۔ لیکن یہ کمپنیاں تو اس مسئلہ میں صرف حلال وحرام مال کے مختلط ہونے پر کافی نہیں ہیں بلکہ یہاں تو مال کے ساتھ عمل کا بھی دخل ہوتا ہے۔ ان قواعد سے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ یہ فقہی قواعد اپنے آپ میں صحیح ہیں، بیشتر مسائل میں مستدل ہیں، تاہم مسئلہ ہذا کی تطبیق میں ان کا استدلال صحیح نہیں ہے۔([71])

قائلین قول اول کا بطور استدلال یہ پیش کرنا کہ اس سے لوگوں کی حاجتیں اور ضروریات زندگی جڑی ہوئی ہیں اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے اس لئے یہ جائز ہے۔ تو یہ استدلال بھی چند وجوہات کی بنا درست نہیں ہے، وہ وجوہات یہ ہیں:

---

[71] - دیکھئے: الأسهم المختلطة في ميزان الشريعة، لصالح العصيمي (38/1).

ABM Print Time

(أ)- اگر ان کمپنیوں سے مساہمت کو ضروری قرار دیں تو یہ لازم نہیں ہو گا کہ اس سے جڑا قرض کا معاملہ جو سودی کاروبار کا حصہ ہے اس کو بھی تسلیم کر لیں۔

(ب)- یہ کمپنیاں کسی ایک طریق تجارت ہی کو لازم نہیں قرار دیتی ہیں، ان کے ہاں تجارت اور سرمایہ کاری کے دیگر مباح طریقے بھی موجود ہوتے ہیں۔

(ت)- یہ بھی ملحوظ رہے کہ محض حاجات وضروریات کی وجہ سے محرمات کے ارتکاب کا دروازہ نہیں کھول دیا جائے گا، ویسے ایک شخص مشکوک اور معلول کمپنی سے جڑتا ہے، سرمایہ لگاتا ہے اور اس سے بھاری نقصان بھی اٹھاتا ہے۔ کسی محذور اور محرم شیء کی حلت کے لئے فقہاء نے یہ شرط رکھی ہے کہ اس تحلیل سے کسی ضرر کا اندیشہ نہ رہ جائے۔

(ث)- آخری بات یہ ہے کہ سود قلیل ہو کہ کثیر سب حرام ہے، لوگوں کی ضروریات اور حاجات کا نام لے کر اس کو جائز نہیں کہا جاسکتا ہے۔([72])

فقہ اسلامی اکیڈمی زیر سرپرستی رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے شئیرز کمپنیوں سے متعلق یہ قرارداد واضح لفظوں میں پاس کیا گیا ہے: قرارداد نمبر (4)، دورہ نمبر (14):

الحمد لله وحده، والسلام على من لا نبي بعده، سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم. أما بعد:

مجلس مجمع الفقہ الاسلامی زیر سرپرستی رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ میں منعقد اپنے چودھویں دورے میں جو بروز ہفتہ 1415/8/20ھ، الموافق 1995/1/2م مسئلہ ہذا پر غور وفکر کرنے کے بعد یہ فیصلہ صادر کرتی ہے جو یہ ہے:

(1)- معاملات میں چونکہ اصل حلت اور مباح ہے، اس لئے جو شئیرز کمپنیاں جن کے اپنے مباح مقاصد اور فعالیت ہوتی ہے، تو یہ اس میں مساہمت اصلا جائز ہے۔

(2)- جو کمپنیاں اصلا ہی حرام کاری اور سودی کاروبار کے لئے ہوتی ہیں، جیسے سودی کاروبار، یا حرام چیزوں کی صناعت اور تجارت وغیرہ، تو ان میں مساہمت کے حرام ہونے پر کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

---

[72] - دیکھئے: الأسهم المختلطة في ميزان الشريعة، لصالح العصيمي (1/38- 53).

(3)- کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ایسی کمپنیوں سے مساہمت کرے جن کا کچھ معاملہ ہی سہی سودی اور حرام کاری کا ہو، جب مسلم مساہم اس سے واقف بھی ہے۔

(4)- اگر کسی مسلمان نے ایسی کمپنیوں سے مساہمت کرلی جو سودی اور حرام کاری میں ملوث ہیں، لیکن معلوم ہو جانے کے بعد فوری طور سے اس مساہمت کو قطع کرلینا چاہیئے۔

اس معاملہ میں کتاب وسنت کی عمومی دلائل کی روشنی میں حرمت واضح ہے، ان کمپنیوں سے شیئرز کی خریداری کرنا جو ربا سے جڑی ہوئی ہیں، اور مساہم مسلمان ہے اوراس سے واقف بھی ہے، جائز نہیں ہے۔ اس میں درحقیقت خریدار ربوی معاملہ میں شریک ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کا سرمایہ اس کے کمپنی سے تعلق خاطر اوراس کی ملکیت کو واضح کرتا ہے۔ تو جومال بھی بطور قرض جو فائدہ رکھ کر دیا جاتا ہے، مساہم اس سے مستفید ہوتا ہے، خرید احضرات تو بیع وشراء میں اس کی نیابت کرتے ہیں، یوں یہ مساہم مسلمان اپنے اس سودے کو ان کی توکیل میں سونپ تاہے، اور یہ حرام ہے۔

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه، وسلم تسليما كثيرا. والحمد لله رب العلمين.([73])

[73] - دیکھئے: قرار رقم (4)، من الدورة (14).

پانچویں فصل: فاونڈز سرمایہ کاری سے متعلق فقہی مباحث اور اس کا حکم:

فاونڈز سرمایہ کاری کی تعریف:

اس کا واحد ہے یعنی: تجارت کی یہ ایک نوعیت ہے جو لوگوں کے سرمایہ کو ذخیرہ اندوزی کر کے مختلف امور میں لگا کر تجربات کی روشنی میں اس کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔ اور اس عمل کو بانڈز کی محکمے کی ادارت میں کیا جاتا ہے، پھر اس نوع کی آمدنی سے سرمایہ لگائے ہوئے افراد کو ایک اندازے سے معقول مقدار میں ایک حصہ لوٹا دیا جاتا ہے۔[74]

النظام السعودی نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ: "سرمایہ کاری کا ایک مشترک نظام جسے مقامی بینک سعودی عرب کے مانیٹری ایجنسی کی پیشگی منظوری سے لانچ کرتا ہے، جس کا مقصد مختلف افراد کا اجتماعی طور سے سرمایہ لگا کر اس نظام کے تحت ہونے والی آمدنی سے بہرور کرانا ہوتا ہے، اور اس کاروائی کو بینک کے ذریعے سے منظم کیا جاتا ہے، اور اس ساری کاروائی کو ایک معقول اور متعین فیس کے بدلے عمل میں لایا جاتا ہے"۔[75]

مذکورہ ان دونوں تعریفوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس نوع کی سرمایہ کاری کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہے کہ: یہ سرمایہ کاری کی ایک صندوق ہے جسے ایک ورکرمال کا ایک حصہ لگاتا ہے، اور بینک اس کو اپنے زیر تصرف لاتا ہے، اور بینک اس کی فیس کے بمقدار آمدنی کا ایک حصہ تناسبا اس کو مہیا کرتا ہے۔

---

74 - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة، للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 420)، الخدمات الاستثمارية في المصارف وأحكامها في الفقه الإسلامي (84/1)، مجلة مجمع الفقه الإسلامي (18128/2).

75 - دیکھئے: قرار وزير المالية والاقتصاد الوطني رقم (2052/3)، وتأيخ 1413/7/24هـ، الأنظمة والتعليمات النقدية والمصرفية من إصدار مؤسسة النقد العربي السعودي (ص: 74)

سرمایہ کاری فنڈز کی ابتداء:

اس طرز کی سرمایہ کاری فی الحال عالمی سطح پر کام کر رہی ہے، لیکن معروف یوروپی ملک انگلینڈ کو اس سرمایہ کاری میں اولیت حاصل ہے، جس نے اس طرز تجارت کو سنہ ۱۸۷۰م میں شروع کیا تھا۔([76])

مملکت عربیہ سعودیہ میں اس کی ابتداء سنہ ۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹م، میں ہوئی ہے، جس کو پرائیویٹ بینک نے بنام (صندوق الدولار قصير الأجل)، یعنی: ڈالر فنڈ مختصر مدت میں ڈالر کی ذخیرہ اندوزی، آغاز کیا تھا، پھر رفتہ رفتہ سرمایہ کاری کا یہ انداز ساری سعودی بینکوں نے شروع کر دیا، فی الحال تو اس طرز کی بینکوں کی بھرمار ہے۔

اقتصادی طور پر یہ فکرہ نہایت عمدہ ہے، بس اس سرمایہ کاری کو محاذیر شرعیہ (شرعی طور پر ممنوعات) سے جدا رکھا جائے۔ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ سرمایہ کاری کے لئے مال جمع کیا جائے، اور مال جمع کرنا بھی مشترکہ طور پر، پھر ہر شریک کار اس فنڈ سے اپنا ایک حصہ کی حق ملکیت حاصل کر لیتا ہے۔ وہ اس طرح سے کہ:

معاش کے اس عظیم سرمایہ کو ایک ساہم اپنے مال سے جلا بخشتا ہے، اس میں شریک چھوٹے بڑے سب مستفید ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کے حق میں مفید ہوتے ہیں، آپسی اس شرکت اور مشترکہ سرمایہ کاری سے کبھی کبھار بہت زیادہ آمدنی حاصل ہو جاتی ہے۔

فقہی مسائل واحکام:

اس طرز کی سرمایہ کاری فی الحال عالمی سطح پر کام کر رہی ہے، لیکن معروف یوروپی ملک انگلینڈ کو اس سرمایہ کاری میں اولیت حاصل ہے، جس

فنڈ سرمایہ کاری سے متعلق فقہی مسائل میں کچھ اختلاف ہے:

ایک رائے یہ ہے کہ یہ مضاربت ہی ہے، اور دور حاضر کے اکثر علماء اسی رائے کو اخذ کئے ہیں۔

---

[76] - دیکھئے: الخدمات الاستثمارية في المصارف وأحكامها في الفقه الإسلامي (86/1)، (572/2)، موسوعة أعمال البنوك لمحيي الدين إسماعيل (252/2).

اس نوع کی سرمایہ کاری کو مضاربت کہنے کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ اس میں ایک client (عمیل) اپنا مال لگاتا ہے، اور بینک اس سرمایہ سے آمدنی حاصل کرتی ہے، گویا کہ اس عمیل کا مال اور بینک کا عمل یہی وہ شکل ہے جو مضاربت میں ہوتی ہے۔

دوسرا قول اس باب میں یہ ہے کہ یہ تنخواہ دار وکالت ہے۔ اس کی تعلیل اس طرح کی گئی ہے کہ ایک عمیل اپنے عمل کو بینک کے حوالے کر دیتا ہے اور بینک اس عمل بلکہ اپنے اس توکیل پر متعین اجرت حاصل کرتی ہے۔

فنڈ سرمایہ کاری کا حکم:

فنڈ سرمایہ کاری اپنی اس واضح شکل میں جائز ہے، کیونکہ مذکورہ دونوں اقوال کی روشنی میں چاہے وہ مضاربت ہو یا تنخواہ دار وکالت، دونوں شرعا جائز ہیں۔ اس اعتبار سے یہ تجارت صحیح اور درست و جائز ہے۔([77])

فنڈ سرمایہ کاری کی انواع:

- شئیرز فنڈ
- بانڈز فنڈ
- کرنسی فنڈ
- مختلف اشیاء پر مبنی فنڈ، اس کے علاوہ اور بھی کئی طرح کی فنڈ ہیں۔

سرمایہ کاری فنڈ جو بالخصوص شئیرز سے متعلق ہیں اگر اس میں غائرانہ جائزہ لیں تو یہی کہیں کہ اصلا یہ جائز ہی ہے، تاہم حالیہ صورت حال کو سامنے رکھیں تو ہمیں اس سرمایہ کاری کی دو طرح کی اقسام ملتی ہیں:

(1)- کچھ اس طرح کی سرمایہ کاری فنڈ ہیں جس پر کسی بھی شرعی ادارے کی نگرانی نہیں ہے، سرمایہ کاری فنڈ کی یہ قسم اکثر اپنے معاملات شئرز کی ان کمپنیوں سے روا رکھتی ہیں جو محرمات سے مملوء ہیں، بسا اوقات یہ قرض کا معاملہ بھی زائد فائدے سے کرتی ہیں۔ خلاصہ ء کلام یہ ہے کہ تجارت کی یہ قسم شرعی محاذیر سے خالی نہیں ہے۔

---

[77] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 420).

(2)- کچھ سرمایہ کاری فنڈ ایسی ہیں جس بعض شرعی ادارے نگران ہیں، یہ کمپنیاں ان کمپنیوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتی ہیں جو حرام کاری کرتے ہیں، البتہ ان کمپنیوں سے تعلق رکھتی ہیں جو کہ مختلط ہیں۔ ایسی کمپنیاں جو مختلط (یعنی حلال و حرام میں مساوی یا قلیل و کثیر جو بھی حصہ ہو) ہیں ان سے اپنے معاملات رکھتے ہیں۔ اور مذکورہ شرعی ادارے مختلط کمپنیوں سے تعامل کو جائز گردانتی ہیں۔ مختلط کمپنیوں کا کیا حکم ہے اس میں اختلاف ہے جسے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

چھٹویں فصل: فاونڈز شئرز کی زکاۃ:

بین الاقوامی فقہ اسلامی اکیڈمی جو اسلامی کانفرنس تنظیم سے جڑی اکیڈمی ہے، اس میں شئرز کی زکاۃ کے موضوع پر دراسہ کیا گیا ہے، اس میں پاس کی گئی ایک قرارداد نمبر (28 دورہ نمبر 4)، اس میں موجود تحریر یہ ہے:

پہلی بات یہ ہے: شئرز کی زکاۃ اس کا مالک ہی نکالے گا، البتہ کمپنی کے بنیادی اصولوں کی روشنی میں یہ وضاحت موجود ہو تو کمپنی نیابت کرتے ہوئے اصل مالک کی زکاۃ نکالی گی۔ یا جنرل اسمبلی کی طرف سے کوئی قانون جاری ہو، یا حکومت کمپنیوں پر لازم کردے کہ وہ لوگوں کی زکاۃ بھی نکالا کرے، یا خود شئیرز کا مالک کمپنی کو یہ ذمہ داری سونپ دے کہ جب اس کی زکاۃ کا وقت اخراج ہو وہ نکال دے۔

دوسری بات یہ ہے: کمپنی خود شئیرز کی زکاۃ نکال دے، جس طرح ایک شخص عام طور سے اپنی زکاۃ نکال لیتا ہے۔ گویا کمپنی میں جڑے سارے سرمایہ داروں کی طرف سے خود کمپنی فرد واحد کی زکاۃ کی طرح معاملہ حل کرے گی۔

تیسری بات یہ ہے: کمپنی اگر کسی سبب سے زکاہ نہیں نکال سکی تو صاحب شئیرز پر ضروری ہے کہ وہ اپنی زکاۃ خود نکال لے، البتہ اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے:

(اَ)- اگر مساہم ان شئیرز کی ملکیت کے لئے تجارت کرتا ہے -یعنی ان شئرز کے ذریعے بیع و شراء کرتا ہے- تو اس پر ضروری ہے کہ راس المال اور اس سے ہونے والی آمدنی دونوں پر زکاۃ نکالے۔ اس لئے کہ ان شئرز کا حکم تجارتی سامان کا حکم ہو گا، اس معاملہ میں بازار کی جو قیمت ہو گی اسے کا اعتبار کیا جائے گا۔

ABM PrintTime

(ب)- اور اگر مساہم ان شئیرز کے ذریعے تجارت کا قصد نہیں رکھتا کہ بیع وشراء اس کا ہدف نہیں ہے، بس یہ چاہتا ہے کہ شئیرز سے ہونے والی سالانہ آمدنی سے مستفید ہو جائے۔ تو ایسی صورت میں راس المال میں کوئی زکاۃ نہیں ہے، بلکہ صرف حاصل ہونے والی آمدنی پر زکاۃ نکال لے گا، جب سال پورا ہو جائے۔

مذکورہ بین الاقوامی فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے جاری کیا گیا قرار پر کئی ایک اشکالات عائد ہوتے ہیں، جن میں سے کچھ اہم یہ ہیں:

(1)- جاری کیا گیا قرار سے یہ بات طئے ہوتی ہے کہ شئیرز پر واجب ہونے والی زکاۃ صرف کمپنی نکالے گی، مساہم پر کچھ نہیں ہے، کمپنی میں اس کی شرکت تاجر کی ہو یعنی بیع وشراء سے وہ کام لیتا ہو جو کہ مضاربت ہے، یا صرف وہ سالانہ آمدنی سے مستفید ہونا چاہتا ہو، ہر دو صورتوں میں اس پر زکاۃ والا کوئی معاملہ نہیں ہوگا، زکاۃ کی مکلف صرف کمپنی ہوگی۔

مسئلہ مذکورہ کو سمجھنے کے لئے ان دو مسئلوں کے فرق کو جاننا بہت ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اگر مساہم شئیرز کی تجارت کا قصد رکھتا ہے، تو اس پر راس المال اور آمدنی و نفع دونوں کی حقیقی قیمت جو ہوگی اس پر زکاۃ نکالنا ہوتا ہے۔ ایسے میں اس کی ان شئیرز کا حکم سامان تجارت کا حکم ہوگا۔ اگرچہ کہ کمپنی ان شئیرز کی زکاۃ ادا کر دی ہو تب بھی مساہم کو چاہئے کہ اس کی اصل قیمت طئے کر کے اس کی زکاۃ نکالے۔ کوئی یہ کہے کہ اس معاملہ میں کمپنی کی طرف سے نکالی گئی زکاۃ کافی ہو جاتی ہے، تو اسی صورت میں لاکھوں روپیوں کی زکاۃ نکالنا باقی رہ جائے گی۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اس صورت میں کمپنی جو زکاۃ نکالتی ہے وہ سال گذرنے پر زیادہ سے زیادہ سو دوسو افراد کی زکاۃ نکالے گی، جب کہ اس دوران ایسے لوگوں کی بہتات ہوتی ہے جن کے اموال کی زکاۃ نہ نکالی گئی ہو، تو صرف سالانہ ایک مرتبہ زکاۃ نکال دینے سے سبھوں کی زکاۃ نکالنا کیسے لازم آئے گا، اور یہ کیسے درست ہوگا؟

ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زکاۃ نکالنے کا جو وقت کمپنی کا باعتبار حول کے ہوگا وہ وقت مساہم کا بھی ہو جائے، ایسی صورت میں ہم مذکورہ فیصلہ لے سکتے ہیں، لیکن اس کو متحقق ہونا نہایت دشوار ہے۔

ہاں اگر مساہم تجارت کی بجائے صرف منافع سے بہرور ہونا چاہتاہے، تو کمپنی کی طرف سے نکالی جانے والی زکاۃ اس کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔اور مساہم صرف حاصل ہونے والی آمدنی پر جب کہ اس آمدنی پر اس کا قبضہ ہو جائے تو باتمام حول کے وہ اپنی زکاۃ نکال لے۔

(2)- مذکورہ جاری کیا گیا قرار میں ایک بات یہ بھی ہے کہ مساہم اگر بغرض تجارت یعنی بیع شراء کا قصد نہ کرتا ہو تو اس پر کوئی زکاۃ نہیں ہے، اس پر یعنی مساہم پر زکاۃ صرف اسی صورت میں واجب ہو گی جب کہ وہ مجرد سالانہ حاصل ہونے والی آمدنی پر باتمام حول کے اخراج زکوۃ کا مکلف ہو گا۔جب یہ قول علی الاطلاق ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ ایسی صورت میں ہے جب کہ حکومت کمپنیوں کو مکلف کر دے کہ وہ اپنی زکاۃ نکال لیں، تو یہاں مساہم پر صرف آمدنی کے حصول اور بشرط حول کے زکاۃ ہے، جیسے کہ مملکت عربیہ سعودیہ میں یہی طریقہ رائج ہے۔ہاں اگر کمپنی زکاۃ نکالتی ہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں مساہم پر ضروری ہے کہ وہ اس شئ کی بھی زکاۃ نکالے جو کمپنی راس المال میں نکالتی ہے۔یہ بات تو سبھی کو معلوم ہے کہ شئیرز کمپنی میں موجود ساری اشیاء پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ اس کی آمدنی پر واجب ہوتی ہے، پھر یہ کہہ دیا جائے کہ کمپنی نے ہر مستحصل چیز کی زکاۃ نکال دی ہے!

کمپنی پر لازم ہے کہ وہ اپنے مساہمین کو اس سرمایہ کا مقدار بتلادے جس پر زکاۃ واجب ہوتی ہے، تاکہ ہر مساہم اپنے شئیرز اور جتنی آمدنی کا وہ مستحق اور مالک ہے اس کی زکاۃ نکال دے۔([78])

شئیرز کی زکاۃ سے متعلق خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ ایک مساہم یا تو مضارب ہو گا یہ سرمایہ گذار۔اگر مضارب ہے تو اپنے حصے کا اندازہ کرلے اور اس میں سے دس کا ایک چوتھائی برابر زکاۃ نکال لے، اس کا لحاظ کرنا ضروری ہے کہ وہ زکاۃ آمدنی اور راس المال دونوں کو ملاکر نکالی جائے۔ہاں اگر وہ سرمایہ گذار ہے مضارب نہیں ہے، صرف اس مال سے نفع حاصل

---

[78] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة، للدكتور وهبة الزحيلي (372- 378)، قرارات وتوصيات مجمع الفقه الإسلامي الدولي، (ص: 135- 138).

کرنا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں کمپنی کی طرف سے نکالی جانے والی زکاۃ اس کے لئے کافی ہے[79]۔ اگر کمپنی نہیں نکال رہی ہے تو اس کو زکوۃ واجب ہونے والے مال جو کمپنی میں موجود ہے اس کو معلوم کر کے زکاۃ نکال لے۔

سرمایہ کاری فنڈ عروض التجارہ ہی سمجھا جاتا ہے، اسی لئے:

اتمام حول پر عروض التجارہ پر بھی زکاۃ نکالنا واجب ہے، اس فنڈ میں کتنا ہے اندازہ لگائے، اور سال گذرنے پر ایک چوتھائی نکال دے۔

یہاں بطور تنبیہ یہ کہنا ضروری ہوگا کہ مملکت عربیہ سعودیہ کی طرف سے بینک کی طرف سے نکالی جانے والی زکاۃ اور انکم میں فنڈ پر عائد ہونے والی زکاۃ شامل نہیں ہوتی، اسی لئے جو حضرات اس میں سہیم ہیں وہ اندازہ لگائے اور اپنی زکاۃ سال گذرنے پر ایک چوتھائی خود نکالے۔

ABM PrintTime

---

[79] ۔ مملکت عربیہ سعودیہ میں جو شئیرز کمپنیاں ہیں وہ حکومت کی طرف سے مکلف کی گئی ہیں کہ وہ زکاۃ نکالا کرے، زکاۃ اور انکم اس میں دونوں کی بہتری ہے۔ اور یہ سوشل انشورنس کے کھاتے میں براہ راست جمع ہو جاتا ہے۔

دوسری فصل

بینک نوٹ

ABM PrintTime

پہلا مبحث: بینک نوٹ کی حقیقت:

بینک نوٹ کی ابتداء:

ان کا وجود زمانہ قدیم ہی سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اس کا وجود درہم و دینار کی صورت میں تھا۔ درہم چاندی کا اور دینار سونے کا ترجمان ہوا کرتا تھا۔([80])

عرب دور جاہلیت اور اوائل اسلام میں بھی رومی اور فارسی نقود استعمال کیا کرتے تھے([81])، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں انہیں رائج پیسوں پر اسلامی نقاشی کا اضافہ کیا۔ کرنسی اسی ہرقل کا تیار کردہ رائج تھا البتہ اس میں اس طرح کے کلمات کا اضافہ ہوتا چلا گیا، جیسے: الحمد لله على بعض الدراهم، اور کچھ دراہم پر یہ لکھا ہوتا: محمد رسو الله، اور عہد عثمانی میں نقود پر کلمہ " الله أكبر " لکھا جانے لگا۔([82])

درہم و دینار کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا:﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا﴾(آل عمران: 75)۔ ایک اور فرمان الہی ملاحظہ فرمائیں: ﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ﴾(يوسف: 20)۔

اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے جس بادشاہ نے سکہ رائج کیا ہے، وہ عبد الملک بن مروان ہیں، جن سنہ وفات (74ھ) ہے([83])۔ امام طبری رحمہ اللہ نے اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔

اس کا سبب مملکت اسلامیہ اور رومی سلطنت کے درمیان تعلقات کا متاثر ہونا ہے، جو کہ ایک طویل واقعہ ہے، عبد الملک بن مروان نے ان سکوں ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾(الإخلاص: 1)۔ پر لکھنے کا حکم صادر کئے تھے۔

---

[80] - دیکھئے: فتوح البلدان للبلاذري (452)، ومقدمة ابن خلدون (227)، شذور العقود في ذكر النقود للمقريزي (4،3).

[81] - دیکھئے: الشرح الكبير على المقنع (174/5)، زاد المعاد (154/1)

[82] - دیکھئے: تعريب النقود والدواوين، لحسن الحلاق، (ص: 22، 24)، والنظم المالية في الإسلامية، لمعبد على الجارحي، ضمن وقائع ندوة النظم الإسلامية (ج2، ص: 26).

[83] - دیکھئے: النقود الإسلامية للمقريزي (ص: 10).

اس معاملے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبد الملک بن مروان نے قیصر کی تصویر کے بدلے اپنی تصویر نشر کروائی تھی، جسے وقت وقت پر تا حال ادخال واخراج کیا جاتا رہا ہے۔ ان سکوں کو جہاں سے وہ جاری کئے جاتے ہیں اسی حساب سے مختلف نام دئے گئے ہیں۔ ان سکوں اور نوٹ کو ریال، دینار، جنیہ، ڈالر اور دیگر ناموں سے پہچانا جاتا ہے۔([84])

دوسرا مبحث: بینک نوٹ سے تعامل کے احکام ومسائل:

بینک نوٹ سے متعلق فقہی مسائل میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، کئی ایک اقوال ہیں([85])، اس مختلف اقوال میں سے کچھ یہ ہیں:

(1)- بینک نوٹ کا حکم قرضا جاری کئے جانے والے بانڈز کا حکم ہو گا، یہ اسی کی حیثیت رکھتے ہیں۔([86])

مثال کے طور پر ریالات کا مسئلہ بھی بانڈز کی طرح ہے، اس کا اجراء جس تنظیم کی طرف سے ہوتا ہے یہ وہی ہے جہاں سے سعودی عربیہ کی کرنسی جاری کی جاتی ہے۔

مذکورہ اس بات پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ان اوراق کی ادائیگی میں جس تعہد اور پاسداری کا معاملہ ہے وہ آج اپنے آپ میں ایک نظریاتی سطح اختیار کیا ہوا ہے، حقیقی نہیں۔ حقیقی صورت صرف ابتداء میں تھی۔ پچھلے دنوں میں سعودی کرنسی ریال پر باضابطہ یہ لکھا ہوا ہوتا تھا: سعودی عربی کرنسی لانے والی تنظیم اس بات کا عہد کرتی ہے کہ وہ اس کرنسی کے

---

[84] - دیکھئے: النقود الإسلامية للمقريزي (ص: 10)، مزید دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي للدكتور محمد عثمان شبير (145- 147).

[85] - عالمی سطح پر اس نقدی نظام کے تطور اور توسعت کے بارے میں جانکاری کے لئے دیکھئے: بحوث في قضايا فقهية معاصرة، لمحمد تقي العثماني (148- 154).

[86] - النقود: دانسانوں کے آپسی معاملات کی خاطر استعمال کی جانے والی ہر وہ چیز چاہے سونے اور چاندی کا دینار ودرہم ہو یا تانبے کے سکے، سب مراد ہوتے ہیں، اور اس کی وسعت میں یہ سب آجاتے ہیں۔ دیکھئے: النقود والسكة لمحمد السيد (ص: 44)، والنقود والمصارف في النظام الإسلامي لعوف الكفراوي (ص: 14)، مجموع الفتاوى لابن تيمية (ج19، ص: 251)، وإعلام الموقعين لابن قيم الجوزية (ج2، ص: 157)، المعاملات المالية المعاصرة للدكتور محمد عثمان شبير (ص: 138).

ABM PrintTime

ہولڈراوراس قیمت کی ادائیگی کی ذمہ دار ہوگی۔ آج یہ مذکورہ مکتوب تحریر نظریاتی بن گئی ہے۔اسی لئے آج اگر کوئی ان کاغذی نوٹ کولے کے کسی بینک جائے اوراس میں موجود تحریر کے حوالے سے سونااور چاندی کی مانگ کرے تو اسے کچھ نہیں دیاجائے گا۔([87])

(2)- دوسرا قول یہ ہے کہ ان نوٹ کی حیثیت تجارتی عروض کی ہے([88])،ہاں اس کی خرید وفروخت نہیں ہوتی ہے۔

یہ قول شیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیاگیاہے۔([89])

اس قول کو مان بھی لیں تب بھی بینکوں کی بھرماراوراس کی وسعت کے باوجود سودی کاروباکا دروازہ نہیں کھولا جائے گا۔ کیونکہ اس آپ سامان کے بدلے سامان یا عرض کے بدلے نقد اوراس کے برعکس خرید وفروخت کرنے والے ہو جائیں گے۔اس قول میں خطورت ہے، اور کئی ایک اشکالات بھی ہیں، اسی لئے اس مسئلے میں جتنے اقوال ذکر کئے گئے ہیں ان سب میں یہی قول سب سے کمزور تسلیم کیا گیاہے۔([90])

---

[87] - اور جن جن علماء نے یہ کہاہے ان میں سے ایک شیخ عبد القادر بن احمد بدران (ت 1346ھ) دیکھئے: العقود الياقوتية في جيد الأسئلة الكويتية لابن بدران، انہیں میں سے ایک شیخ احمد الحسینی بھی ہیں (ت 1332ھ) دیکھئے: بهجة المشتاق في حكم زكاة الأوارق النقدية لأحمد الحسيني (ص: 67)، فقه الزكاة للقرضاوي (274/1)، أحكام الأوراق النقدية والتجارية (ص: 219)، المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي للدكتور محمد عثمان شبير (145- 147).

[88] - دیکھئے: أبحاث هيئة كبار العلماء (61/1- 66).

[89] - **عروض التجارة**: یہ عرض کی جمع ہے، ہروہ چیز جس سے بیع وشراء ہوتی ہے، وہ روپۓ پیسے ہی کیوں نہ ہو۔ دیکھئے: معجم المصطلحات الاقتصادية في لغة الفقهاء، مادة: فلس، (ص: 241- 242).

[90] - دیکھئے: الفتاوى السعدية للسعدي (ص: 315)، أحكام الأوراق النقدية والتجارية (ص: 188)، بحوث فقهية في قضايا اقتصادية معاصرة (280/1)، التضخم النقدي في الفقه الإسلامي (51/1).

ABM PrintTime

(3)- تیسرا قول یہ ہے کہ نقدی اوراق مثل فلوس کے ہیں([91])، فلوس اوران پیسے کا جو حکم ہو گا وہی حکم ان نقدی اوراق کا بھی ہو گا۔([92])

فلوس سے متعلق کیا حکم ہو گا اہل علم کا اس باب میں اختلاف ہے:

کچھ اہل علم نے اس کو عروض التجارۃ ہی سمجھا ہے، کسچھ اہل عل حضرات نے اس کو کیش سے تعبیر کیا ہے، اور بعض نے اس کو نقد سے زکوۃ اور ربا النسیئۃ یعنی تاخیر پر جہاں سے سود کا معاملہ شروع ہو جاتے ہے، اورانہیں حضرات نے فلوس کو سود کی دوسری قسم ربا الفضل سے جوڑ کو منع کیا ہے۔

لیکن اس کرنسی نوٹ کو فلوس سے جوڑنا اوراسی کی حیثیت دینا محل نظر ہے۔ اس لئے کہ دور حاضر میں رائج یہ نقدی اوراق سونے اور چاندی کے قائم مقام ہیں۔ یہ کسی طرح بھی فلوس کی جگہ نہیں لے سکتے، جیسے کہ بعض فقہاء نے کہا ہے۔([93])

(4)- چوتھا قول یہ ہے کہ یہ نقدی اوراق عین وہ مقام حاصل کرلیتے ہیں جس کے عوض انہیں رائج کیا گیا ہے، یعنی سونے اور چاندے کا عین مقام انہیں حاصل ہو گا۔ سونے چاندی کا جو حکم ہو گا وہی حکم ان نقدی اوراق کا ہو گا۔ یہ قول اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب یہ نقدی اوراق مکمل طور سے سونے اور چاندے سے متعلق سارے امور کا احاطہ کرلے، جب کہ یہ عنصر ان نقدی اوراق میں مفقود ہے، سونے اور چاندی سے متعلق ساری اشیاء اس سے میل نہیں کھاتی ہیں۔

---

[91] - دیکھئے: أبحاث هيئة كبار العلماء (1/66- 68).

[92] - **الفلوس:** یہ الفلس سے جمع کثرت ہے، روپئے پیسے جس سے معاملات برتے جاتے ہیں، سونے چاندی کے بجائے اسی سے معاملات ہوتے ہیں۔ دیکھئے: المصباح المنير، مادة: فلس، (ص: 249)، المعجم الوسيط، مادة: الفلس سے، (ص: 700)، معجم المصطلحات الاقتصادية في لغة الفقهاء، مادة: فلس، (ص: 270).

[93] - دیکھئے: الربا والمعاملات المصرفية (ص: 328)، أبحاث هيئة كبار العلماء (41/1)، شرح القواعد الفقهية للزرقا (ص: 174).

آج سے کم وبیش تین دہائی قبل اس کا دراسہ کیا گیا کہ کیا واقعی یہ نقدی اوراق سونے چاندی کی سی صلاحیت رکھتے ہیں اوراس کا احاطہ بھی ہے؟تو بعض اقتصادی ماہرین نے کبار علماء کی کمیٹی کو یہ رپوٹ دی ہیں کہ ان نقدی اوراق میں کچھ عناصر ہیں تو اس کو گھیرتی ہیں اور کچھ عناصر میں وہ سونے اور چاندی سے میل نہیں کھاتی ہیں۔([94])

(5)- پانچواں قول یہ ہے کہ یہ نقدی اوراق مستقل اپنا ایک حکم اور درجہ رکھتی ہیں، جس طرح سے کئی ایک قیمتوں میں سونے اور چاندی کی مستقل ایک حیثیت ہے، اس کا اپنا ایک وزن اور شناخت ہے، اسی طرح ان نقدی اوراق کی بھی ایک مستقل شناخت اور یوں اس کا مستقل حکم ہے۔([95])

اس باب میں یہی قول سب سے زیادہ درست ہے، اوراسی پر فتاوے جاری کئے گئے ہیں، متعبر اہل علم سے متعلق کمیٹیاں اور فتوی نویسی کی اکیڈمیاں اس پر قائم ہیں، بلکہ فی الحال تو تقریبا علماء اسی کے قائل ہیں۔([96])

مجمع الفقہ الاسلامی جو رابطہ ءعالم اسلامی سے منسلک ہے اس کی طرف سے پاس کیا گیا قرارداد نمبر (6)، جو کاغذی کرنسی سے متعلق رکھی گئی پانچویں نشست تھی۔ اس میں یہ بات پاس کی گئی ہے:

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، وبعد:

فقہ اسلامی اکیڈمی اپنی طرف پیش کی گئی بحث سے مطلع ہے جس میں اس بات کا مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس مسئلہ کاغذی کرنسی کی بابت شرعی ناحیہ سے غوروفکر کی ضرورت ہے۔ اس مسئلہ پر اہل علم جو اس کمیٹی کے ممبران ہیں ان کے علم میں لانے اور اس پر مناقشہ اور بحث کے بعد فقہ اسلامی اکیڈمی اس نتیجہ پر پہنچ کر یہ فیصلہ صادر کرتی ہے:

---

[94] - دیکھئے: أبحاث هيئة كبار العلماء (1/69- 71)، اور دیکھئے: (ص: 48) من كتاب: إقناع النفوس بإلحاق أوراق الأنوث بعملة الفلوس، للشيخ أحمد الخطيب، الفتاوى السعدية (ص: 313- 329).

[95] - دیکھئے: أبحاث هيئة كبار العلماء (1/71- 76).

[96] - دیکھئے: النقود وظائفها الأساسية وأحكامها الشرعية (ص: 375)، الربا والمعاملات المصرفية (ص: 336)، أحكام الأوراق النقدية والتجارية (ص: 223)، المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي للدكتو شبير (ص: 190- 191)، التضخم النقدي في الفقه الإسلامي (1/49).

(1)- پہلی بات یہ ہے کہ نقد کی اصل اوراس کا دارومدار سونے اورچاندی پر ہے، اوراسی بنااس پر سود کی موجود علت کا ہونافقہاء کے ہاں صرف اس کی قیمت پر ہے۔(97)

فقہاء کے ہاں قیمت کا معاملہ صرف سونے اور چاندی سے مختص نہیں ہے، گرچہ کہ میٹل دونوں کا ایک ہی ہے۔

آج چونکہ کاغذی کرنسی کی حیثیت ثمن کی ہوچکی ہے،اوراس سے تعامل کا معاملہ عین سونے اورچاندی جیسا ہے، اور عصر حاضر میں ساری اشیاء کا انحصاراسی کاغذی کرنسی پر ہے،سونے چاندی کے تعامل کی بجائی اندرون طور پراسی کے ساتھ برابرہ راست معاملہ کیاجاتاہے۔اورلوگ بھی اس کے ذریعے ذخیرہ اندوزی اور فنڈنگ کولے کر طمانینت محسوس کررہے ہیں۔انہیں کاغذی کرنسی کے ذریعے معاملات کی تحلیل اورریلیز سب حاصل ہوتے ہیں،جب کہ اس کی قیمت باہرسے لگائی جاتی ہے، ان کاغذی کرنسی کی اپنی ذاتی قیمت نہیں ہوتی ہے۔ان کاغذی کرنسی کے تداول میں بروکر کا اعتماد جیساثقہ اور بھروسہ حاصل ہوتاہے۔اس کی قیمت کی اہمیت اور بھاری قوت کا یہی راز ہے۔

سودی امتزاج کی بات چونکہ سونے اورچاندی میں قیمت کی ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ متحقق ہے، تواس کی یہ علت ان کاغذی کرنسی میں بھی پائی جاتی ہے۔

ان ساری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مجمع الفقہ الاسلامی نے یہ قرارپاس کیاہے کہ کاغذی کرنسی عین نقد ہے،اوراس کا حکم سونے اورچاندی کا عین حکم ہوگا، اس پر زکاۃ بھی واجب ہوگی، اوراس میں سود کی دونوں قسمیں ربالنسیئۃ اورربا الفضل پائے جاتے ہیں۔جیسے سونے چاندی دونوں نقد میں زکاۃ اورسود دونوں کا معاملہ رہتاہے۔اب دونوں میں قدرمشترک قیمت ہے توکاغذی کرنسی کوسونے اورچاندی پرہی قیاس کیاجائے گا۔

اب یہاں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان کاغذی کرنسی سے متعلق احکام کل اشیاءلازمہ کے پابند ہوتے ہیں جس کوشریعت ضروری قراردیتی ہے۔

(2)- دوسرا قول یہ ہے کہ نقدی اوراق سونے چاندی کی طرح اپنی قیمت رکھتی ہیں، اور مستقل اپناایک حکم رکھتی ہیں۔اسی طرح نقدی اوراق کی مختلف قسمیں ہوتی ہے،اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں،ملکوں سے جاری ہونے والی نقدی

---

97 - دیکھئے: أبحاث هيئة كبار العلماء (76/1)، مجلة المجمع الفقهي الإسلامي، العدد، (ص: 334).

اوراق کے اعتبار سے اس کی کئی عدد قسمیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سعودی کرنسی ایک جنس ہے، امریکن کرنسی ایک جنس ہے، اسی طرح ہر کرنسی اپنے آپ میں مستقل ہے۔ اسی وجہ سے اس میں دونوں طرح کے سود کی نوعیتیں موجود ہیں، جس طرح سونے اور چاندی اور دیگر اثمان میں سود کی دونوں شکلیں موجود ہوتی ہیں۔

یہ ساری باتیں درجہ ذیل امور کے متقاضی ہیں:

(ا)- ان نقدی اوراق میں بعض بعض کی تجارت جائز نہیں ہے، بلکہ دیگر نقدی اشیاء جیسے سونا چاندی یا اور اس کے علاوہ بھی جو اسی قبیل سے ہیں ان کی باہم تجارت سودی قسم کے ہوتے ہوئے مطلقا جائز نہیں ہے۔ مثلا: سعودی ریال کے ذریعے کسی دوسری کاغذی کرنسی کا کا تقابض کے بغیر سودی قسموں ک آمیزش سے تجارت جائز نہیں ہو سکتی ہے۔

(ب)- اس کاغذی کرنسی میں خود ایک ہی نوع کی کرنسی کی باہمی تجارت جائز نہ ہوگی۔ سودی قسم کی عدم کے علاوہ ید ابید بھی درست نہیں ہے۔ مثلا دس سعودی ریال کے عوض گیارہ سعودی ریا نسیئۃ یعنی وقت مقررہ پر عدم ادائیگی سے بڑھ کر لینا شروع کر دے، یا ید ابید جو اصالۃ جائز ہے، اس کاغذی کرنسی میں جائز نہیں ہے۔

(ج)- اگر جنس میں مختلف ہو تو ید ابید مطلقا جائز ہے۔ شامی یا لبنانی کرنسی سعودی کرنسی کا تبادل جائز ہے، مثلا: تین امریکن ڈالر کے بدلے ایک سعودی ریال یا اس سے زیادہ یا کم ید ابید جائز ہے۔ حتی کہ سعودی ریال کے ذریعے سعودی چاندی کا تبادلہ بھی جنس مختلف ہونے کی وجہ سے جائز ہے، مجرد نام میں یکسانیت کی وجہ سے کوئی اثر نہیں ہو گا کیونکہ حقیقت دونوں کی الگ الگ ہے۔

(3)- تیسری بات یہ ہے کہ ان کاغذی کرنسی میں زکاۃ بھی واجب ہوتی ہے، سونا یا چاندی میں سے کسی ایک کا یا ان دونوں میں سے ادنی کا نصاب تک پہنچ جائے یا دیگر سازو سامان سے ملا کر نصاب مکمل ہو تو زکاۃ واجب ہو جاتی ہے۔

(4)- چوتھی بات یہ ہے کہ ان کاغذی کرنسی کو بیع السلم اور دیگر کمپنیوں میں راس المال کے بطور لگا سکتے ہیں۔([98])

---

[98] - دیکھئے: قرارات المجمع الفقهي الإسلامي التابع لرابطة العالم الإسلامي (ص: 8- 9)، مجلة مجمع الفقه الإسلامي الدولي (1650/3/3).

تیسرا مبحث: بینک نوٹ کی زکاۃ کے مسائل:

بینک نوٹ کی زکاۃ نکالی جائے گی اگر وہ نصاب کو پہنچ جائے، یا دیگر اثمان اور عروض التجارۃ کے اس میں ضم کرکے نصاب پر پہنچ جائے تو اس کی زکاۃ نکالیں گے۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ: اگر کسی کے پاس دوکان ہے اس میں موجود اشیاء نصاب تک نہیں پہنچ پاتے ہیں، لیکن اس کے پاس موجود نقود کے ملانے سے وہ نصاب کو پہنچ جائیں تو ان سب کو ملاکر زکاۃ نکالی جائے گی۔

ان کاغذی کرنسی پر سال گذر جائے تو زکاۃ واجب ہو جاتی ہے، قطع نظر اس کے کہ اس نے نقد کو کس کام کے لئے جمع رکھا ہے، بس نصاب کو پہنچ جائے اتمام حول بھی ہے تو زکاۃ واجب ہو جاتی ہے۔ اور کرنسی اس کی بھی قیمت ہوتی ہے، وہ اثمان میں سے ہے۔

مذکورہ مسئلہ جس میں نقدی اوراق کی زکاۃ پر گفتگو ہو رہی تھی یہ مسئلہ اس نصاب کو تفصیل چاہتا ہے جس پر زکاۃ واجب ہوتی ہے۔

سونے کا نصاب ۲۰ مثقال ہے، جو ۸۰ گرام کے برابر ہوتا ہے، اور چاندی کا نصاب ۲۰۰ درہم ہے، جو ۵۹۵ گرام کے برابر ہے۔([99])

مملکت عربیہ سعودیہ میں فقہی اکیڈمی اور کبار علماء پر مشتمل کمیٹی نے یہ فتوی صادر کیا ہے کہ نقدی اوراق کا نصاب سونے اور چاندے میں سے سب سے کم ہونے والے نصاب ہو گا۔

دور حاضر میں چاندی کی قیمت سونے کے مقابلے میں نہایت رخیص ہے، ایسی صورت میں ہم یہی کہیں گے کہ نقدی اوراق کا نصاب چاندی کا نصاب ہو گا۔ اور چاندی کے نصاب ۲۰۰ درہم ہے جو ۵۹۵ گرام کے برابر ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھا جائے کہ ۵۹۵ گرام چاندی کی قیمت کتنے ریال کے برابر ہے، تو نقدی اوراق کا نصاب وہی ہو گا۔

---

[99] - دیکھئے: الفقه الإسلامي وأدلته (3/195- 196)، للدكتور وهبة الزحيلي، أحكام أوراق النقود والعملات، لمحمد تقي العثماني، بحث منشور في مجلة مجمع الفقه الإسلامي (1885/2).

مذکورہ تفصیل کے اعتبار سے نقدی اوراق کا نصاب کی تعیین کرنا، چاندی کی قیمت میں اختلاف ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں ہے، ہر دن اس کی قیمت میں اضافہ یا کمی ہوتی رہتی ہے، قیمت ہر دن کے لئے طئے شدہ نہیں ہوتی۔

انٹرنیٹ پر کچھ ویب سائٹ ہیں جس میں روزانہ سونے اور چاندی کی قیمت کیا ہوتی ہے بتلایا جاتا رہتا ہے۔ اس سے چاندی کی قیمت معلوم کی جائے اور اس سے ۹۵۹ گرام چاندی کی قیمت طئے کر کے نقدی اوراق کا نصاب ہو جاتے ہے اور اتنی زکاۃ نکال لی جائے۔

ABM PrintTime

تیسری فصل

کاروباری دستاویزات

ABM PrintTime

پہلا مبحث: کاروباری دستاویزات کی حقیقت اور اس کی انواع:

تعریف:

اس کی اصطلاحی تعریف کئی طرح سے کی گئی ہے، ان تعریفات میں سے سب سے احسن یہ ہے:

"کمرشیل پیپرز سے باہمی لین دین کی وہ دستاویزی ثبوت مراد ہیں جو نقدی حق کی نمائندگی کرتے ہیں، اور نوٹس موصول ہوتے ہی یا مختصر مدت بعد واجب الاداء ہوتے ہیں۔ عرف ان کو ایک آلہ ادائیگی کے طور پر قبول کرتا ہے"۔[100]

انواع:

ان دستاویزات کی تین نوعتیں ہیں:[101]

1 - ہنڈی (Bill of exchange)

2 - چیک

3 - پرومزری نوٹ

ان کاروباری دستاویزات کی انواع سے متعلق کافی اختلاف ہے، کسی نے اس صرف تین میں محصور نہیں کرتے ہیں، کچھ اس کو صرف تین میں حصر کرتے ہیں۔ مملکت عربیہ سعودیہ میں ان تجارتی اوراق کی انواع سے متعلق حصر ہی طرف رجحان ہے، اور یہ مملکت سعودیہ کا نظام اس عالمی نظام کے تابع ہے جو " قانون جنيف الموحد للأوراق التجارية "

---

[100] - دیکھئے: القانون التجاري للدكتور محمد العريني (ص: 221)، المصارف الإسلامية، نصر الدين فضل (ص: 194)، المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي الدكتور محمد عثمان شبير (ص: 199)، الموسوعة الثقافية (ص: 290)، الأوراق التجارية مصطفى كمال طه (ص: 120)، المعايير الشرعية لهيئة المحاسبة والمراجعة للمحاسبات المالية الإسلامية معيار رقم (16).

[101] - دیکھئے: الأوراق التجارية محمد بابللي (ص: 24)، الأوراق التجارية في النظام التجاري السعودي (ص: 9- 10).

([102])جو ۱۹۳۰م یا ۱۹۳۱م کو جاری کیا گیا، میں نے ان تجارتی دستاویزات کی ضمن میں اس قانون کی طرف اس لئے اشارہ کیا کہ مملکت سعودیہ میں ان دستاویزات کی بابت شرعی نقطہء نظر سے کچھ امور میں ان پر مخالفت کرتے ہوئے بھی دیگر امور میں بہت زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے۔ آرٹیکل نمبر چھ میں صراحتہ یہ کہا جاچکا ہے کہ: "کمبیالہ کے اس کاروبار میں سودی فائدہ کو ملحوظ رکھیں تو اس کا اعتبار ہی نہ ہو گا"۔([103])

اوراق تجاریہ کی تاریخ ابتداء اور اس کا تطور:([104])([105])

---

[102] - دیکھئے: الأوراق التجارية للدكتور على حسن يونس (ص: 5)، الربا والمعاملات المصرفية للدكتور عمر بن عبد العزيز المترك (ص: 393)، المعاملات المالية المعاصرة للدكتور محمد عثمان شبير (ص: 201)، الأوراق التجارية للدكتور مصطفى كمال طه (ص: 9).

[103] - مذکرہ تفصیلیہ للنظام میں اس بابت یہ مذکور ہے جس کی عبارت ہے: آرٹیکل (6) میں اس ہنڈی سے متعلق فائدہ والی شرط کو شریعت اسلامیہ کی رو سے چلنے والا مملکت سعودیہ کا نظام فسخ کر دیا گیا ہے۔

[104] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للدكتور محمد شبير (ص: 200)، الأوراق التجارية محمد صالح بك (ص: 17)، القانون التجاري مصطفى كمال طه (ص: 16).

[105] - تجارتی اوراق کی خصائص:

اس کی کچھ بنیادی اور امتیازی خصوصیات یہ ہیں:

(1)- تجارتی ورق ایک آلہ ہے جو کسی شخص کی حق ملکیت کی نمائندگی کرتی ہے، کچھ معین نقد کی ادائیگی اس کا اصل موضوع ہے۔اس کی یہ خصوصیت کی وجہ سے اس امر میں بہت سارے تجارتی کاغذات نکل جاتے ہیں۔ مثلا: ٹرانسپورٹ بل، ذخیرہ اندوزی اشیاء سے متعلق بل، گروی سے متعلق بل، اور ہر وہ بل جو اشیاء کی خرید وفروخت پر تیار کی جاتی ہے۔

(2)- تجارتی اوراق تجارتی طور پر متداول ہوتے ہیں۔ جیسے توثیق ہے جب کہ وہ کرنسی معہود ہو، اور اس کے ہاتھ لینے کا معاملہ جب کہ وہ اس کے ہولڈ کے قابل ہو، ایسی صورت میں یہ اوراق نقود کے قائم مقام ہو جاتے ہیں-

(3)- تجارتی اوراق کچھ مدت بعد یا مجرد اس کے موصول ہوتے ہیں نقد کی ادائیگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کی حیثیت ان بانڈز کی سی نہیں ہے جس میں ایک طویل مدت بعد بھی ادائیگی والی بات ہوتی ہے۔ جیسے شئیرز کی مختلف شکلیں ہیں جو کئی ایک حقوق کی نمائندگی کرتی ہیں، جیسے اس سہیم کا معاملہ جو کمپنی سے ہونے والی آمدنی کے نفع میں شریک رہتا ہے۔ نیز اس کی ادارت اور حق تصویت اور دیگر حقوق میں وہ شریک رہتا ہے۔

یہ تجارتی اوراق زمانہء قدیم سے ہی مسلمانوں کے ہاں معروف ہیں، گرچہ انتظامیہ طور سے انہوں دور حاضر میں غرب سے اس کو حاصل کیا ہے، لیکن اصالۃ یہ تجارتی اوراق پہلے ہی سے اہل اسلام کے ہاں معروف ہیں۔

اہل اسلام ان اوراق پر اپنے تعامل سے تعارف کرا چکے ہیں، جس کو "بل" کے طور سے متعارف کرا چکے ہیں، اور یہ عصر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ہی معروف ہے۔([106])

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے تجار سے مکہ میں دستاویز لیا اور اس میں اہل کوفہ کے لئے لکھ بھیجا([107])، عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے تجار کی ایک جماعت سے مکہ میں کچھ دراہم بھی انہیں دستاویزات

---

(4)- یہ تجارتی اوراق التزامات کی ادائیگی اور ایفائے دین کو قبول کرتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ اوراق شئیرز کی آمدنی اور بانڈز کے فوائد سے متعلق جو کئی ایک اقسام ہیں ان سب سے مختلف ہیں۔

تجارتی اوراق کی ذمہ داریاں اور اس سے ہونے والے کام:

تجارتی اوراق اپنی گوناگوں خصائص کی وجہ سے تعامل میں بہت اہمیت کی حامل ہیں، اور یوں یہ مختلف امور کو سنبھالتی ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

(1)- تجارتی اوراق ایفائے دیون کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتی ہیں، تو ایک قرضدار وہ نقدی طور سے اپنے حق کو بینک پر ڈسکاونٹ کے ذریعے ادا کر سکتا ہے۔

(2)- یہ تجارتی اوراق انشورنس کا وظیفہ ادا کرتی ہیں، تو ایک تاجر کچھ ساز و سامان کے ذریعے کسی تاجر سے تجارتی اوراق کی قیمت کو اس کے ہاں رکھ کر قرض حاصل کر سکتا ہے۔

(3)- تجارتی اویراق نقد کے استعمال کو کم کر دیتی ہیں، اور یہ افراط زر کو محدود کر دیتی ہیں۔

(4)- یہ تجارتی اوراق کسی بھی قرضدار کو ایک مقررہ وقت تک ان سے استفادہ کی گنجائش نکالتی ہیں۔

دیکھئے: الأوراق التجارية لمحمد حسنى عباس (2- 6)، الأوراق التجارية لمحمود بابلي (ص: 12)، المعاملات المالية المعاصرة محمد شبير (ص: 200).

106 - دیکھئے: الأوراق التجارية لمحمود بابلي (ص: 13)، الأوراق التجارية محمد صالح بك (ص: 23).

107 - اس اثر کو شمس الدین السرخسی نے "المبسوط" (37/14) میں ذکر کیا ہے، اور قائل و ناقل کسی طرف بھی احالہ نہیں کئے ہیں، اور اس کی تخریج کی بابت میں واقف بھی نہیں ہو سکا ہوں۔

کی مدد سے حاصل کئے، اور اپنے بھائی مصعب ([108]) کو لکھ بھیجا، لکھنے وغیرہ کے یہ آلات دراصل تجارتی اوراق کی مشابہ ہوا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ مروان بن الحکم کے عہد میں صکوک (یعنی وہ جماعت جس کے پاس امیر شہر کی طرف سے ایک تحریر ہوتی تھی جو کسی مستحق کے حق میں محرر کی جاتی تھی) لوگوں کے ہاں آئی، جن کے پاس وہ تحریر تھی جس میں انہیں ان کی ضرورت کے بقدر کھانے پینے کی اشیاء مہیا کرنے کا حکم دیا گیا تھا، ان کی ضرورت پوری کرنے سے قبل ہی لوگوں نے اس اناج کو خرید لیا، زید بن ثابت اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی مروان کے پاس آئے اور کہا: اے مروان کیا تم لوگوں کے لئے سود کو حلال کر رہے ہو؟ مروان نے حیرت سے پوچھا کہ ایسا کیا معاملہ ہو گیا ہے؟ تم نے مستحق لوگوں کو مال لینے کے لئے بھیجا اور لوگ انہیں ان کے قبضے میں دینے سے قبل ان سے پھر خرید لیتے، مروان بن الحکم نے علی الفور حارس کو بھیجا کہ وہ لوگوں کا تتبع کرے اور وہ لوگوں سے ان کے ہاتھوں سے مال لیتا اور اس کے مستحقین تک پہنچا دیتا۔([109])

تو یہ صکوک ایسے نقدی اوراق ہیں جو امراء کی طرف سے مستحقین کے نام جاری کئے جاتے ہیں، جس میں فلاں اور فلاں کو کتنا اناج ملے گا اس میں تحریر ہوتا ہے۔ عہد ماضی میں حکومتوں کی طرف سے اس کی فوج اور اس کے عمال و مزدوروں کے نام یہ اوراق ان کی تنخواہ کے مقابلے جاری ہوتے تھے جس کے وہ مستحق ہوتے تھے۔ یوں کچھ لوگ ان کے قبض سے قبل ہی اس کی خریداری کر لیتے تھے، اسی بنا زید بن ثابت اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی نکیر ہوئی تھی کیونکہ لوگ ان صکوک کی ایفاء اور اس کی اہلیان کے قبض سے قبل اسے خرید لیا جاتا تھا۔ اس طرح کے نقدی اوراق پر ان کی گرفت نہیں تھی بلکہ وہ سبب تھا جس کی صراحت حدیث میں موجود ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اوراق زمانہ ءقدیم سے ہی مسلمانوں کے ہاں متداول اور معروف ہیں، گرچہ کے حالیہ تنظیمی امور مسلمانوں نے دوسروں سے حاصل کئے ہیں۔

---

[108] - دیکھئے: أخرجه البيهقي في " السنن الكبرى " (352/5).

[109] - دیکھئے: أخرجه مسلم في " صحيحه " كتاب البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض. برقم: 3849

ABM PrintTime

ان صکوک کی اقسام:

(1)- ان دستاویزات کی پہلی قسم جس کو اردو میں "ہنڈی" کہتے ہیں۔

عربی زبان میں اس کو "الكمبيالة" کہتے ہیں، یہ ایک اٹیلی زبان کا لفظ ہے، عربی میں یہ غیر معروف ہے(110)، فقہاء کے ہاں بھی اس کی کوئی اصطلاحی تعریف موجود نہیں ہے، البتہ حالیہ دنوں اس کی کافی شہرت ہے۔

بعض تنظیمیں اس نوع کو کچھ اور ناموں سے پہچانتی ہیں، مثلا: سفتجہ، سند سحب، سند حوالہ، اور بولیصہ۔(111)

"ہنڈی" کی تعریف:

یہ دستاویزات کی ایک ایسی قسم ہے جو ایک معین قانون کے فارم سے ہم آہنگ ہے، جس میں فروخت کرنے والا (اس کو "الساحب" کہتے ہیں، اس سے مراد وہ شخص ہے جو ہنڈی لکھتا ہے اوراس کو دوسرے شخص سے قرض لینا ہوتا ہے) قرض خواہ خریدار یا مقروض کو حکم دیتا ہے کہ وہ (اس کو "المسحوب" کہتے ہیں، اس سے مراد وہ شخص ہے جو مقروض ہوتا ہے اس کے نام ہنڈی تحریر کی جاتی ہے اور وہ ہنڈی پر دستخط کر کے اس کو قبول کرتا ہے) ایک مخصوص رقم معینہ عرصہ بعد اسے یا جس کو وہ کہے ادا کردے، اس کو "بٹہ لگانا" کہتے ہیں (یعنی وہ شخص ہنڈی کی رقم وصول پاتا ہے یہ مرتب کنندہ خود بھی ہو سکتا ہے یا وہ شخص جس کے پاس ہنڈی موجود ہو)۔(112)

ہنڈی کی شکل وتصویر اس طرح ہوتی ہے۔

---

110 - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة، الدكتور محمد عثمان شبير (ص: 201).

111 - شامی، لبنانی اور جامعہ عربیہ کے قانون میں یہ سفتجہ اور سند السحب کے نام سے معروف ہے، اور مصری، لیبیائی، اور سعودی نقدی اوراق کی بابت نظام میں "کمبیالہ" کے نام سے پہچانا جاتا ہے، عراقی قانون میں "بولیصہ" کے نام سے۔ اور "السفتجہ" کو شرعی معنی میں قریب تر لفظ بینک ٹرانسفر کہہ سکتے ہیں۔ دیکھئے: الموسوعة الفقهية الكويتية – الحوالة – (ص: 235- 236).

112 - دیکھئے: الأوراق التجارية في النظام السعودي (ص: 29)، الأوراق التجارية محمد حسين عباس (ص: 726).

شہر ریاض، بتاریخ۔۔۔۔ مبلغ: ۵۰۰۰ سعودی ریال

بنام:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(اور یہی مرتب الیہ یعنی مسحوب علیہ ہوتا ہے)

وجہ تعامل یعنی کیا گیا سودا کی وجہ۔۔۔۔۔(اور یہی وصول کنندہ یعنی مستفید ہوتا ہے)

مبلغ اور تقریبا اس کی قیمت پانچ ہزار سعودی ریال بتاریخ۔۔۔۔۔۔۔

ساحب کی دستخط

ہنڈی اور چیک میں فرق:

(1)- چیک میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ اتنی ہی رقم درج کی جائے جتنی کھاتے میں موجود ہو، جب کہ ہنڈی میں اس طرح کا واجبی امر نہیں ہوتا، اس میں تو بس مقررہ میعاد کی پاسداری ہوتی ہے۔

(2)- ہنڈی کا مطلب کریڈیٹ اور مکمل معاملہ سمجھا جاتا ہے، اسی لئے اغلبی طور پر اس معاملہ میں ادائیگی کو موخر ہی رکھا جاتا ہے۔یعنی اس کو ادا کرنے کا معاملہ اس کو جاری کرنے کی تاریخ سے جوڑ دیا جاتا ہے([113])، چیک کا معاملہ محض اداۃ وفاۃ ہے اسی لئے اس کے تعامل میں یک بارگی پوری رقم وصول کر لینا ہوتا ہے۔

[113] - اس کی مکمل ادائیگی کے بارے میں ایسا قانون نہیں ہے جو اس کے لئے مانع ہو، لیکن چیک کے عام ہو جانے کی وجہ سے بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے، ایسی صورت میں چیک ہی عام ضرورتیں پورا کرتی ہیں۔دیکھئے: عبد الله العمران، الأوراق التجارية في النظام السعودي (ص: 208).

(3)- ہنڈی کے معاملہ میں مسحوب علیہ یعنی مرتب الیہ کی طرف اس کو پورا کرنے سے قبل تقدیم درست ہے، بلکہ مخصوص حالات میں اس کے قبول کرنے کے لئے تقدیم ضروری بھی ہو جاتی ہے۔ چیک میں اس کے لئے کوئی راہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں محض نوٹس موصول ہوتے ہیں اس کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔([114])

(4)- ہنڈی کے معاملے میں یہ مشروط ہے کہ اس میں مستفید یعنی وصول کنندہ کا نام مذکور ہونا ضروری ہوتا ہے، چیک میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کو حاصل کرنے والا جو بھی ہو اس کا نام محرر ہو جائے تو کافی ہو جاتا ہے۔

(5)- ہنڈی اور چیک میں یہ بھی ایک فرق ہے کہ ہنڈی میں مسحوب علیہ کا عام آدمی یا بینک دونوں صورتیں جائز ہیں۔ چیک میں بینک کا ہی ہونا ضروری ہے، بعض تجارتی قوانین اس کو ضروری گردانتی ہیں۔ اسی طرح ہنڈی میں سہولت ہے کہ اس کو کسی بھی عام ورق پر اس کی تفصیلات لکھی جاسکتی ہیں، لیکن چیک میں عام ورق کے بجائے بینک کی طرف سے جاری کردہ خاص ماڈل مطبوع جو وہ اپنے عمال کے سپرد کرتے ہیں اسی کی تقدیم ہو گی اور اسی کو وہاں قبول کیا جائے گا۔([115])

(6)- ہنڈی کے معاملہ میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس کی عدم ادائیگی پر اس تحریر کو ثابت کرنا ضروری ہو جاتا ہے، جس میں اس کے پورا نہ کرنے پر دلیل بنتی ہے، ورنہ اس کا ہولڈر بینک سے اس کے لوٹائے جانے کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ جب کہ چیک سے متعلق ایسا ضروری نہیں ہے کہ وہ محروم کر دیا جائے، یہاں اس کے ہولڈر کے پورا نہ کرنے کے ثبوت پیش کرنا جائز ہے، بس یہ ہے کہ اس میں مسحوب علیہ کی طرف سے کوئی بیان جاری ہو جائے یا اس کی دستخط اس میں موجود ہو، یا کلیرئنگ ہاوس سے کچھ صفائی ہو جائے۔

ABM Print Time

---

[114] - یہاں یہ تنبیہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ چیک کے اس معاملہ میں پورا کرنے سے پہلے قبول کرنے کی کوئی راہ نہ ہو، لیکن اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، وہ اس طرح سے کہ مسحوب علیہ اس پر دستخط کر دے جس سے ایک بل اور رسید اس کے پاس رہے گی جس سے اس کی پاسداری اور ادائیگی کے لئے ایک اتھارٹی ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ مقررہ وقت میں اس کو پورا کر دے۔

[115] - چیک سے متعلق مذکورہ شرط سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اس مخصوص جاری کئے گئے ورق کے علاوہ کوئی اور ورق ہو تو وہ کینسل ہو جائے گا، بلکہ اگر کسی عام ورق میں بھی اس درجہ کی معلومات اس میں متوفر ہوں تو وہ بھی صحیح ہو گا۔ دیکھئے: عبد الله العمران، الأوراق التجارية في النظام السعودي (ص: 280).

(7)- ہنڈی ایک مکمل طور پر ایک تجارتی عمل ماناجاتاہے، حتی کے اگر اس کو کوئی شہریاکمرشیل عمل کے معاملہ میں محرر کیاجائے، یاکوئی غیر تاجراس کی تحریر کروائے([116])، جب کہ چیک کا معاملہ ایساہے کہ جب تک اس پر تجارتی عمل کی کاروائی مرتب نہ ہو اس تجارتی عمل نہیں ماناجائے گا، اس میں کوئی فرق نہیں ہو گا کہ اس کو تاجر نے تحریر کروایاہے یاکوئی اور محرر کیاہے۔ اسی طرح چیک کا ہولڈر تاجر ہے اور وہ جب چیک پاس کرلیتاہے تو یہی تخمینہ ہو گا کہ اس نے تجارتی عمل کے لئے اس چیک کو لیاہے، الا یہ کہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے کسی اور کام کے لئے اس چیک کو پاس کیاہے، تجارت کے لئے نہیں۔ ایسااس لئے کہ نقدی اوراق کے بارے میں یہ عام قاعدہ ہے کہ یہ دستاویز تجارتی نہیں ماناجاتاہے، ہاں اس میں تحریر اس بات کی ہو اس کے ذریعے تجارت امورانجام دئے جائیں گے تو درست ہے۔ یہ امر فرانس کی طرف سے ۱۸۶۵ء کو جاری کئے گئے ایک قانون سے لیاگیاہے۔([117])، اس موضوع کا دراسہ کرنے والا دوسرا فریق یہ رائے رکھتاہے کہ چیک اپنے تعامل کاروبار میں مطلقا ہنڈی کا حکم رکھتاہے۔ اس بناپر چیک مطلق طور پر تجارتی عمل سمجھاجائے گا، چاہے کمرشیل معاملہ، اور طرز تحریر ہو یاکسی غیر تاجر کی طرف سے محرر کردہ ہو۔ نہ سعودی نظام محکمہء تجارت کی طرف سے ان دونوں میں سے کسی رائے کی طرف میلان معلوم ہوتاہے اور نا ہی سعودی نظام نقدی اوراق (جو ۱۳۸۳ھ میں جاری کیاگیا) کی طرف سے ہی کوئی میلان وارد ہے، جس سے کہ کسی ایک رائے کو ترجیح دے سکیں۔ لیکن نقدی اوراق سے متعلق کمیٹی (جو

---

[116] - سعودی نظام محکمہء تجارت کی طرف سے آرٹیکل نمبر ۲ میں تیسرا رول ان واضح لفظوں میں موجود ہے۔ دیکھئے: محمود مختار بربري، قانون المعاملات التجارية السعودي (2/27- 28- 41)، حمزة المدني، القانون التجاري السعودي (ص: 61).

[117] - یہاں یہ تنبیہ ضروری ہے کہ کمرشیل یاتجارتی سودے کے لئے چیک کا حاصل کرنا- مذکورہ رائے رکھنے والے احباب کے ہاں-چیک سے متعلق خاص تکنیکی ضابطے کے لاگو کرنے میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تجارتی چیک پر صرف فوجداری تحفظ ہو گا، بلکہ اس کی عمل دخل تکنیکی ضابطے اور فوجداری تحفظ دونوں کو شامل ہے، اس طرح کا کوئی بھی امر ہو اس کی شمولیت میں داخل ہے۔ اس میں موجود فرق کا اثر صرف وہاں ہوتاہے جب تنظیمی قانون کی تطبیق میں یہ دیکھاجاتاہے کہ تجارتی امور کے لئے کونساچیک تجارتی ہے اور کونساغیر تجارتی۔ اور خاص کر ان مسائل میں جن کا تعلق محکمہ اور قضا سے ہے، جیسے: چیک میں ادائیگی کی کلیرنس، سقوط حمل، اور تحریرالاحتجاج وغیرہ۔ دیکھئے: محمود مختار بربري، قانون المعاملات التجارية السعودي (43/2)، أحمد محرز، السندات التجارية (ص: 236).

وزارت تجارت کے تابع ہے) کی طرف سے جو عمل کیا جاتا ہے، وہ دوسری رائے پر ہے، جو اس کی طرف سے پاس کیا گیا قرارداد سے واضح ہوتا ہے۔[118]

---

118 - یہ رائے-میری نظر میں- سعودی نظام تجارت کی تحفظ کے لئے پہلی رائے سے بہتر اور اقرب ہے۔ یہ اس لئے کہ نقدی اوراق ست متعلق سعودی نظام تجارت اگرچہ کہ اس نظام نے چیک اور بانڈز کے حکم سے متعلق اس کی مطلق تجارت کے حق میں کوئی واضح قرار نہیں جاری کی ہے، تاہم اس نظام نے ہنڈی کے مسائل کی تحلیل کے لئے ۸۰ آرٹیکل اس کی فلاح وبہبود کے لئے تقدیم کی ہے، جو اس سسٹم کے دو تہائی نصوص کے برابر ہے، اور بانڈز اور چیک کے احکام پر جابجا اس کا احالہ کیا ہے۔ اس سے پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ ہنڈی کی تجارت مطلق طور پر ایک مستقل تجارت مانی جاتی ہے- جیسے کہ سعودی نظام محمکہ ء تجارت نے اس کو واضح کیا ہے- اس فیصلے کی طرف احالہ کی وجہ سے یہ قول- جس میں چیک اور بانڈز کی مطلق تجارت مانا گیا ہے- اب اس طرف اپنا میلان ظاہر کرتا ہے۔ بلکہ ہنڈی سے متعلق احکام کی طرف احالہ کرنے میں جو نظام کار فرما ہے وہ اس باب میں یعنی چیک اور بانڈز پر احالہ کرنے کا زیادہ مستحق ہے۔ اب اس فیصلے سے کہ چیک اور بانڈز پر مطلق تجارت ہیں اس کی کافی اہمیت ہو جاتی ہے، پھر اس کی فیصلے کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم حاصل ہو جاتا ہے، اور تجارتی اوراق کو وہ چیز بھی ملنا متحقق ہو جاتا ہے جس کے لئے اسے ایجاد کیا گیا تھا۔

دکتور حمزہ المدنی اپنی کتاب "القانون التجاری السعودی" ص: ٦٤، میں اس باب میں پیش کی گئی دونوں رائے اور باحثین کے مابین اختلاف کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: "بہت ساری جدید عربی تجارتی قانون ساز کمیٹیاں تجارتی اوراق کو اس کی تجارت کی وجہ ان اوراق کو ایک ہی حکم دینے پر قائم ہیں۔ اور یہ قانون ساز کمیٹیاں ہنڈی، دستاویز، اور چیک ان تینوں کو مطلق طور پر مستقل تجارت سمجھتی ہیں، قطع نظر اس کے اس پر توقیعات کا طرز کیا ہو گا۔ یعنی وہ تاجر ہوں کہ نا ہوں، اور یہ فرق بھی موثر نہ ہو گا کہ اس تجارتی اوراق کو تجارتی عمل کے لئے لیا گیا ہے یا کمرشیل کاموں کے لئے "اھ۔

ان قانون ساز کمیٹیوں میں سے- جن کی طرف دکتور حمزہ نے اشارہ کیا ہے- کویتی نظام تجارت بھی ہے، دکتور محمد حسنی عباس نے بھی اپنی کتاب میں اس کا اقرار کر چکے ہیں۔الأوراق التجارية في التشريع الكويتي، (ص: 22، 23)، الناشر: مكتبة الأنجلو المصرية، القاهرة، بدون ذكر سنة النشر.

دیکھئے: محمد حسن الجبر، القانون التجاري السعودي (57، 60)، الناشر: الدار الوطنية الجديدة، الخبر، الطبعة الثالثة 1414ھ 1994م. مصطفى كمال طه، القانون التجاري (ص: 247، 248)، سعيد يحيى، الوجيز في النظام التجاري السعودي (ص: 426)، عبد الله العمران، الأوراق التجارية في النظام السعودي (ص: 28، 282)، فاطمة مروة، الفنون التجارية (92/1)، الناشر: دار النهضة العربية، بيروت 1994م. حمزة المدني، القانون التجاري السعودي (ص: 59، 64)، عبد الحميد الشواربي، الأوراق التجارية (ص: 6، 8)، محمود مختار بربري، قانون المعاملات التجارية السعودي، (ص: 42، 43)، إلياس حداد، الأوراق التجارية في النظام السعودي (ص: 403، 404).

ہنڈی تجارت کا فائدہ:

ہنڈی تجارت عام لوگوں میں معروف نہیں ہے ان میں یہ طرز تجارت پھیلی ہوئی نہیں ہے، اس تعلق اوراس کا استعمال اکثر کمپنیوں اوراکیڈمیوں کے ہاں ہوتا ہے، کبھی کبھار بعض تاجر حضرات بھی استعمال کرلیتے ہیں۔عامۃ الناس کے ہاں چیک کا زیادہ استعمال ہے،جب کہ اس ہنڈی تجارت میں اگر آپ فہم سے کام لیں تو فائدہ بہت ہے۔اس کے استعمال کے ذریعے بہت ساری دیون کی واپسی کرا سکتے ہیں۔

مثال کے طورپر: اگر آپ سے کسی شخص نے قرض لے تو آپ اس کے لئے ہنڈی طرز تجارت کے مطابق اس قرض لوٹانے کی آخری تاریخ لکھدیں، پھر آپ اس سے کہیں کہ اس ہنڈی کو فلاں بن فلاں صاحب کو اتنی مبلغ رقم اس طرح لوٹادیں،اوراس تاریخ کو لوٹادیں۔۔۔الخ

اور اس ہنڈی میں جو مطلوب اور موثوق کردینے والے امور قلم بند کردیں، جیسے نام، تاریخ، مبلغ رقم، دستخط، وغیرہ اہم امور۔اس طرز تجارت سے آپ اس سے قرض حاصل کرلے سکتے ہیں۔اور یہ جو دائن ہے اس کے لئے یہ موقع ہے کہ وہ اس کے ذریعے تاجیر اکسی اوردائن کو دے دے،اس طرح کئی ایک افراد اس میں شامل ہوسکتے ہیں، اور مستفید ہوسکتے ہیں، پھر جب وقت مقررہ پر لوٹانے کی بات آئے تو وہ جس سے لیاہے اس کو لوٹادے اسی طرح ہر ایک کے لئے سہولت ہوجاتی ہے،یوں ایک بڑی جماعت اس ہنڈی تجارت کے ذریعے اپنی ضرورتیں پوری کرسکتے ہیں اوراپنا قرض چکاسکتے ہیں۔

(2)-ان دستاویزات کی دوسری قسم جس کو "السند الاذنی" کہتے ہیں۔

السند الاذنی کی تعریف:

یہ ایک ایسادستاویز ہے جس میں مقروض اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ ایک مبلغ رقم معین تاریخ کو لوٹادے گا، یاتعین کے قابل ہو، یامحض موصول ہونے پر ہی ایک دوسرے شخص کی طرف سے اس کی ادائیگی ہوجائے، جس کو مستفید یا"بٹہ لگانا" کہتے ہیں۔([119])

[119] - دیکھئے: عبد الله العمران، الأوراق التجارية في النظام السعودي (ص: 30).

یہ السند الاذنی ان شئیرز کی ایک قسیم بانڈز سے کافی مختلف ہوتی ہے،اوران بانڈز سے متعلق اس سے قبل کافی تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے، اور بتلایا جا چکا ہے کہ یہ بانڈز سودی فائدے کو شامل ہیں، لیکن یہ السند الاذنی: صرف قرض کی واپسی کے لئے ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہے،اس قرض کے تحفظ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جس میں یہ تحریر ہوتی ہے کہ: میں اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ اس قرض کو فلاں بن فلاں کو،اتنی مبلغ جس کی اتنی قیمت ہے، فلاں تاریخ کو لوٹا دوں گا۔۔۔۔۔اوراس میں جگہ،وقت،اور دستخط بھی تحریر کی جاتی ہے۔

شہر ریاض، بتاریخ۔۔۔۔۔ مبلغ:۵۰۰۰ سعودی ریال

میں اس کو اس معاملے کے لئے ادا کروں گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(اوراس میں مستفید کا نام ہو گا، وصول کنندہ)

مبلغ اور تقریبا اس کی قیمت پانچ ہزار سعودی ریال بتاریخ۔۔۔۔۔۔۔۔

محرر کی دستخط

اس طرز کی تجارت عامۃ الناس میں عام نہیں ہے، لیکن تجار اور موسسات کے ہاں متداول اور معروف ہے،اوراس کے لئے بڑے پیمانے پر قانونی تحفظ مہیا کیا جاتا ہے،اس طرح سے اگر اس السند الاذنی کے محرر نے وہ مبلغ رقم اس متعین تاریخ کو ادا نہیں کرے گا تو وہ سخت پابندیوں کے گھیر او میں آجائے گا۔

یہاں اس کا لحاظ کرنا ضروری ہے کہ السند الاذنی کا معاملہ صرف دوطرفہ ہوتا ہے، یعنی محرر اور مستفید کے درمیان ہی کا معاملہ ہوتا ہے۔

ABM PrintTime

(3)- ان دستاویزات کی تیسری قسم جس کو "چیک" کہتے ہیں۔

چیک لوگوں کے ہاں بہت معروف ہے۔

اصطلاح میں اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ (صك)، سے منقول ہے، تو اس اعتبار سے یہ عربی زبان کا کلمہ ہو جاتا ہے ،جب یہ (صك) عربی زبان کا کلمہ نہیں ہے، بلکہ معرب ہے، اس کی اصل تو فارسی سے ہے، اس کی جمع (أصكك، صكاك، صكوك)([120])، آتی ہے۔ پھر (صك) سے (شك) میں تبدیل ہو گیا، اور اس سے (شيك) بنا دیا گیا، اب اصطلاحی معنوں میں عالمی سطح پر یہ لفظ عام ہو گیا ہے۔

چیک کی تعریف:

چیک کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے کہ: یہ ایک کھاتہ دار کی طرف سے بینک کے نام منضبط قانونی طور سے ایک حکم نامہ ہوتا ہے، جو مسحوب علیہ یعنی جس کے نام پر چیک جاری کیا جاتا ہے، وہ مبلغ رقم ایک تیسرے شخص کو محض نوٹس موصول ہنے کے ہی ادا کرنے کا مکلف ہوتا ہے جس کو مستفید یعنی جو بینک سے رقم وصول کرنے والا۔([121])([122])

---

[120] - دیکھئے: الصحاح (1596/4).

[121] - دیکھئے: أبحاث هيئة كبار العلماء (ج5، البحث رقم (5)، ص: 332

[122] - دیکھئے: الوجيز في النظام التجاري السعودي (ص: 46)، الأوراق التجارية في النظام السعودي لبعد الله العمران (ص: 30).

ABM PrintTime

شہر ریاض، بتاریخ-----چیک نمبر-------------

مبلغ:۵۰۰۰ سعودی ریال

اس چیک کو فلاں معاملہ کے لئے جاری کیا جائے-------------

مبلغِ صرف پانچ ہزار سعودی ریال اور کچھ نہیں--------

محرر کی دستخط

بینکنگ ٹرانسفر چیکس:

اس کی مختلف صورتیں:

یہ وہ چیکس ہیں جو کمپنی کی طرف سے تحریر میں لائی جاتی ہیں جب ان کے پاس کوئی ان کے پاس کچھ رقم، نقود ان کے سپرد کرتا ہے کہ یہ بینک کی وساطت سے کسی دوسری جگہ اس کو بھیج دیا جائے، تاکہ وہ خود اس کو حاصل کرلے یا اس کا وکیل۔

اس کا حکم:

یہ چیکس دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں تو ہوتا ہی ہے:

(1)- اگر ان نقود کی تحویل اسی نقد سے ہو یعنی کرنسی ایک ہی ہو تو اس کو سفتجہ کہتے ہیں۔([123])

[123] - دیکھئے: الربا والمعاملات المصرفية للمترك (ص: 378)، البنوك الإسلامية للطيار (ص: 150)، المعاملات المالية المعاصرة (462).

ABM PrintTime

اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ اگر کوئی شخص دس ہزار ریال بذریعے بینک کسی دوسرے شہر روانہ کیا تاکہ وہ ان ریالات کو اس بینک کی فرع سے یا کسی اور بینک سے ہی حاصل کرلے یا اس کا وکیل اس کو لے لے، تو اس کو سفتجہ کہتے ہیں، اور یہ بات اس سے قبل گذر چکی ہے کہ صحیح قول کے مطابق سفتجہ جائز ہے۔

(2)- اگر ان نقود کی تحویل یعنی کرنسی کی تحویل کسی دوسری نقد سے کی جارہی ہے تو اس عمل میں صرف وحوالہ دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ: آپ بینک والے سے کہیں کہ یہ دس ہزار ریال بینک کے ذریعے سے مصر روانہ کردیں اور میرا وکیل اس کو جنیہ کی شکل میں اس کو حاصل کرلے گا تو ایسی صورت میں یہ صرف وحوالہ کا متجمع ہو گا۔

حوالہ تو سفتجہ ہے اور وہ جائز ہے، صرف پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔

اس مسئلہ سے متعلق مجمع الفقہ الاسلامی جو رابطہء عالم اسلامی کے تابع ہے، اس اکیڈمی نے اس موضوع پر دراسہ کیا ہے، اور اس بابت قرار پاس کیا ہے کہ: چیک کو اس کے مکمل شروط کے تحت حاصل کرلینا قبض کے قائم مقام گردانا جائے گا، اور بینک کی دفتر میں ان معلومات کو محفوظ کرلینا اس کے قبض کی دلیل ہے، اس میں بینکنگ معاملات کوئی شخص تصرف کرے یا آلات اس میں قبض کی دلیل ہو جاتی ہے۔

مذکورہ اس فیصلہ اور قرار کی بنا اس مسئلہ میں کچھ تفصیل طلب امور ہیں، ٹرانسفر کیا گیا نقد بینک میں چلا جاتا ہے، اور اس کی دفاتر میں میں یہ محرر کیا جانا ایک شرط پر اس کے قبض پر دلالت کرے گا، وہ یہ ہے کہ بینک میں ٹرانسفر کیا گیا یہ نقد اس کی ملکیت میں ہو جائے۔ اور یہ ٹرانسفر جو اس کی ملکیت میں جائے گا وہ چاہیئے اس کے علاقے کی صندوق میں جائے یا مرکزی صندوق میں جائے۔

اگر بینک اس محول نقد کی ملکیت نہیں کرپاتی ہے تو بینک مستقبل میں اس نقد پر انشورنس کراتی ہے، جو کہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ عمل درست نہیں ہے، سبب یہ ہے کہ اس کا تصرف اس چیز میں ہو رہا ہے جسے اس کا حق تصرف نہیں ہے، اس کی ملکیت سے خارج ہے۔

اس بارے میں آپ کی کیارائے ہے کہ آپ کسی سونے کی دوکان میں سونے کا سوداکریں، تووہ کچھ دیر بعد سونے کو چاندی کے مزج سے اس کو فراہم کرے گا بھلے ہی ایک گھنٹہ بعد، تو یہ جائز نہیں ہے اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے۔

اسی لئے جو شخص بھی کرنسی کا ٹرانسفریا تبدیل کرناچاہتاہے تو اسی کرنسی سے کرائے جو بینک والوں کے ہاں معروف ہو اور ظن غالب یہ ہو کہ بینک میں موجودہو۔ جیسے یورپین برطانوی کرنسی یوروااورڈالروغیرہ۔ اگراس طرز پر وہ بینک والوں سے تعامل کرے گا تووہ اس کو ایک چیک یابانڈزیاپھررسمی اتھارٹی کا کائی ورقہ دیں گے، اوراس کی محولہ کرنسی کی قیمت بھی محفوظ کرلیں گے۔

کبھی ایساہوتاہے کہ کرنسی کی تبدیلی کے دوران وہ کرنسی اس بینک میں ہوتی ہی نہیں ہے، لیکن پھر بھی اس کرنسی کی تحویل کرالی جاتی ہے، ایسی صورت میں بینک کا اس طرح تحویل کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس کی عمل اس مال پر ہے جس کی وہ مالک ہی نہیں ہے۔ اب اس تحویل کی صورت میں اشکال پیداہوتاہے۔

اس مسئلہ کی بابت میں نے شیخ محمد بن صالح ابن العثیمین رحمہ اللہ سے استفسار کیا تھا، آپ نے کہا کہ:" اس تحویل میں اشکال ہے، اس لئے کہ اس میں صرف وحوالہ دونوں مجتمع ہیں، یہ شکل درست نہیں اور جائز نہیں ہے، البتہ ضرورۃ میں اس کے جواز کا قائل ہوں"۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی اس پوری تفصیلات کے پیش نظراس کو قبض ہی ماناجائے گا، البتہ یہ شرط ملحوظ رکھنا ہوگا کہ بینک کوٹرانسفر کیاہواپیسہ کی ملکیت ہوجانی چاہئے۔ یہ ہوجائے تومذکورہ قول "ضرورۃ جائزہے" کی چنداں حاجت نہ ہوگی۔

رابطہ ءعالم اسلامی کی ماتحتی میں چلنے والی فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے پاس کیاگیاقرارنمبر(66)(7/11):

الحمد لله وحده، والصلاة على من لا نبي بعده، سيدنا ونبينا محمد، وعلى آله وصحبه، أما بعد:

مجمع الفقہ الاسلامی زیر سرپرستی رابطہ ءعالم اسلامی کی طرف سے مکہ مکرمہ میں منعقدہ گیارہواں دورہ، جو ۱۳رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۸۹م بروز اتوار سے ۲۰ رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۹۸۹م کی درمیان چلتارہا جس میں اس موضوع پر غوروفکر اوردارسہ کیاگیاہے:

ABM PrintTime

(1)- بینکوں میں کرنسی کا تبادلہ کرنے والا کیا چیک کے قبض سے مستغنی ہو سکتا ہے۔

(2)- چیک پر قبض کے بجائے صرف اس تحویل کو زیر قرطاس محفوظ کرنا کفایت کر جاتا ہے؟ یعنی جس میں کوئی شخص بینک میں ایک کرنسی کو دوسری کرنسی سے تبدیل کرنا چاہتا ہے تو صرف دفتر میں اس کی رپورٹ درج کر دے۔

اس موضوع پر بحث و تحقیق اور کامل دراسہ کرنے کے بعد اس فقہ اکیڈمی میں بالاتفاق اپنا فیصلہ صادر کی ہے، اور وہ یہ ہے:

(1)- پہلی بات یہ ہے کہ چیک کا حصول بینکنگ رول کے اعتبار سے اگر ساری شروط اس پر منطبق ہوں تو اس کو قبض کے قائم مقام مانا جائے گا۔

(2)- دوسری بات یہ ہے کہ جو ایک کرنسی کو دوسری کرنسی سے استبدال کرواتے ہیں ان کی اس کاروائی اور عمل کو بینکنگ کی دفاتر میں درج کروانا ہی قبض تسلیم کیا جائے گا۔ چاہے کوئی شخص اس کرنسی کو تحویل کرے یا یوں ہی اس کی تحویل ہو جائے۔

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا، والحمد لله رب العلمين.

دوسرا مبحث: نقدی اوراق سے متعلق فقہی ذیلی مسائل:

(1)- ہنڈی سے متعلق فقہی مسائل اور ان کا حکم:

ہنڈی سے متعلق یہ رائے ہے کہ یہ سفتجہ ہے۔ بعض کی اراء یہ ہے کہ یہ قرض ہے، کسی نے اسے حوالہ کہا ہے۔

حوالہ اور قرض تو معروف ہیں۔

سفتجہ اس کا معنی اور حکم جاننے کے لئے کچھ تامل کی ضرورت ہے۔

سفتجہ کی تعریف: یہ ایک مالی معاملہ ہے جس میں ایک انسان دوسرے شخص کو کسی شہر میں قرض دیتا ہے تاکہ وہ اپنی ضرورت پوری کر لے اور مقترض کو یا اس کے نائب کو وہ قرض واپس کر دے، یا قرض دار کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوئے قرض لیا ہو۔([124])

---

[124] - دیکھئے: البناية في شرح الهداية محمود العيني (636/7)، رد المختار على الدر المختار (295/4)، الفقه الإسلامي وأدلته (4/ 728).

اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ: کوئی آدمی کسی شخص سے جو ریاض کا رہنے والا ہے اس سے کہے کہ: آپ مجھے دس ہزار ریال قرض دیں، میں اس کو مکہ میں لوٹادوں گا، یا آپ کو مکہ میں موجود میرا وکیل لوٹادے گا۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ مال کے عود کے لئے راستہ کی سیکورٹی ہو جاتی ہے، اور آج لوگ بینکنگ ٹرانسفر میں سفتجہ کا استعمال اور اس راستے سے لین دین کرتے ہیں۔ تو جب ایک شخص ریاض شہر سے مبلغ ایک رقم بینک کے ذریعے سے اپنے احباب میں سے کسی کو جو مکہ میں مقیم ہے، تحویل کرتا ہے، اور وہاں سے اس کا ساتھی یا جو بھی ہو مکہ میں رہتے ہوئے اس بینک سے حاصل کرلیتا ہے جو اس ریاض شہر کی بینک کی فرع ہے، یا مکہ کی کسی اور ہی بینک سے اس کو حاصل کرلیتا ہے، تو اسی شکل کو "السفتجہ" کہتے ہیں۔

"السفتجہ" کی بابت کے اس کا کیا حکم ہے؟ اہل علم کے مابین اختلاف ہے اور اہل علم کے دو قول ہیں:

(1)- پہلا قول یہ ہے کہ اس طرح کا لین دین اور تعامل حرام ہے، احناف([125])، شوافع([126])، اور مالکیہ([127]) کے ہاں یہی قول مشہور ہے، اور حنابلہ کے ہاں بھی راجح اور سب سے صحیح قول یہی ہے۔([128])

---

[125] - دیکھئے: المبسوط (37/14)، البناية في شرح الهداية (631/7)، رد المختار على الدر المختار (295/4).

[126] - دیکھئے: التفريع (139/2)، المعونة على مذهب عالم المدينة (999/2)، التاج والإكليل لمختصر خليل (547/4).

[127] - دیکھئے: الأم (35/3)، التنبيه في الفقه الشافعي (ص: 99)، روضة الطالبين (34/4).

[128] - دیکھئے: المغني (436/6)، الإنصاف (131/5)، المبدع (209/4).

ABM PrintLine

(2)- دوسرا قول "سفتجۃ" کے جواز کا ہے، یہ قول کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے، ج میں سے: علی بن ابو طالب، ابن عباس، اور ابن الزبیر، رضی اللہ عنہم اجمعین، مالکیہ([129]) اور حنابلہ ([130]) کے ہاں ایک قول یہ بھی ہے، الموفق ابن قدامہ([131])، ابن تیمیہ([132]) اور ابن القیم([133]) رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

قول اول کے دلائل: جس میں "السفتجۃ" کو حرام کہا گیا ہے۔

(1)- جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سفتجات حرام ہے"۔([134])

حدیث مبارکہ "سفتجۃ" کی حرمت پر نص صریح ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ اس کو موضوع تک کہا گیا ہے، اور ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔([135])

(2)- دوسرا دلیل یہ ہے کہ "السفتجۃ" ایک طرح کا قرض ہے، جس میں قرض دینے والا پورے سیکورٹی کے ساتھ اس سے مستفید ہوتا ہے، تو یہ بھی ایک طرح کا نفع ہے، اور ہر وہ قرض جو نفع ساتھ لائے وہ سود ہے۔([136])

قول ثانی کے دلائل: جس میں "السفتجۃ" کو جائز کہا گیا ہے۔

(1)- جواز کا قول بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے نقل کیا گیا ہے، جیسے ابن عباس، ابن الزبیر، اور علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہم اجمعین سے نقل کیا گیا ہے۔

---

[129] - دیکھئے: الكافي في فقه أهل المدينة (359)، التفريع (139/2)، المعونة على مذهب أهل المدينة (999/2).

[130] - دیکھئے: المغني (436/6)، الإنصاف (131/5)، شرح منتهى الإرادات (327/2).

[131] - دیکھئے: المغني (436/6)

[132] - دیکھئے: مجموع فتاوى أبو العباس (515/20)، (530/29، 531).

[133] - دیکھئے: تهذيب سنن أبي داؤد (152/5).

[134] - دیکھئے: رواه ابن عدي في " الكامل في الضعفاء " (11/5)، امام شوکانی رحمہ اللہ اپنی کتاب" الفوائد المجموعة " (71/1) میں کہتے ہیں کہ: اس سند میں عمر بن موسی ہے جو وضاع ہے۔

[135] - دیکھئے: الموضوعات (249/2).

[136] - دیکھئے: المبسوط السرخسي (37/14)، المغني لابن قدامة (436/6)، البناية في شرح الهداية العيدي (631/7).

ABM Print Time

(2)- دوسرا دلیل یہ ہے کہ " السفتجۃ" میں قرض دینے والا اور لینے والا دونوں بغیر کسی ایک دوسرے کو ضرر پہنچائے مستفید ہوتے ہیں، اور دونوں کی بہتری وابستہ ہے۔

قرض دینے والا پوری سیکورٹی کے ساتھ دوسرے کسی شہر میں اپنے مال کو پالیتا ہے، اور قرض لینے والا قرض سے اپنی ضرورتیں پوری کرلیتا ہے، لہذا جس میں دونوں کا بھلا ہو اور اس لین دین میں کسی ایک کے لئے بھی ضرر نہ ہو تو شریعت سبھوں کا جس میں فائدہ ہوتا ہے، اور کسی کو بھی ضرر نہیں ہوتا اس کو حرام نہیں کہتی ہے۔([137])

ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: " السفتجۃ" میں صحیح قول جواز ہی کا ہے، کیونکہ اس میں مقرض اور مقترض دونوں کا فائدہ جڑا ہے، اور شریعت جس میں سبھوں کا فائدہ اور مصلحت اسی میں ہو تو اس سے منع نہیں کرتی ہے، شریعت تو جس میں ضرر ہو اس کو منع کرتی ہے۔([138])

(3)- تیسرا دلیل یہ ہے کہ " السفتجۃ" کی حرمت پر کوئی نص نہیں ہے، اس پر واضح منع نہ ہونے کی وجہ سے وہ حکم میں اپنے اصل پر باقی رہے گا اور وہ اباحت ہے۔ خصوصا ہمارے اس دور میں اس کی سخت ضرورت اور وہ زندگی کا ایک حصہ ہو چکا ہے، بینک ٹرانسفر میں لوگوں کا تعامل اس سے برابر جڑا ہوا ہے۔([139])

اور جہاں تک اس حدیث جابر بن سمرہ" السفتجات حرام " سے جمہور کا استدلال ہے تو اس سے متعلق بات گذر چکی ہے کہ وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ بعض اہل علم نے اس کو موضوع کہا ہے۔

اور جمہور کا یہ کہنا کہ " السفتجۃ" ایک قرض ہے جس میں مقرض اپنے دئے ہوئے قرض کو پوری امن امان سے دوسرے شہر میں حاصل کرلیتا ہے، یوں یہ قرض چونکہ نفع ساتھ لایا ہے تو وہ سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے، تو اس استدلال کا یہ

---

[137] - دیکھئے: المغني لابن قدامة (437/6)، مجموع فتاوى أبو العباس ابن تيمية (515/2)، (531/29)، تهذيب سنن أبي داؤد (152/5، 153).

[138] - دیکھئے: مجموع فتاوى أبو العباس ابن تيمية (531/29)

[139] - دیکھئے: المغني (437/6)، الربا والمعاملات المصرفية عمر المترك (ص: 284).

جواب ہے کہ یہ مقولہ " كل قرض جر نفعا فهو ربا " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں ہے([140])۔ہاں اگر معنا بھی درست مان لیں تو علی الاطلاق اس کا اس طرح انطباق صحیح نہیں ہے۔اس لئے کہ قرض میں مطلق نفع کے بغیر چارہ ہی نہیں، اسی لئے ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دنیا میں کوئی بھی قرض دینے والا ہو یعنی اس کا قرض نفع لاتا ہی ہے۔ نفع کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کا قرض دیا ہوا مال گارنٹی کے ساتھ اس کو حاصل ہوتا ہے، اس کا مال قرض دار کے ہاں تلف ہو یا نہ ہو سالف یعنی قرض دینے والے کو تو ملنا ہی ہے، ساتھ میں قرض لیا ہوا شخص اس مال کو عود کرتے ہوئے شکریہ کلمات بھی ادا کرتا ہے، یہ بھی ایک صورت ہے جو مقرض کو نفع دلاتی ہے، اور مقترض بھی قرض لے کر دوسرے کے مال سے ایک مقررہ وقت تک کے لئے مستفید ہوتے رہتا ہے۔لہذا ان حضرات کے اس قول "إن كل سلف جر منفعة هو ربا" کے بسبب ہر طرح کا نفع حرام ہے، اس میں جو اشکالات اور بحیثیت قول کے جو تکلف ہے وہ واضح ہے۔([141])

مذکورہ ابن حزم کے قول کی وجہ سے ہم یہی کہیں گے کہ قرض کے ساتھ ہر نفع حرام نہیں ہے، بلکہ اس میں حرام ہونے کے لئے ایک ضابطہ ہے جیسا کہ ابو العباس ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہما اللہ نے بیان کیا ہے۔وہ ہے کہ صرف ایسا نفع حرام ہے جو مقرض سے مختص ہو، اور یوں مقترض محروم ہو۔ جیسے قرض دینے والا مقترض کے گھر سکونت اختیار کرے، اس کی سواری پر سوار ہو جائے، یا اس کی طرف سے ہدایا قبول کرے، وغیرہ دیگر نفع جو صرف مقرض سے خاص ہو، البتہ ایسا نفع جس میں مقرض اور مقترض دونوں شریک ہوں تو وہ حرام نہیں ہو گا۔

اگر ہم "السفتجة" کے تعامل اور اس لین دین پر غور کریں تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس طرز تعامل میں دونوں یعنی مقرض اور مقترض کا ملا جلا فائدہ ہے۔

---

[140] - علامہ عجلونی رحمہ اللہ اپنی کتاب " كشف الخفاء " (125/2)، میں کہتے ہیں: رواه الحارث بن أبي أسامة في " مسنده " عن على رفعه، وإسناده ساقط.

[141] - دیکھئے: " المحلى " لابن حزم: (87/8).

مقترض کا فائدہ تو واضح ہے کہ وہ کسی دوسرے کا مال لے کر ایک مقررہ وقت تک کے لئے مستفید ہوتا ہے، لیکن مقرض کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا مال پرامن طریقے سے اس تک پہنچ جاتا ہے۔

اسی لئے "السفتجۃ" کے بارے میں راجح اس کا جواز ہی ہے، اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے "ہنڈی" کے فقہی مسئلہ سے متعلق یہی کہیں گے کہ یہ "السفتجۃ" کی شکل ہے، کبھی قرض کا عین مساوی بھی ہو سکتا ہے۔ اور کبھی اس کے تعامل کے تغیر سے یہ حوالہ بھی ہو سکتا ہے۔ تو یہ تعامل ایک ایسا عقد مرکب ہے جو کئی ایک معاہدے کی شکل ہے۔ تجارتی اوراق کے لئے کبھی پرانے نظام تجارت میں ایک نام "السفتجۃ" بھی تھا، لیکن "ہنڈی" کے تعامل اور طرز لین دین کی کل صورت "السفتجۃ" سے میل نہیں کھاتی ہے، اور اس کے عمل پر مکمل منطبق نہیں ہوتا۔

ہنڈی سے متعلق تعامل پر عائد ہونے والا حکم:

"ہنڈی" سے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے تعامل میں کوئی حرج نہیں ہے، مذکورہ اقوال کی روشنی میں اگر ترجیحات کے پیش نظر اس رائے کی ترجیح دے کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ "ہنڈی" اپنے تعامل میں "السفتجۃ" ہے، اور یہ جائز ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ یہ "ہنڈی" قرض ہے یا حوالہ ہے، تو ایسی صورت میں ایک ساتھ کئی ایک عہود ہیں اور اس کے جواز متفق علیہ ہے۔

لیکن جب "ہنڈی" کے تعامل اور اس طرز لین دین میں دوطرفہ تقابض کی شرط نافذ ہو جیسے "الصرف" یعنی ایکسچینج میں ہوتا ہے، یا تقابض صرف ایک طرف سے ہو جیسے "بیع السلم" میں ہوتا ہے۔ تو "ہنڈی" کا یہ تعامل جائز نہیں ہے، کیونکہ اس موخر الذکر بیع میں ادائیگی کا وقت موخر ہی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ جائز نہیں ہے، یعنی یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی سعودی ریالات کو مصری کرنسی جنیہ یا ڈالر کے عوض "ہنڈی" کے طرز لین دین سے صرف کرلے، کیونکہ یہ فوری اپنا عمل نہیں دکھاتا ہے بلکہ تاجیل ہی سے ہوتا ہے۔ اس لئے بھی کہ یہ بات واضح ہے ایکسچینج میں ایک ہی عقد میں تقابض مشروط ہے، یہ شرط سرے سے "ہنڈی" میں مفقود ہے، اس میں تقابض موجل ہوتا ہے۔

(2)- "السند الاذنی" سے متعلق فقہی مسائل اور ان کا حکم:

"السند الاذنی" کو اگر کسی آرڈر کی بنیاد پر جاری کیا جائے، تو اس کا فقہی حکم یہی ہے کہ یہ: قرض کے معاملات کے لئے ایک وثیقہ یعنی اتھارٹی ورقہ ہے۔

آپ کہیں کہ: میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ اس کو فلاں بن فلاں تک اتنی مبلغ رقم فلاں تاریخ کو لوٹادوں گا۔

اور یہ طرز تعامل جائز ہے، بس اس میں "ہنڈی" تعامل کی طرح اس امر کا لحاظ کرنا ہوگا کہ: اگر اس میں تقابض کی شرط ہو تو اس میں موجل والی شرط درست نہ ہوگی۔([142])

(3)- "چیک" سے متعلق فقہی مسائل اور ان کا حکم:

چیک سے متعلق اس کا حکم معلوم کرنے کے لئے اس کی مختلف انواع کا جاننا ضروری ہے، کیونکہ اس کی انواع کے اعتبار سے ہی اس حکم ہوگا، اس کی کچھ اہم انواع یہ ہیں:

(1)- ایک چیک وہ ہے جس کو کسٹمر بینک کو دیتا ہے، اور اس پر اس کا بیلنس ہوتا ہے۔

اس سے جڑا حکم یہ ہے کہ یہ "حوالہ" ہے، اور اس کو ٹرانسفر کرنے والا "الساحب" یعنی چیک لکھنے والا ہوتا ہے، اور جس کے نام پر چیک ٹرانسفر کیا جاتا ہے، وہ "المسحوب علیہ" ہے جو بینک ہے، اور ثالثی وہ مستفید ہوتا ہے۔ ان تفصیلات سے ہوتے ہوئے ہی یہ ساری کاروائی مرتب ہوتی ہے۔

مستفید پر ضروری ہے کہ وہ چیک قبول کرلے، کیونکہ مسحوب علیہ مکمل ہے اور وہ بینک ہے، صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ اس میں محرر کے لئے کریڈٹ ہونا چاہئے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " إذا أحيل أحدكم على مليء فليتبع" یعنی جب تم میں سے کسی کو کسی غنی کے حوالے کیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس بات کو مان لے۔([143])

---

[142] - دیکھئے میری ہی کتاب: أحكام الأوراق التجارية في الفقه الإسلامي (ص: 145- 147).

[143] - مصنف حدیث مذکور کو" صحیح مسلم "کی طرف احالہ کیا ہے، اس میں جو الفاظ ہیں" إذا أحيل "کی بجائے:" إذا أتبع "کے الفاظ ہیں، نیز حدیث" صحیح بخاری میں بھی موجو ہے۔ دیکھئے: صحيح البخاري: كتاب الحوالات، باب الحوالة، وهل يرجع في الحوالة. برقم: 2287، وصحيح مسلم: كتاب الطلاق، باب تحريم مطل الغني، وصحة الحوالة، واستحباب قبولها إذا أحيل على ملي. برقم: 1564. (مترجم)

ABM PrintTime

لیکن مستفید کے لئے ایک شرط ہے وہ یہ کہ چیک بالکل مصدقہ ہو، جو بینک میں ٹرانسفر کرنے والے کے حق میں ایک کمی بیشی پر بھرپائی کرنے کے لئے کریڈٹ ہو۔ ([144])

(2)- چیک کی دوسری قسم وہ ہے جو پہلی قسم سے صرف اس امر میں مختلف ہے کہ اس میں اس کے لئے کوئی "رصید" نہیں ہوتی ہے۔

اس بارے میں یہ تفصیل گذر چکی ہے کہ یہ صورت "حوالہ" کی ہے، یہ رائے اس صورت میں ہے کہ "حوالہ" میں یہ شرط نہیں ہوتی ہے کہ مسحوب علیہ ٹرانسفر کرنے والے کے حق میں قرض دار نہیں ہو گا، اور جس پر قرض نہیں ہوتا ہے اس کو دینے کا وہ مجاز ہے اگر وہ اس کو قبول کرلے، جیسے کہ احناف ([145]) کے ہاں یہی مشہور ہے، اور مذھب مالکی ([146]) میں بھی راجح قول کے مطابق یہی صحیح ہے۔

بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر قرض دینے والا ایسے شخص کی طرف ٹرانسفر کر رہا ہے جو قرضدار نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس کو "حوالہ" کہتے ہی نہیں ہیں۔ یہ تو بس قرض کی ادائیگی میں توکیل ہے۔ شوافع ([147]) کے ہاں یا حنابلہ ([148]) کے نزدیک یہ دونوں پہلو میں سے ایک یہی ہے۔

مذکورہ تفصیل کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں چیک جو کسٹمر کی طرف سے بینک کے حوالے کیا جاتا ہے اگر اس میں "رصید" نہ ہو تو اس میں شرعا ممانعت والی بات نہ ہو گی، تو اس کو تحریر میں لانا اور اس کے ذریعے سے لین دین اور تعامل کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ اپنے اس طرز عمل میں دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہو گا ہی وہ "حوالہ" اور "وکالہ" ہے، یہ دونوں صورتیں قرضدار کے حق میں جائز ہیں۔۔۔، لیکن یہ حکم اس چیک کا ربوی امور میں وورڈرافٹ طریقے سے

---

[144] - دیکھئے میری ہی کتاب: أحكام الأوراق التجارية في الفقه الإسلامي (ص: 150- 154).

[145] - دیکھئے: بدائع الصنائع (16/6).

[146] -دیکھئے: الكافي في فقه أهل المدينة (ص: 401).

[147] -دیکھئے: الحاوي الكبير: (419/6، 420).

[148] - دیکھئے: المغني: 59/7)، الإنصاف: (225/5).

ABM PrintTime

غیر متعلق ہوتو ہے۔اس لئے کہ بینک کی طرف سے دیا جانے والا قرض عموما فائدہ کے حصول بغیر نہیں ہوتاہے، اور کسٹمر کی طرف سے جو چیک بینک کو پیش کیا جاتاہے اس میں جو بھی "رصید" ہو وہ سودی فائدہ کا خیال رکھ کر ہی لیا جاتاہے، اور جو مرتب ہے اس سے اس کی چیک کی قیمت کے بقدر اس سے مطالبہ کیا جاتاہے۔۔۔، ایسی صورت میں بینک سے ربوی فائدہ رکھ کر معاملہ ہوتو وہ حرام ہے، اس میں تحریر اور اس سے تعامل کسی طور پر بھی جائز نہیں ہے۔۔۔ لیکن اگر اسلامی بینک میں چیک کے قبول کرنے اور اس کو مستفید تک پہچانے میں کوئی ربوی فائدہ کا عمل دخل نہ ہو، اگر ایسا ہو جائے تو اس میں تحریر اور ان سے تعامل ولین دین میں کوئی حرج نہیں، یہ جائز ہے۔([149])([150])

"چیک" کی دیگر انواع، ان میں سے چند نمایاں یہ ہیں:

مسافروں کی سہولت کے لئے جاری کئے جانے والی چیک: یہ وہ چیک ہیں جسے بینک یا کوئی ٹرسٹ مختلف قیمتوں پر جاری کرتی ہے، یا ان چیک کو مسافروں کی سہولت اور فائدے کی خاطر باہر بھیجا تاہے جہاں سے کوئی بھی مسافر اس کی قیمت کے بقدر وہ کسی بھی بینک یا اس کی برانچ میں اس کو پیش کر سکتاہے، اور کسی شہر بھی روانہ کر سکتاہے۔

---

[149] - دیکھئے: معاملات البنوك الحديثة في ضوء الإسلام، علي السالوس (ص: 74).

[150] - ستر الجعید اپنی کتاب میں کہتاہے: أحكام الأوراق النقدية والتجارية في الفقه الإسلامي (ص: 365)، (۔۔۔اسلامی بینکوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس طرز تعامل میں محتاط ہوں، کہیں ایسانہ ہو کہ ان کا سرمایہ اس کی وجہ سے نقصان سے دوچار ہو جائے) اھ۔
اس امر میں، میں تو یہ کہتاہوں کہ جب اسلامی بینک کا وجود ہو اور انہیں چیک کے قبول کا سامنا ہو جو ہوتاہی ہے، تو لازمی طور سے اس کی کچھ شروط وضع کی جائیں، تاکہ اس چیک کے بینک سے قبول کرنے میں صرف مخوص کسٹمر ہی اس کو پورا کرنے کا حق رکھیں۔۔۔، یہ نہ کہا جائے کہ اس حالت میں جو چیک قبول کئے جاتے ہیں اس میں بینک کا تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ نہیں بلکہ اس میں بینک کا اور سارے کسٹمر کا فائدہ ہے وہ اس طرح کے اس طرز تعامل میں کسٹمر کو بڑھاوا ملے گا، اور وہ امنڈ کر اس جانب آئیں گے، یوں اس سے بینک اور وہ دونوں مستفید ہوں گے اور کامیابی کی طرف آگے بڑھیں گے، اور خوب ترقی بھی کریں گے۔۔۔، ان سب کے ساتھ ساتھ یہ صورت ہو تو یہ قرض حسنہ کی قبیل سے ہے جسے تو ہر معاشرہ میں ہونا چاہئے، جس لوگ اپنے ضروریات بآسانی پورے کر سکتے ہیں، اور مقاصد شرعیہ کا اس میں لحاظ ہوتاہے، اس طرح نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کے تعاون کی بھی بہترین صورت ہو گی۔

اس پر جو فقہی حکم لگے گا قریب تر بات یہی ہوگی کہ یہ "السفتجۃ" ہے، جو اپنے آپ میں کئی ایک خوبیوں اور خصائص کا حامل ہے، لیکن اس کے باوجود اس امر میں ایک اشکال موجود ہے، اور وہ یہ کہ ان چیک کو جہاں سے بھیجا جاتا ہے وہ ایجنسیاں اس سے کمیشن لیتی ہیں، اس میں بھی ایک حد تک کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں اس کی خدمت کا ایک حصہ ہے۔ اور نفع بھی یہاں مقرض سے مختص نہیں ہے، بلکہ مقرض اور مقترض دونوں کو شامل ہے۔ اس کی ظاہری صورت "السفتجۃ" سے قریب ہے، اسی لئے اگر ہم حرام نفع کی بات کریں اور اس ضابطہ کو پیش نظر رکھیں تو صرف وہ نفع حرام ہے جو مقرض سے مختص ہو، اور جو نفع مقرض و مقترض دونوں کو شامل ہو وہ کسی طور پر بھی حرام نفع نہیں ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ہم یہی کہیں گے کہ مسافروں کی سہولت کی خاطر جاری کئے جانے والی چیکس جائز ہیں۔ ([151])

تیسرا مبحث: تجارتی رعایت:

"الخصم" کی تعریف:

تجارتی خصم کی تعریف یہ ہے کہ:

" یہ ایک بینک ڈسکاونٹ اگریمنٹ ہے، جو طلب پر ایک تجارتی رعایتی کاغذ جس میں بقیہ مدت کے تناسب سے وقت ختم ہونے سے قبل اس اصل قیمت (قیمت کا غلط استعمال) پر تقابض ہو جاتا ہے۔ یہ بینک سے اس حق کی بابت رعایت طلب

---

[151] - اس موضوع پر تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے ہماری تصنیف: أحكام الأوراق التجارية في الفقه الإسلامي (ص: 144- 152)

ABM Print Time

کرنے والے کے حق ملکیت کے بدلے ہوتا ہے، اس کو دی جانے والی یہ رعایت، وقت کے ختم ہونے سے قبل اس کو پوری ادائیگی کو ضامن ہے۔([152])

یہ عمل اس بینکنگ کے بموجب قائم ہے، کاغذ ہولڈر اپنی ملکیت کو بینک بطریق تظہیر وقت سے قبل ہی منتقل کر دیتا ہے، بینک کو اس کی قیمت تیز کرنے کے مقابل اس کو ایک متعین حصہ ڈسکاونٹ ہوتا ہے۔

چیک کا معاملہ اس سے جدا ہے اس میں نوٹس موصول ہوتے ہی اس کی ادائیگی ضروری ہے، اوراس میں کسی طرح کا ڈسکاونٹ بھی نہیں ہوتا ہے۔ ڈسکاونٹ تو "ہنڈی" اور "السند الاذنی" میں ہوتا ہے، اس حالت میں کہ یہ دونوں تاخیر سے ادا کئے جاتے ہیں۔

"الخصم" کی مثال:

کچھ کسانوں کو جب کہ وہ گندم جمع کرادیں تو پیداوار اجزاء بذریعے "ہنڈی" انہیں فراہم کئے جاتے ہیں، اس میں یہ مکتوب ہوتا ہے کہ: کسان کے آڈر اور طلب پر اس کو فلاں ابن فلاں صاحب کو یہ رقم جو ایک لاکھ ریال ہے، جس کو ا محرم ۱۴۳۲ھ کو ادا کر دین۔

اور کچھ مزارعین یہ کہہ دیتے ہیں کہ میں اس وقت تک منتظر نہیں رہ سکتا، پھر وہ بینک جاکر یہ شکایت رکھتا ہے کہ: یہ "ہنڈی" میرے حق تصرف میں ہے لہذا یہ مجھے فلاں تاریخ تک ہی میں ملنی چاہئے۔ فی الحال مجھے ۹۵ ہزار ریال دیدیں، بقیہ ۵ ہزار بینک کے عملہ کو میری اس خدمت اور "ہنڈی" کے ذریعے اس رقم کی تعجیل میں انہیں دیدیں۔

---

[152] - دیکھئے: الربا والمعاملات المصرفية للدكتور عمر المترك (ص: 396)، المعاملات المالية المعاصرة للدكتور محمد عثمان شبير (ص: 207)، عمليات البنوك من الوجهة القانونية، لعلي جمال الدين عوض (ص: 459)، القانون التجاري لعلي البارودي (ص: 410)، العقود التجارية وعمليات البنوك، لمحمد الجبر (ص: 331).

"الخصم "کا حکم:

" خصم " کے حکم سے متعلق بہت اختلاف ہے،اس مسئلہ کی بابت میں نے اپنی کتاب " أحكام الأوراق التجارية في الفقه الإسلامي "میں گفتگو کرچکاہوں جو تقریبا ٦٠ صفحات پر مشتمل ہے، اوراس بحث میں اس موضوع سے متعلق ذیلی عناوین پر سیر حاصل کلام کیاجاچکاہے۔

تجارتی اوراق میں ڈسکاونٹ کے حکم سے متعلق جو مشہور اقوال ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(1)- پہلا قول: اگر ڈسکاونٹ کا تعلق ایسے بینک سے ہے جو قرض دینے والا بینک ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، دین میں ایک وقت مقررہ ہوتاہے، اس کی بعض حالات کے پیش نظر یہ بات کہی گئی ہے۔ یہ مسئلہ اس" ضع وتعجل " سے معروف ہے، (چونکہ اس میں اسقاط و تعجیل ہے اور یہ عقد صحیح ہے)۔ اور یہ اہل علم کے مختلف اقوال کی روشنی میں بطور راجح ہونے کے جائز ہے۔

اگر یہ "خصم "کا تعلق ایسے بینک سے ہے جس سے قرض نہیں ہے، تو پھر جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں سودی مشابہت ہے ،چونکہ " خصم " کے طرز تعامل کا اصل ہدف۔ قطع نظر اس کے کہ یہ کس صورت میں منتہی کو پہنچتاہے- قرض ہے، اور طریقہء تعامل: تظہیر ہے، اور بینک تو تجارتی اوراق کی خریداری کا خواہاں نہیں ہے، بینک کو تو صرف مستفید کو اس ورقہ کے کی سیکورٹی کی خاطر مال کا ایک حصہ فراہم کرتاہے، اوریوں بینکنگ تجارتی اوراق کے لئے اس طرز تعامل میں قوی ترین سیکورٹیس پاتے ہیں۔

ABM Print Line

لیکن اس طرح کا قرض دیناتو ربوی شکل ہے، کیونکہ اس میں قرض فائدہ سے خالی نہیں ہے، اوراس طرز تعامل سے بینک کمیشن چاہتاہے، اسی کے پیش نظر تجارتی اوراق پر ہونے والا "خصم" جو قرض نہ دینے والے بینک سے ہوتاہے، وہ حرام ہوگا۔([153])

(2)- دوسرا قول یہ ہے کہ تجارتی اوراق کے تعامل میں "خصم" مطلقا حرام ہے۔

مطلق طور پر حرام ہے، یعنی اس میں اس فرق کو سرے سے ملحوظ ہی نہیں رکھا گیاہے کہ آیا یہ بینک قرض دینے والے ہیں یہ نہیں دینے والے بینک ہیں۔ کیونکہ جو بینک اس امر سے متصف مانے جاتے ہیں کہ وہ تجارتی اوراق میں قرض دینے والی ہیں، وہ بینک اس ورقہ کی "خصم" کے دوران حقیقت کی روسے قرض دینے والی ہوتی ہی نہیں ہیں۔ وہ تو محض ساحب کو اس کی قیمت کے بقدراس وقت قرض دیتی ہیں جب اس کو پورا کرنے کا وقت آجائے۔ اوراگر بینک ساحب کو وقت "خصم" قرض دیدےتی ہے، توساحب کو یہ حاجت ہی نہیں رہے گی کہ وہ تجارتی اوراق کو کلیر کردے، کیونکہ یہ اپنے وقت مقررہ سے قبل حل نہیں کیا جاتاہے۔ یہ تو بس چیک کو کلیر کردیتاہے، ایسی صورت میں معلوم ہوتے ہی اس کی ادائیگی ضروری ہوجاتی ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اسی بینک جو تجارتی اوراق پر "خصم" کے وقت قرض دیتی ہیں، اس پر اعتبار صحیح نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اس اعتبار سے اس میں وہی مذکور فرق نہیں دیکھا جائے گا، یعنی کونسی بینک قرض دیتی ہے، اور کونسی بینک تجارتی اوراق پر قرض نہیں دیتی ہے۔

اب جب کہ فرق ہی نہیں ہے تو حکم دونوں کے حق میں مساوی ہے، اوراس حکم میں یہ دونوں بینک مشترک ہیں، نتیجے میں دونوں حرام ہیں، اس لئے کہ اس میں قرض کا معاملہ فائدے پر رکھا گیاہے۔

---

[153]- اس موضوع کی تفصیلات کے لئے دیکھئے ہماری کتاب: أحكام الأوراق التجارية في الفقه الإسلامي (ص: 268- 282)، المعاملات المصرفية للدكتور سعود الدريب (ص: 66)، الربا والمعاملات المصرفية للدكتور عمر المترك (ص: 312)، البنوك الإسلامية للدكتور عبد الله الطيار (ص: 144).

تجارتی اوراق کے خصم سے چھٹکارہ، اوراس کا شرعی نعم البدل:

مذکورہ عسر کی یسر کے لئے ایک شرعی حل ہے، جس میں ایک شخص جو "ہنڈی" کو استعمال اوراس کے تعامل سے مستفید ہوتے ہوئے رہ سکتاہے، اور بغیر کسی خطرے میں پڑنے کے، یعنی اس میں شرعاممنوع والی بات نہیں ہوتی ہے۔ اور حل کی یہ صورت ہے:

تجارتی اوراق کی بیع وشراء بینک سے کسی چیز کے عوض ہو لیکن غیر نقدی ہو، یا عروض سے ہو، مثلاوہ بینک والوں سے یہ کہے: یہ ورق "ہنڈی" سے متعلق ہے جس میں ایک لاکھ ریال ہیں، میں اس کے بدلے ایک کار خرید لیتاہوں، اب یہ مسئلہ اس قاعدے" بيع الدين لغير من هو عليه بالعين "کی قبیل سے ہوجاتاہے، یہ "ہنڈی" قرض کی نمائندگی کرتی ہے، اوروہ کاراصل کی نمائندگی کرتی ہے، اور راجح قول کی روشنی میں یہی راجح اور صحیح ہے، شوافع([154]) کے ہاں بھی یہی صحیح ہے، ابو العباس ابن تیمیہ([155]) اورابن القیم([156]) رحمہا اللہ نے اسی کو اختیار کیاہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس میں "ہنڈی" کا استعمال کرنے والا اپنے جائز ہدف کو بغیر حرام کاری کے حاصل کرسکتاہے۔ اللہ تعالی ہی توفیق دینے والاہے۔

چوتھا مبحث: تجارتی اوراق پر قبض:

"القبض" کی تعریف:

لغت میں اس کے معنی کسی چیز کے جمع کرنے اوراخذ کرنے کے آتے ہیں۔([157])

---

154 - دیکھئے: المجموع للنووي (272/9)، مغني المحتاج (71/2)، نهاية المحتاج (92/4).

155 - دیکھئے: الفتاوى الكبرى (394/5)، الإنصاف (112/5)، المبدع (199/4).

156 - دیکھئے: تهذيب سنن أبي داؤد لابن قيم الجوزية (112/5).

157 - دیکھئے: معجم مقاييس اللغة (50/5).

"القبض" کی اصطلاحی معنی ہے: کسی چیز کو اپنی حفاظت میں لینا اور اس پر کنٹرول حاصل کرلینا ہے۔ اور کنٹرول چاہے ہاتھ میں لے کر حاصل کرے یا اس پر کسی طرح سے بھی اپنی ملکیت میں لالے، اس کو "التخلية یا القبض الحكمي" سے موسوم کیا گیا ہے۔

شرعی نقطہء نظر سے لین دین میں مطلق قبض والی بات ہی وارد ہے، اس میں کسی طرح کی حد اور تعیین نہیں کی گئی ہے۔ عربی زبان میں بھی اس کی کوئی حد نہیں ہے۔

اصولی قاعدہ یہی ہے کہ اگر کوئی حکم مطلق ہو، اور شرعا ولغۃ اس میں کوئی حد نہ ہو اس میں مرجع عرف ہی تسلیم کیا جائے گا۔([158])

الموفق ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: " قبض شرعا مطلق وارد ہے، اس باب میں بھی احراز اور تفرق کی طرح عرف کی طرف رجوع کرنا چاہئے "۔([159])

ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " (عربی زبان میں کوئی بھی) اسم (اپنے معنوی حیثیت سے) اپنی حدود سے پہچانے جاتے ہیں، کبھی شرعا ان کا معنی طئے کیا جاتا ہے، جیسے صیام، حج، اور کبھی لغوی اعتبار سے اس کا معنی طئے کیا جاتا ہے، جیسے شمس، قمر اور بر و بحر ہیں۔ اور کبھی عرفا ان کا معنی ومفہوم سمجھا جائے گا، جیسے قبض، اور تفرق کی (اصطلاحات) ہیں "۔([160])

اسی طرح اشیاء کے مختلف ہونے سے اس کے قبض میں بھی فرق ہوگا، سنے پر قبض کی کیفیت زمینی قبض کی کیفیت سے جدا ہے، اور یہ دونوں قبض بکریوں پر قبض سے الگ ہیں۔

---

[158] - دیکھئے: الأشباه والنظائر في الفروع للسيوطي (ص: 69).

[159] - دیکھئے: المغني (188/6).

[160] - دیکھئے: مجموع الفتاوى (448/29).

اوراق تجاریہ پر قبض:

(1)-ہنڈی اور بانڈز:

ایک معینہ مدت پر اس کی ادائیگی لازم ہے، تو مذکورہ دونوں "ہنڈی اور بانڈز" ادائیگی میں موجل ہیں۔ اسی لئے اگر یہ اوراق پیش کردئے جائیں تو اس کے محتوی کے پیش نظر اس کو ملکیت نہیں سمجھا جائے گا۔

اس اصول کی روسے ہر وہ شرط جس میں تقابض طرفین سے ہو جیسے صرف میں ہوتا ہے، یا یک طرفہ ہو جیسے بیع السلم میں ہوتا ہے، ایسی صورت میں تجارتی اوراق کی اس نوع میں تحریر کرنا جائز نہیں ہے۔

مثال کے طور سے: "ہنڈی" کے طرز تعامل میں یعنی اس لین دین میں سونے کے ساتھ موجلا جائز نہیں ہے، یا بانڈز کا بھی موجل اس کے ساتھ لین دین جائز نہیں ہے۔

(2)-چیک:

چیک کے متعلق بات یہی ہے کہ اس کی نوٹس ملتے ہی اس کی ادائیگی ضروری ہے، لیکن کیا چیک کی تفصیلات اور اس کے محتوی کو قبض ہی شمار کیا جائے گا؟ اس باب میں معاصر اہل علم میں اختلاف ہے، جس میں تین اراء ذکر کئے گئے ہیں:

(1)- پہلا قول: چیک کا حاصل کرنا اس کے محتوی کے پیش نظر مطلق طور پر اس کو قبض ہی شمار کیا جائے گا۔([161])

اس صورت میں چیک کے ذریعے (بطور مثال) سونا اور چاندی کی خریداری جائز ہے۔

---

[161] - دیکھئے: قبض الشيكات في استبدال النقود والعملات لعبد الوهاب حواس (ص: 42).

مذکورہ قول کے قائلین اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ چیک اپنے محتواہ کی وساطت سے بہت ساری ضمانات کو اپنی لپیٹ میں لے لیتاہے، جو اس کے حامل کو حق ملکیت عطا کرتا ہے، جس کی وجہ سے اس میں وہ تصرف کر سکتاہے، خرید و فروخت، ہبہ اور دیگر تصرفات کر سکتاہے۔

(2)- دوسرا قول: چیک کا حاصل کر لینا اپنے محتواہ کے باوجود مطلقا قبض نہیں کہلائے گا۔

اس بنا پر سونے چاندی کے لین دین میں ہونے والے تقابض کی اس امر میں تحریر کرنا جائز نہیں ہے، اس باب میں جن علماء کے اقوال ملتے ہیں ان میں شیخ ابن العثیمین رحمہ اللہ کا قول بہت مشہور ہے۔

ان حضرات کی تعلیل یہ ہے کہ "چیک" میں موجود صلاحیت اگرچہ بہت ساری ضوابط اور ضمان مہیا کرتی ہے، جس سے اس پر غیر معمولی یقین اور بھروسہ حاصل ہو جاتاہے، لیکن پھر بھی اس پر قبض مطلق کا حکم کفایت نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ "چیک" میں کبھی رصید نہیں ہوتی، کبھی توقیع موافق نہیں ہوتی، اور کبھی کبھار تو صاحب الرصید چیک میں اپنے حق تصرف کا استعمال کرتے ہوئے اس سے کچھ تعارض کرتاہے لیکن وہ نہیں کر سکتا۔۔۔ اس کے علاوہ اور بھی احتمالات موجود ہوتے ہیں۔ ایک اور شیء بھی اس کی تائید کرتی ہے، وہ یہ اگر وہ اس چیک کو ضائع کر دے تو اس کی ملکیت رکھنے والا بینک کی طرف رجوع کر سکتاہے، اور اگر اس چیک کے محتواہ کو قبض کا نام دیں تو اس کو بینک کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہی نہ ہوتی۔

(3)- تیسرا قول: اس میں کافی تفصیل ہے۔

اگر "چیک" تصدیق شدہ ہے تو اس کے محتواہ کی بناوہ قبض شمار ہو گا، اگر نہیں ہے تو قبض کا اطلاق نہیں ہو گا۔

اس رائے کی طرف اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء کا میلان ہے، جو سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز رحمہ کی زیر سرپرستی میں چلتی ہے۔([162])

[162] - دیکھئے: فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، رقم الفتوى (9956)، (ج13، ص: 494).

"چیک"کا تصدیق شدہ ہونے کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ اس رقم کی حفاظت مقصود ہے جو بذریعے "چیک"مستفید تک پہنچنے کو لازم ہے، اس میں ساحب کا کوئی تصرف نہیں ہو سکتا ہے۔

اس قول کے قائلین حضرات نے پہلے اور دوسرے قول کی اپنی اپنی توجیہات کو جمع کر کے یہ کہا ہے کہ:

" چیک " اگر غیر مصدق ہو تو اس پر کئی ایک احتمالات وارد ہوتے ہیں، جیسے کہ دوسرے قول کے قائلین نے اس کی نشاندہی کی ہے، اور اگر " چیک " تصدیق شدہ ہو تو اس پر کسی طرح کا کوئی احتمال وارد نہیں ہوتا۔ پھر یہ اپنے محتواہ کے پیش نظر قبض ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ تجارت سے متعلق بڑے بڑے سودے انہیں " چیک " کے تعامل سے انجام دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر آپ کوئی گھر کئی لاکھ کی لاگت میں خریدتے ہیں اور مالک مکان کو روپئے نقدا ادا کرنا چاہتے ہیں تو وہ کسی طور پر بھی قبول نہیں کرے گا، بلکہ یون کہے گا کہ مجھے تصدیق شدہ کوئی "چیک " فراہم کر دو۔ اگر صورت حال یہ ہو کہ لوگ امور تجارت میں بڑے پیمانے پر ہونے والے سارے معاملات میں نقد پر "چیک "لینے اور اس کے تعامل کو ترجیح دیں تو اس کے اس محتوای پر یہی کہیں گے کہ یہ بمعنی قبض ہے۔

راجح قول۔

مذکورہ تینوں اقوال کی روشنی میں راجح –واللہ اعلم- تیسرا قول ہے، اس قول کی جو مناسب توجیہ کی گئی ہے اس روسے یہ صواب ہے۔ اس لئے کہ "چیک "اگر تصدیق شدہ ہو تو بہت بڑی بڑی ضمانات اس کے گھیرے میں آتی ہیں، اور ہمیں ایسا کوئی شخص نہیں معلوم جو ساحب ہو اس کے پاس مصدق "چیک "ہونے کے باوجود اس کے حق تصرف میں کوئی طاقت نہ رکھتا ہو۔ ہاں اگر چیک سے متعلق قانونی نوعیت سے ہٹ کر کچھ مشکلات ہوں یہ مستثنی ہے، جیسے جعلی چیک، یا مسروقہ چیک وغیرہ دیگر مشکلات۔

ABM PrintTime

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں "چیک" اگر مصدق ہو اس سے سونا اور چاندی کی خریداری کرنا جائز ہے، بصورت دیگر جائز نہیں ہے۔

اب رہا ان حضرات کا یہ کہنا کہ چیک کو مطلقا قبض نہیں کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس اگر وہ ضائع ہو جائے تو اس کے حامل کو بینک کی طرف حق رجوع ممکن ہوتا ہے۔

اس استدلال کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ "چیک" کا طرز تعامل ہی کچھ اس طرح کا ہے۔ "چیک" کی نوعیت میں یہ بات ہے کہ اس میں مستفید کا اسم محرر ہوتا ہے، اس کے نتیجہ میں صرف وہی اس میں تصرف کر سکتا ہے جس کا نام ہوتا ہے، اور اگر وہ ضائع ہو جائے تو وہ بینک کی طرف رجوع کر سکتا ہے تاکہ وہ اس کے جاری ہونے پر روک لگا سکے، اور ساحب سے یہ مطالبہ کر سکے کہ وہ اس کے بدلے تحریر کر دے، جب کہ نقدی اوراق یہ تو صرف اس کے ہولڈر کے لئے ہی ہے، اسی لئے اگر "چیک" میں جو مکتوب ہوتا ہے اس کے نام والا ہی اس کا حامل ہوتا ہے۔

باعتبار نظام کے یہ جائز ہے اور جاری وساری ہے لیکن بہت سے لوگ اس کو استعمال نہیں کرتے ہیں، تو اگر یہ ضائع ہو جائے اس کا معاملہ اس کے حامل یعنی مستفید پر موقوف ہوتا ہے۔

تنبیہ۔

بعض ممالک میں غیر مصدقہ چیکس کو بہت زیادہ تحفظ مہیا ہے، جس سے کہ وہ ان چیک کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں جو مصدقہ چیک کا ہوتا ہے۔

یہاں بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعض ممالک میں "چیکس" اپنے محتوی کے پیش نظر چاہے وہ مصدقہ ہو یا غیر مصدقہ سب قبض ہی مانے جاتے ہیں۔

ہمارے یہاں مملکت عربیہ سعودیہ میں غیر مصدق چیکس کافی ضمانات سے برابر گھرا ہوا ہے، اگرچہ کہ اس کو بہت ہی تحفظ اور نظریاتی طور پر یہ سخت ہے، تاہم انطباق کی صورت میں کافی مشکلات ہیں، اس مشکل کے باوجود اگر مستقبل میں یہ ممکن ہو جائے کہ غیر مصدق چیک کافی ضمانات کو اپنے مشتملات میں لالے گا، اس طرح سے کہ یہ مصدق چیک کی صلاحیت سے قریب تر ہو، تو ایسی صورت میں یہ اپنے محتوی کے سبب قبض کے معنی میں ہو سکتا ہے۔

ABM PrintTime

نص (المعیار)(16)

بحرین کی اکاونٹنگ اورآڈیٹنگ کی اسلامی مالیاتی ادارے تجارتی اوراق کے لئے اس شرعی

اسٹینڈرڈ پر اعتماد ظاہر کیا ہے جو مدینہ نبویہ میں منعقدہ اجلاس نمبر (10)، میں طے پایا ہے، یہ اجلاس ۲ تا ۷

ربیع الاول ۱۴۲۴ھ کی مدت میں منعقد تھا۔

(1)-اسٹینڈرڈ کی حدود:

یہ معیار ان تجارتی اوراق پر منبطق ہوتا ہے جو تجارتی اوراق کے لئے جنیف الموحد قانون پر محدود ہو، اور وہ "ہنڈی"، السند الاذنی (پرومزری نوٹ)، اور چیک ہیں، ان کا جو تعامل ہے وہ اس کے دفعات اوراسلامی شریعت کے اصولوں کے عین مطابق ہے۔

مذکورہ تینوں انواع کی عدم پر یہ معیار منطبق نہیں ہوگا۔

(2)- تجارتی اوراق کے لین دین کا حکم:

(1)- تجارتی اوراق کے ساتھ تعامل اور لین دین مذکورہ تینوں انواع سے جائز ہے، بس یہ شرط ملحوظ رہے کہ یہ شرعی اصولوں سے نہ ٹکرائے، جیسے سود، اور شرعا ممنوع تاجیل وغیرہ، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل اشیاء میں موجود ہے۔

(2)- "ہنڈ" اورالسند الاذنی کا تعامل جائز نہیں ہے، اس آڈر پر کہ اس قبض والی شرط لگادی جائے، جیسے ان دونوں کو ایکسچینج کنٹریکٹ اورراس السلم کا بدل بنادیا جائے۔

(3)- البتہ "چیک" کا درج ذیل حالات اورانواع سے تعامل جائز ہے:

(ا)- اگر چیک کے مالک کے پاس رصید ہو اور بینک کلائنٹ سے مسحوب ہو، یا کسی اور بینک سے یا اسی اپنی بینک یا اس کی کسی شاخ سے الگ ہو۔

ABM PrintTime

(ب)- "چیک" جس کے مالک کے پاس رصید نہ ہو، اور وہ کلائنٹ بینک سے الگ تھلگ ہو جائے، یا کسی اور بینک سے متعلق ہو یا اسی اپنی بینک ہی سے ہو یا اس کی کسی بھی شاخ سے ہو، بس اتنی شرط ہو کہ اس میں وورڈرافٹ کے نام پر کسی طرح کی سودی آمیزش نہ ہو۔

(ت)- مسیطر چیک اس پر بینک مسحوب علیہ پر کچھ شروط کی بنا ادائیگی کو ضروری قرار دیتا ہے۔

(ث)- اور اگر اکاونٹ میں مقید چیک ہو تو بینک مسحوب علیہ پر اس کی ادائیگی کو لازم کرتی ہے۔

(ج)- جو "چیکس" سیر و تفریح اور مسافرین کے لئے جاری کئے جاتے ہیں اس میں یہ جائز ہے کہ اپنی خدمت کے بسبب جیسے اس کو جاری کرنا، اس میں تصرف کرنا وغیرہ کی وجہ سے کمیشن لے لے، ہاں یہ کمیشن ربوی فائدہ سے نہ جڑا ہو۔

(3)- التظهير:

تظہیر اپنی جمیع انواع میں اگر اس کی شروط اور طئے شدہ ڈیٹا سسٹم سے کے موافق ہو تو اس پر مرتب ہونے والے آثار کو یہ ملزوم ہے۔

(4)- تجارتی اوراق کی وصولی:

تجارتی اوراق کی وصولی ٹرسٹ کے لئے مستفید کی طرف سے وکالۃ سمجھا جائے گا، ٹرسٹ کا اس کو قیمت سونپنا اور موسسہ کا اپنے اور مستفید کے مابین متفق طور پر طئے شدہ اجرت لینا اس کا حق ہو گا۔ ہاں اگر ان دونوں میں کوئی طئے شدہ معاملہ نہ ہو یا تو عام موسسات میں معمول اور عرف میں جو طئے ہو اسی پر اتفاق ہو گا۔

(5)- تجارتی اوراق میں "خصم" کی کٹوتی:

(1)- تجارتی اوراق کے "خصم" میں کٹوتی جائز نہیں ہے، اور یہ جائز ہے کہ مستفید اول جو قرض دیا ہوا ہے، اس کو اس کی قیمت سے کم تر قیمت کی ادائیگی اس کے وقت کے آنے قبل ہو۔ ہاں ادائیگی کی تاریخ سے قبل اس باب میں کوئی اتفاق نہ کیا گیا ہو۔

ABM PrintTime

(2)- تجارتی اوراق کی بیع موجلا یعنی اس کی قیمت کے بقدر جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس مبلغ سے تجاوز ہو جائے جس میں ربا النسیئۃ اور ربا الفضل دونوں ہوں یہ بھی جائز نہیں ہے۔

(3)- مستفید کے حق میں موجل تجارتی اوراق سازی کسی معین سامان کی قیمتا جائز ہے، اس میں سامان پر تقابض کی شرط حقیقی ہو یا حکما ہو حرمان سے موصوف نہیں کیا جائے گا۔

(4)- تجارتی اوراق کے ہولڈر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ سامان کی خریداری ایک مقررہ وقت تک میں کر سکتا ہے (تجاری کاغذ کے مقررہ وقت تک)، پھر اس کے ذمہ قرض ثابت ہو جانے کے بعد تو اس کا ہولڈر اس کو قرض دار کی طرف تحویل کر دے گا، تو اس کا یہ عمل من باب الحوالہ ہو جائے گا۔

(6)- تجارتی اوراق پر قبض:

(1)- چیک کی ادائیگی کی صورت اس کے محتوی کے پیش نظر قبض کا اعتبار ہو گا، چیک اگر بینکنگ ہو یا مصدق چیک ہو یا تصدیق شدہ چیک کے حکم میں ہو تو اس صورت میں کہ چیکس کا ڈرافٹ کرنا بینکوں کے مابین یا بینک اور اس کی شاخوں کے مابین ہو تو تعامل جائز ہے، ان چیک سے تعامل جو جائز ہے وہ تقابض کی شرط پر ہو، جیسے کرنسیوں کا تبادلہ، یا سونے اور چاندی کی خریداری، وغیرہ۔

(2)- اگر مذکورہ تفصیل سے خالی ہو اس میں قبض کی شرط پر تعامل جائز نہیں ہے۔

(3)- چیکس کا بینک ٹراسفر ہونے میں تعامل جائز نہیں ہے، اس صورت میں کہ جو مبلغ رقم ٹرانسفر ہو رہی ہے وہ اس نقد کے جنس سے ہو جو ادا کی جانے والی ہے، اگر اسی جنس سے نہیں ہے تو دو کرنسیوں کے درمیان تبادلے کا اجرائے عمل ممکنہ قبض پر ضروری ہو جاتا ہے، پھر اس کی تحویل کی جائے گی۔

(7)- تجارتی اوراق کی قیمت کی تکمیل کا قبول کرنا:

ABM PrintTime

(1)- تجارتی اوراق کی قیمت کی تکمیل کو قبول کرنا مسحوب علیہ کی طرف سے قرض کی ادائیگی کے لئے ایک حلف نامہ ہے، جو تجارتی اوراق کے ہولڈر کو اس کی ادائیگی کے وقت مقرر کی نمائندگی کرتا ہے، اور اس تعہد کی وجہ سے شرعا اس کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔

(2)- تجارتی ورق پر توقیع کرنے والے سارے ہی افراد جیسے ساحب، مظہر، کفیل سب اپنے طئے شدہ قیمت کی ادائیگی کے ملتزم مانے جائیں گے۔ اور یہ سب مسحوب علیہ کے مطالبہ پر انفرادی طور سے یا اجتماعا اس طرف رجوع کرنے یا اس کی ادائیگی سے تنازل میں رجوع کا حق رکھتے ہیں۔

(3)- اگر عینی ضمانتیں جس کو تجارتی اوراق کا حامل اس کی ادائیگی کی ضمان کی تاکید اشرط رکھتا ہے، اس میں یہ طرز عمل رھن مانا جائے گا، یوں اس پر وہ سارے مسائل مرتب ہوں گے جو رھن کے احکام پر ہوتے ہیں۔

(8)-اس معیار کے جاری ہونے کی تاریخ:

ضروری ہے کہ اس معیار کے لاگو ہونے کو امحرم ۱۴۲۵ھ یا اجنوری ۲۰۰۴م سے جوڑا جائے۔

ABM PrintTime

چوتھی فصل

بیع المرابحۃ للآمر بالشراء

([163])

[163] - دیکھئے: تطویر الأعمال المصرفیة بما یتفق والشریعة الإسلامیة (ص: 476).

ABM PrintTime

اشیاء کی لاگت اور اس کے فروخت سے متعلق گفتگو کرنے سے قبل براہ راست قسطوں پر کی جانے والی بیع پر گفتگو کرنا بہتر ہو گا۔

پہلا مبحث: براہ راست قسطوں پر خریداری:

عربی لغت میں تقسیط کا معنی: ہے جدا جدا کرنا، کسی مجتمع چیز کو جزء جزء بنادینا۔ جب "قسط الشیء" کہا جاتا ہے تو اس کا معنی ہے فلاں نے اس چیز کو الگ الگ اور اس کے اجزاء بنادیا۔ یوں قرض کی ادائیگی کو ایک معینہ وقت میں تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کرنا ہوتا ہے۔([164])

اس بیع کی شکل اس طرح ہوتی ہے:

ایک شخص کچھ سامان کی خریداری کرتا ہے جو ایک قیمتا موخر کر کے ادا کرتا ہے، یا اس کو ایک قیمت طئے کر کے قسطوں میں لوٹاتا ہے، اور خریدا ہوا سامان کی قیمت کو کچھ اضافی نقد پر لوٹاتا ہے، جو کہ تاجیل کے مقابل دیا جاتا ہے۔([165])

اس کی ایک مثال:

ایک کار ہے جس کی قیمت ۵۰ ہزار ریال ہے، ایک شخص اس کی خریداری ثمن موجل پر ایک سال کے لئے ۶۰ ہزار ریال کے عوض کرنا چاہتا ہے۔ یا اس کار کو طئے شدہ وقت پر قسطوں میں اس کا ایک حصہ دیتا ہے، تو یہاں کار کی قیمت تاجیل کے عوض کچھ زائد لی جاتی ہے۔

قسطوں پر بیع کا حکم:

[164] - دیکھئے: لسان العرب لابن منظور، مادة: قسط.

[165] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة، للدكتور وهبة الزحيلي (311- 312).

ABM PrintTime

(1)- پہلا قول: یہ جائز ہے، اوریہی اکثر علماء کا قول ہے([166])، بلکہ یہ قول متفق علیہ اوراس پر اجماع نقل کیا گیاہے، اور جن علماء نے اس پر اجماع نقل کیاہے، ان میں سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی ہیں۔([167])

(2)- دوسرا قول: یہ بیع حرام ہے، اہل ظاہر کا یہی قول ہے([168])، اور معاصر علماء میں جن سے یہ قول زیادہ شہرت پایاہے، وہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ ہیں۔

پہلا قول اوراس کی دلائل: جنہوں نے جواز کی بات کہی ہے۔

(1)- اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾(البقرة: 282)، اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے ایسی شرط نہیں بیان فرمائی ہے کہ قرض کی ادائیگی کے وقت اخذ کرتے وقت جو قیمت تھی وہی قیمت ادا کی جائے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ دین کی ادائیگی میں قیمت کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

(2)- یہ بھی ایک دلیل ہے جو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ جسے امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں لائے ہیں، جس میں یہ مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو لوگ کھجور میں دو اور تین سال تک کے لئے بیع سلم کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت فرمائی کہ " جسے کسی چیز کی بیع سلم کرنی ہے، اسے مقررہ وزن اور مقررہ مدت کے لئے ٹھرا کر کرے "۔([169])، یہاں بھی یہی مسئلہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں ایسی شرط نہیں بیان فرمائی کہ قیمت کی ادئیگی میں اس دن کی قیمت ہی ادا کی جائے۔

---

[166] - دیکھئے: نيل الأوطار (152/5).

[167] - دیکھئے: فتح الباري (ج4/ص: 302)، بدائع الصنائع (187/5)، تبيين الحقائق (78/4)، حاشية ابن عابدين (142/5)، بداية المجتهد (108/2)، بلغة السالك (79/2)، حاشية الزرقاني على متن خليل (176/5)، الوجيز للغزالي (85/1)، المجموع للنووي (6/13)، مغني المحتاج (78/2)، فتاوى ابن تيمية (499/29).

[168] - دیکھئے: المحلى (15/9).

[169] - دیکھئے: صحيح البخاري: كتاب السلم، باب السلم في كيل معلوم (ح 2124).

(3)- عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لشکر تیار کرنے کا حکم دیا کہ صدقہ کی اونٹنیاں آنے تک ادھار لے لیں، چنانچہ وہ صدقہ کے آنے تک دو دو اونٹوں کے بدلے ایک ایک اونٹ حاصل کر لیا کرتے تھے(170)۔تو صدقہ کی اونٹنیاں آنے تک میں قیمت زائد ہوتی چلی گئی تھی۔

(4)- بریرہ رضی اللہ عنہا کا معروف واقعہ جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں لائے ہیں، اس واقعہ میں ہے کہ بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مالکوں سے ۹ اوقیہ چاندی پر مکاتبت کا معاملہ کیا تھا، جسے ہر سال ایک اوقیہ ادا کرنا طئے پایا تھا۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کی اس شرط پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کو باقی رہنے دیا۔(171)

(5)- ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث بھی اس کی دلیل بنتی ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ادھار لیا کہ ایک وقت تک اس کی قیمت ادا کر دی جائے گی، بلکہ آپ نے اپنی درع بھی وہاں گروی رکھدی(172)، اور یہود کا لین دین معروف ہے، کہ وہ ایک چیز ادھار دیں کہ ایک قت مقررہ پر اسے لوٹایا جائے گا، لیکن وہ قیمت اصل پر بڑھا کر ہی لیا کرتے تھے۔

(6)- مزید غور طلب امر یہ بھی ہے کہ اس لین دین میں طرفین بغیر کسی ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے مستفید ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کو فائدہ بھی پہنچاتے ہیں۔بائع نفع اور حصول آمدنی سے تو خریدار ادائیگی میں یسر اور تسہیل و تاخیر سے مستفید ہوتا ہے۔

اگر اس بیع کو ختم کر دیا جائے تو لوگوں کو حرج میں ڈالنے کے مترادف ہوگا، اس لئے بھی کہ ہر کوئی اتنا مستطیع نہیں ہوتا ہے کہ اپنی ساری ضروریات نقدا ہی خریدے۔

دوسرا قول اور اس کی دلیل: جنہوں نے حرمت کا فتوی دیا ہے۔

---

170 - دیکھئے: سنن أبي داؤد: كتاب البيوع، باب في الرخصة في بيع الحيوان بالحيوان نسيئة (ح 3357).

171 - دیکھئے: صحيح البخاري: كتاب العتق، باب استعانة المكاتب وسؤاله الناس (ح 2563). (مترجم)

172 - دیکھئے: صحيح البخاري: كتاب الرهن، باب الرهن على اليهود وغيرهم (ح 2378).

ان حضرات نے ادائیگی میں اضافے کو قرض کے اضافے پر قیاس کیا ہے، جس طرح توجیل میں ادائیگی اضافی رقم سے نہیں ہو سکتی ہے اسی اعتبار سے توجیل کی وجہ سے قیمت میں بھی اضافہ نہیں ہو سکتا ہے۔

راجح قول:

مسئلہ ہذا میں راجح وہی ہے جس پر قدیم وجدید جمہور اہل علم قائم ہیں، وہ جواز کا قول ہے، یعنی براہ راست قسطوں پر خرید وفروخت کرنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

رہا قول ثانی کے قائلین کا قیاس سے استدلال کرنا تو یہ قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ توجیل کی وجہ سے اصل دین پر زیادتی کرنا یہ حرام ہے، اس لئے کہ یہ عین ربا ہے، تقسیط کے لین دین میں قیمت ہی اس اعتبار سے طئے پاتی ہے، سامان کی قیمت ہی جب اس طرح مرتب ہو تو یہ ربا نہیں کہلاتا ہے۔ بائع یہ کہتا ہے کہ: میں اس سامان کو اتنی قیمت میں ہی بیچوں گا کہ اس سے کم میں نہیں اور قیمت طئے ہو جاتی ہے، یہ ربا نہیں کہلاتا ہے۔

لیکن بائع اگر فروخت کرتے وقت یہ کہے کہ اس سامان کو اتنی قیمت میں ہی بیچوں گا، پھر وقت آنے پر توجیل کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کردے، تو یہ ربا ہے اور مطلقاحرام ہے، کیونکہ یہ وہ شکل ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت نبی مبعوث ہو کر حرام قرار دیا، جو عہد جاہلیت میں رائج تھی۔

ہاں جو قسطوں پر فروخت کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ بہت زیادہ قیمت نہ بڑھادیں، اور اپنے مسلم بھائیوں کی ضروریات اوران کی ان کمزوریوں کا فائدہ نہ اٹھائیں، اس لئے کہ یہ عمل شرعاناپسندیدہ ہے، سنن ابوداود کی ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی بیع سے منع فرمایا: «نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ»[173] یہ حدیث اگرچہ کہ سنداضعیف ہے، لیکن شرعی اصول اور مقاصد شرعیہ سے ہم آہنگ اوراس کا متقاضی ہے، اس لئے کہ کسی انسان کا مسلمانوں کی پریشان کن حالات کا فائدہ اٹھانا طمع اور لالچ کی دلیل ہے۔ اس طرح کی اضافی قیمت سے برکت ختم کردی جاتی ہے، جیسے کہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[173] - امام ابوداود رحمہ اللہ نے اس روایت کوبسند ضعیف لائے ہیں، كتاب البيوع، باب في بيع المضطر (ح 3382).

وسلم نے انہیں سے فرمایا:«إنَّ هَذا المَالَ خضرَةٌ حلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهُ بسَخاوة نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فيه، وَمَنْ أَخَذَهُ بإِشْرَاف نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فيه، كَالَّذي يَأْكُلُ وَلاَ يَشْبَعُ»([174])

قسطوں پر فروخت کرنے والوں کے لئے یہ بہتر ہو گا کہ نفع کو مقطوع رکھیں:

مثلا یہ ایسا ہو کہ فروخت کرتے ہوئے کہے کہ میں اس کار کو ۵۰ ہزار ریال میں ایک سال کی مدت کے لئے فروخت کروں گا، اس میں میرا فائدہ ۱۰ ہزار کا ہو گا۔ اس کا فائدہ نسبۃً یعنی تناسبانہ رکھے، جیسے یہ کہنا کہ: میں اس کار کو اتنی قیمت میں بیچ رہا ہوں، اور آمدنی کا تناسب ۱۰ فیصد یا اس سے زیادہ یا کم رہے گا۔ اگرچہ کہ یہ صورت بھی جائز ہے لیکن بعض سلف سے اس کی کراہیت منقول ہے۔

اسی لئے الموفق ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" مرابحۃ یہ ہے کہ، نفع بخش تجارت کی جائے، جس میں تاجر یہ کہے کہ اس میں میرا اصل مال ۱۰۰ ہے اور نفع ۱۰ ہے۔ لیکن یہ کہے کہ ہر دس پر ایک درہم میرا فائدہ ہو گا تو اس شکل کو امام احمد سمیت کئی ایک علمائے سلف نے مکروہ جانا ہے"۔([175])

دوسرا مبحث: بیع المرابحۃ:([176])

مطلب اول: مرابحۃ کی حقیقت اوراس کی بابت فقہی مسائل:

---

[174] - أخرجه البخاري: كتاب الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة (ح1472)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى (ح 2423).

[175] - دیکھئے: المغني (129/4).

[176] - اس تسمیہ کے لئے دیکھئے: تطوير الأعمال المصرفية بما يتفق والشريعة الإسلامية (ص: 476).

ABM Print Time

اس بیع کو "مرابحۃ مرکبہ"([177]) بھی کہتے ہیں، یا "المرابحۃ للواعد بالشراء"([178]) کے نام سے بھی معروف ہے، بلکہ آخر الذکر نام اس طرز لین دین کی توضیح کے لئے زیادہ موزوں ہے۔([179])

اس معاملہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص کچھ معین سامان خریدنا چاہتا ہے، لیکن اس کے پاس خریداری کے لئے رقم نہیں ہوتے، تو یہ شخص اس عسر کی یسر کے لئے کسی بینک، یا ٹرسٹ، یا لوگوں میں سے کسی بھی فرد سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کے لئے اس مطلوب سامان کی خریداری کر لیں، پھر یہ شخص انہیں سے اس سامان کو قسطوں پر خریداری کر لیتا ہے۔([180])

یہ معاملہ کوئی جدید معاملہ نہیں ہے، بس نام جدید ہے، ورنہ لین دین کا یہ معاملہ فقہ اسلامی میں کافی معروف ہے۔([181])

لیکن یہ معاملہ دو حالتوں میں سے کسی حالت سے خالی نہیں رہتا ہے:

پہلی حالت: وہ شخص جو بینک یا کسی ٹرسٹ یا پھر کسی بھی فرد سے معاہدہ کر رہا ہوتا ہے، اس کو چاہئے کہ وہ اس معاہدے کو جس میں اس سامان کی خریداری ان کی وساطت سے کرتا ہے، وہ معاہدہ براہ راست کرے۔

دوسری حالت: اس شخص اور اس بینک، ٹرسٹ، یا کسی بھی فرد سے ہونے والا یہ کنٹریکٹ پہلے سے کیا ہوا نہ ہو، اس چیز کی خریداری میں، اور اس تفصیلی لین دین کا معاملہ پہلے طئے ہو پھر اس پلان پر عمل ہو، ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن، بس اس بینک، یا ٹرسٹ اور کسی اور شخص سے محض ایک وعدہ ہے جو اس سامان کی خریداری کے لئے کیا گیا ہے، جس میں یہ وعدہ کیا جائے کہ یہ شخص ان سے آگے خریداری کرلے گا۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یہ کیا گیا وعدہ نبھانا ہی ہے ایسا نہیں

---

177 - اس تسمیہ کے لئے دیکھئے: المصادر الإسلامية بين النظرية والتطبيق (514).

178 - اس تسمیہ کے لئے دیکھئے: بيع المرابحة للآمر بالشراء في المصارف الإسلامية، بحث الدكتور رفيق المصري، مقدم لمجمع الفقه الإسلامي 1137/2/5، الدليل الشرعي للمرابحة (ص: 10).

179 - دیکھئے: الخدمات الاستثمارية في المصارف وأحكامها في الفقه الإسلامي (382/2).

180 - دیکھئے: المصارف الإسلامية بين النظرية والتطبيق (ص: 514).

181 - دیکھئے: الأم (39/3)، المخارج من الحيل (127)، المبسوط (237/30)، إعلام الموقعين (29/4)، الخدمات الاستثمارية في المصارف وأحكامها في الفقه الإسلامي (383/2).

ABM PrintTime

ہو گا، اس لئے کہ اس میں کوئی عقد نہیں ہے۔ بلکہ مجرد ایک وعدہ ہے جس کا ایفاء لازم نہیں ہے۔ یہ شخص صاف لفظوں میں یہ کہے گا کہ: اگر تم اس سامان کو مطلوبہ معیار کے مطابق خریداری کرلوگے تو میں تم سے وعدہ کرتاہوں کہ میں اس سامان کو تم سے خریدلوں گا۔

مطلب ثانی: مرابحۃ کا حکم:

پہلی حالت کا حکم: حرام ہے، کیونکہ یہ بینک، یاٹرسٹ یاجو بھی فرد اس کے لئے ایسی چیز فروخت کررہے ہیں جو اس کے مالک نہیں ہیں، یاان کے ہاتھ میں وہ نہیں ہے، صحابی رسول حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیاکہ، اے اللہ کے رسول: میرے پاس ایک شخص آتاہے اور چاہتاہے کہ میں بازار سے اس کے لئے ایسی شئ کو فروخت کروں جو میرے پاس ہوتی ہی نہیں ہے، توکیامیں ایساکرسکتاہوں؟ توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»([182])، کہ تم ایسی چیز نہ بیچو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔

پھراس کے علاوہ یہ ربا کے لئے حیلہ سازی کی ایک صورت ہے، قرض پر فائدہ حاصل کرنے کے لئے یہ حیلہ ہے۔

گویا کہ یہ شخص بینک، ٹرسٹ یاکسی فرد سے یہ کہناچاہتاہے کہ تم میرے لئے اس شئ کی قیمت ایک معین فائدے کو رکھ کر اس شئ کی قیمت قرضاعطاکردو۔ لیکن صاف لفظوں میں یہ نہیں کہتاہے بلکہ اس کے لئے یہ حیلہ اختیار کرتاہے، اور تجارت کی یہ شکل پیداکرلیتاہے، تاکہ حرام طریقے سے قرض لے سکے۔

دوسری حالت کا حکم: اہل علم نے اس باب میں اختلاف کیاہے، اس میں دو قول معروف ہیں:

---

182 - أخرجه أبو داؤد: كتاب البيوع والإجارات، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده برقم (35065)، والترمذي: كتاب البيوع، باب كراهية بيع ما ليس عندك، برقم: (1277)، والنسائي: كتاب البيوع، باب ما ليس عند البائع، برقم: (4630)، وابن ماجه: كتاب التجارات، باب النهي عن بيع ما ليس عندك وعن ربح ما لم يضمن. برقم: (2271)، وقال الترمذي: حسن صحيح، والحديث صححه ابن حزم في المحلى (519/8).

پہلا قول: یہ حرام ہے۔کیونکہ اس ربا کے لئے حیلہ سازی ہے، مالکیہ ([183]) کی یہی رائے ہے، اور معاصر علماء میں خصوصیت کے ساتھ جن علماء نے اس قول کی تشہیر کی ہے ان میں سے شیخ محمد ابن العثیمین ([184]) اور شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہا اللہ ہیں۔([185])

دوسرا قول: جواز کا ہے۔ احناف([186])، شوافع([187])، اور حنابلہ([188]) کے ہاں یہ قول ہے، اور سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز([189]) رحمہ اللہ اسی کے قائل تھے، عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی اور عام اہل علم نے اس کے جواز پر دو شرطوں کی بنا فتوی جاری کیا ہے:

---

183 - دیکھئے: المقدمات الممهدات (56/2)، الدسوقي (89/3)، الخرشي (106/5)، بلغة السالك (45/2).

184 - دیکھئے: الخدمات الاستثمارية في المصارف (394/2)، حاشية رقم (2).

185 - شیخ الالبانی رحمہ اللہ تاجیل کے عوض اضافی رقم کو مطلقا حرام قرار دیتے تھے، حتی کہ سامان اگر بائع کی ملکیت ہی میں کیوں نہ ہو۔دیکھئے: السلسلة الصحيحة: (426/5).

186 - دیکھئے: المخارج من الحيل (127)، المبسوط (237/30).

187 - دیکھئے: الأم (39/3).

188 - دیکھئے: إعلام الموقعين (29/4).

189 - شیخ عبد العزیز ابن باز رحمہ اللہ نے اس بیع سے متعلق ایک استفسار پر جواب دیتے ہوئے کہا: "اگر مطلوبہ سامان مقرض کی ملکیت میں نہ ہو یا اس کی ملکیت میں تو ہے لیکن اس کے اجراء سے وہ عاجز ہو تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ خریدار سے کسی طرح کا معاہدہ کرے، بس وہ قیمت کے طئے کرنے پر متفق ہو سکتے ہیں، البتہ بیع کے لئے مطلوبہ سامان کا اس کی ملکیت میں ہونا لازمی ہے"۔ مجلة الجامعة الإسلامية، العدد الأول، السنة الخامسة رجب 1392هـ (ص: 118).

دیکھئے: البنوك الإسلامية بين النظرية والتطبيق للدكتور عبد الله الطيار (ص: 307- 308)، مجلة مجمع الفقه الإسلامي 1599/2/5هـ، بيع المرابحة للأشقر (ص: 66، 52، 13)، فتاوى اللجنة الدائمة (166/13)، الدليل الشرعي للمرابحة (ص: 40)، نيل المآرب (63/3).

ABM PrintTime

پہلی شرط: بائع اور مشتری کے مابین جو ابتدائی معاہدہ ہوتا ہے وہ محض بائع اور مشتری کے ایک وعدہ ہو گا، اوراس وعدہ کی پاسداری لازم نہیں ہوگی، ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس معاہدے کے انجام دینے یا ختم کرنے کا اختیار ہو گا۔([190])

اس شرط کی رو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر آپ خریداری کا وعدہ کرنے کے بعد اوراس معاہدے سے قبل اس سامان کو تلف کر دیں تو اس کا ضامن وہ فرد ہو گا جس سے بیع کی جارہی تھی، یا وہ بینک اور ٹرسٹ ہی اس کے ضامن ہوں گے، اس لئے کہ اس میں ابھی تک کوئی معاہدہ نہیں طئے پایا ہے، بس وعدہ ہوا ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ وعد اور عقد میں نمایاں فرق ہے۔

الوعد: یہ ہے کہ اس میں خریدار اپنی رغبت کا مجرد اظہار کرتا ہے، اور العقد: تو معاملہ کو حتمی بناتا ہے، اس کو پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور عقد میں خریداری لازم ہو جاتی ہے۔

دوسری شرط: بائع اور مشتری کے مابین عقد اسی وقت ہو جب کہ ان مطلوبہ شیء پر ملکیت حاصل ہو جائے، یعنی بینک ، ٹرسٹ اور جو فرد سے اس کا سودا ہونے جارہا ہے ان کے مابین سامان پر مکمل کنٹرول اور ملکیت تامہ ضروری ہے۔([191])

ان دونوں شرطیں یا دونوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو یہ بیع حرام ہو جائے گی، یا یہ کیا جاسکتا ہے کہ سامان کی خریداری سے قبل اتمام عقد کرلے، تو یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں اس شیء کی بیع ہے جس میں ملکیت نہیں ہے، ایک صورت اس کی یہ بھی بنتی ہے کہ بائع اور خریدار کے مابین عقد تو نہیں ہوتا لیکن جس سے وعدہ کیا جاتا ہے، جیسے بینک، کوئی ٹرسٹ یا کوئی بھی فرد وہ اس سامان کی ملکیت سے محروم رہتا ہے۔

---

190 - دیکھئے: بيع المرابحة للأشقر (ص: 11، 55)، نيل المآرب للشيخ عبد الله بن بسام (63/3)، فقه النوازل للدكتور بكر أبو زيد (68/2)، ندوة خطة الاستثمار (ص: 28)، فتاوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء (237/13)، الهيئة الشرعية لشركة الراجحي: قرارات الهيئة (316/1).

191- مذکورہ اس شرط کی شرح اوراس سے متعلق فقہاء کے اقوال کی توضیح اوراس موضوع پر تفصیلی معلومات کے لئے دیکھئے: الخدمات الاستثمارية في المصارف (408/2)

APM Print Time

اور یہ تو بس بیع السلم کی طرز پر ایک دوسرے کے درمیان باہمی سمجھوتہ ہے، جس سے گاہک کا رخ موڑا جاتا ہے۔ اس سے یہ مسئلہ کافی نہیں ہو گا بلکہ سامان کا موجود ہونا لازمی ہے۔

راجح قول:

مذکورہ دونوں اقوال میں سے راجح -واللہ اعلم- وہی ہے جس کی طرف اکثر علماء کا رجحان ہے، مذکورہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو یہ لین دین اور تعامل جائز ہے۔ اس لئے کہ عقود میں اصل اباحت ہے اور اس کا حلال ہونا ہے، ہم اس قاعدے کی رو سے اس تعامل سے کسی کو نہیں روک سکتے، ہاں کوئی واضح دلیل مل جائے تو پھر روکا جاسکتا ہے۔ جواز کے قول میں لوگوں کے لئے تیسیر والی بات ہوتی ہے، کیونکہ ہر انسان کو کوئی مقرض مل جائے ایسا ممکن نہیں ہے۔

ابو سعید الخذری رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ ایک برنی کھجور جو عمدہ اور نفیس قسم کی کھجور ہوتی ہے، لائی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هَكَذَا؟»([192])، کیا خیبر کی تمام کھجور اسی طرح کی ہوتی ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ نہیں اے اللہ کے رسول، ہم تو اسی طرح ایک صاع کھجور اس سے گھٹیا کھجوروں کے دو صاع دے کر خریدتے ہیں۔ اور دو صاع تین صاع کے بدلے لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَوَّهْ أَوَّهْ، عَيْنُ الرِّبَا عَيْنُ الرِّبَا»([193]) توبہ، توبہ، یہ تو بالکل سود ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مشکل سے نکلنے کی راہ بتلاتے ہوئے فرمایا: ایسا نہ کرو، «بِعْ الجَمْعَ -ردی کھجور سے مختلط کر کے- بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا» البتہ گھٹیا کھجور کو پہلے بیچ کر ان پیسوں سے اچھی قسم کی کھجور خرید سکتے ہو"۔([194])

مذکورہ ان احادیث کو رکھ کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ: یہ سود کے لئے حیلہ سازی ہے، اس لئے کہ دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے۔

یعنی دو صاع ردی کھجور کو کچھ دراہم کے عوض بیچنا پھر اس سے ایک صاع اچھی کھجور انہیں دراہم سے خریدنا، اس سے وہی نتیجہ نکلتا ہے جو دو صاع ردی کھجور کے بدلے ایک صاع عمدہ کھجور براہ راست فروخت کرنے سے مستنتج ہوتا ہے، لیکن

---

[192] - أخرجه البخاري في صحيحه: كتاب البيوع، باب إذا أراد بيع تمر بتمر خير منه. برقم: 2201

[193] - دیکھئے: صحيح البخاري: كتاب الوكالة، باب: إذا باع الوكيل شيئا فاسدا، فبيعه مردود. برقم: 2312

[194] - دیکھئے: صحيح البخاري: كتاب البيوع، باب إذا أراد بيع تمر بتمر خير منه. برقم: 2201

اس بیع کی اس واضح صورت کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حل کی یہی صورت بتلائے ہیں، اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرزلین دین کوربوی حیلہ سازی نہیں کہا۔

اگراس عقدپر غور کریں تو اس میں ربوی حیلہ سازی کی حقیقت میں کوئی شکل نظر نہیں آئے گی۔اس لئے کہ اس میں جو وعدہے جو غیر ملزم ہے، اس وعدکے ذریعے مشتری کے سامان کی خریداری سے متعلق مجرداظہار رغبت ہے، اور بائع جو کہ موعودہے وہ اس سامان کی ملکیت اور قبض تام ہونے پر اس سامان کی فروخت کردیتاہے۔

لیکن اس کے مانعین نے کبھی بینکنگ کے نظام میں واقع خلل کی وجہ سے اس پر عدم جواز کی بات کہے ہوں([195])، مگر بینکنگ نظام میں واقع خلل اوراس میں اصول کی عدم انطباق سے مسئلہ مذکورہ کو اصالۃً ہی منع نہیں کیاجائے گا۔

عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی جو موتمر اسلامی انتظامیہ کی زیرسرپرستی میں ہے، اس مجمع کی طرف سے کویت میں منعقدہ پانچواں دورہ جو اوائل جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ قرار دانمبر ۳-۴ میں مذکور ہے کہ:

مجمع الفقہ الاسلامی کا اجلاس جو کویت میں منعقدہ پانچویں کانفرنس بتاریخ ۱-۶ جمادی الاولی سنہ ۱۴۰۹ھ مطابق دیسمبر ۱۹۸۸م کو مذکورہ مسئلہ موصول ہونے کے بعد مجلس کی عاملہ اوراس کے اراکین پر دونوں موضوعات " الوفاء بالوعد" اور بیع المرابحۃ" پیش کرنے، ان کی تحقیق کوسننے، اوراس پر علمی نقاش ہونے کے بعدیہ فیصلہ صادر کیاجارہاہے:

(1)- بیع المرابحہ میں اگر سامان پر ملکیت اور قبض تام ہوجائے توشرعا یہ بیع جائزہے، البتہ بائع کی طرف سے خریدار کووہ چیز مہیاکئے جانے تک تلف کی مسوولیت بائع پرہی ہوگی، اوراس سامان کے رد کی دیگر اسباب جیسے اس میں کسی عیب کا مخفی ہوناوغیرہ، بصورت دیگر بیع صحیح ہے، اور موانع کی کی شیءیہاں موجود نہیں ہے۔

(2)- دوسری بات یہ ہے کہ جو وعدہ دونوں میں سے کسی کی طرف سے بھی کیاجائے انفرادی طورپر دینی نقطہء نظر سے اس کا ایفاءضروری ہے، اس کو پوراکرنالازمی ہے، ہاں عذر شرعی ہوتووہ معذورہے۔اس کالازمی تقاضایہ ہے کہ یاتووہ وعدہ پوراکرے، یااس عدم ایفاء کے نتیجے میں واقع ہونے والے ضرر کی بھرپائی کردے۔

(3)- آپسی معاہدہ جو طرفین کی جانب سے کیاجاتاہے، بیع المرابحۃ میں دونوں کی طرف سے یاکسی ایک جانب سے بھی اختیارباقی رہتاہے، اگر اختیارنہ ہوتویہ بیع جائز نہیں ہوگی، اس لئے کہ آپسی معاہدہ جواس کے ایفاء کولازمی قراردیتاہے، یہ

[195] - دیکھئے: الدليل الشرعي للمرابحة (ص: 75).

ABM Print Time

اپنے اس عمل میں بیع کی مشابہت کرتا ہے، اس اعتبار سے کہ بائع کا سامان پر حق ملکیت ضروری ہے، تاکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہ ہو، کیونکہ اس شیء کی تجارت جائز نہیں ہے جس کا وہ مالک نہ ہو۔

ABM PrintTime

پانچویں فصل

تورق مصرفی [196]

تورق سے متعلق تفصیل بتلانے سے قبل تورق اور عینہ سے متعلق جائزہ لینا بہتر ہو گا۔

196 - دیکھئے: تطوير الأعمال المصرفية بما يتفق والشريعة الإسلامية (ص: 476).

ABM Print Time

عربی زبان میں تورق "الورق" سے ہے، ابن فارس رحمہ اللہ کہتے ہیں: الورق، کے معنی ہے "مال و دولت" اور روپیوں کے آتے ہیں۔ درخت کے پتوں "ورق" سے لیا گیا ہے، اور جب درخت سے جب پتہ جھڑ جائے اور اس سے جدا ہو جائے تو مضمحل ہو جاتا ہے، جس طرح سے ایک شخص فقر وفاقہ کی وجہ سے نڈھال ہو جاتا ہے۔(197)

"الورق" راء کے کسرے کے ساتھ ہو تو اس کے معنی چاندی کے آتے ہیں، قطع نظر اس کے یہ چاندی اپنی اصل پر ہو یا کسی سانچے میں ڈھلا ہوا ہو(198)۔ رب العلمین حاکی ہے کہ: ﴿وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا﴾(الكهف: 19)

"التورق" کا لغوی معنی ہوتا ہے، چاندی یا درہم یا پھر مال کا طلب کرنا۔

"التورق" کا اصطلاحی معنی "تورق" کے لفظ کے ساتھ فقہ حنبلی کی کتب میں مذکور ہے، ان کے ہاں اس کی مراد یہ ہے کہ:

"اصطلاح میں تورق کا معنی ہے کہ آدمی کوئی چیز ادھار خریدے پھر بیچنے والے کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس قیمت خرید سے کم قیمت پر فروخت کر دے تاکہ اس طریقے سے نقد رقم حاصل کر سکے"۔(199)

البہوتی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر کوئی شخص نقدی کے حاجت مند ہو، اور ۱۵۰ روپئے والی کوئی شیء ۱۰۰ میں خرید لیتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ ایک مدلل مسئلہ ہے، یہ مسئلہ کو "التورق" سے جانا جاتا ہے۔ اور یہ "الورق" سے ہے، یعنی چاندی، اس سے سامان خریدے جاتے ہیں، اور اسی کے عوض بیچے جاتے ہیں۔(200)

فنانسنگ کا یہ معاملہ کتب شافعیہ میں بھی لفظ "الزرنقہ" سے موجود ہے، "التورق" کا لفظ نہیں ہے۔(201)

---

197 - دیکھئے: معجم مقاييس اللغة، لابن فارس (101/6)، أساس البلاغة (ص: 496).

198 - دیکھئے: المعجم الوسيط، مادة ورق، (ص: 1068)، مجمع اللغة العربية القاهرة.

199 - دیکھئے: الإنصاف (195/11)، مطالب أولي النهى (61/3).

200 - دیکھئے: كشف القناع (ج3/ ص: 189)، وشرح منتهى الإرادات (158/2).

201 - دیکھئے: الزاهر لأبي منصور الأزهري (ص: 216).

ABM Print Time

البتہ دیگر فقہاء نے بھی اس موضوع سے متعارف کروایاہے، بیع العینہ یا بیع الآجال کے ضمن میں اس پر بھی گفتگو فرمائے ہیں، اس کا شرعی حکم کیاہے اس کی راہنمائی فرمائے ہیں، ہاں اس بیع سے متعلق کسی خاص لفظ کا خیال نہیں رکھا گیاہے۔

ماضی میں اس بیع کو کوئی ایک نام سے موسوم کیاجاتا رہاہے، اور عہد حاضر میں بھی اس کی ایک سے زائد نام ہیں۔ شوافع نے تورق کو "الزرنقہ" کانام دیاہے۔

ابو منصور الازہری کہتے ہیں: "الزرنقہ" یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی سامان ادھار خریدے کہ ایک وقت مقررہ میں اسے واپس کردے گا، اور اسی شیء کو قیمت کچھ کم کرکے کسی دوسرے کو بیچ دے۔([202])

مملکت عربیہ سعودیہ میں کچھ لوگ اس بیع اور اس طرز کے لین دین یعنی "التورق" کے لئے "الوعدة" کا لفظ بھی استعمال کیاجاتاہے، لوگ سامان کی خریداری میں اس نوع کی تجارت کالحاظ کرتے ہیں، جیسے تجار کے پاس چینی کی ادھار خریداری کرتے ہیں اس شرط پر کہ وہ اس کی قیمت ایک طئے شدہ وقت پر لوٹادیں گے۔ یہی قرضدار اس چینی کو دوسرے تاجر حضرات کے پاس جاکر نقدا اس کی بیع کرتے ہیں، تاکہ اس ضمن میں انہیں کچھ نقد ہاتھ آجائیں۔

تجارت کی اس نوع کو "التورق" کانام دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک قرض دار قرض دینے والے کو یہ خبر دیدے تاہے کہ وہ اس سامان کو کسی اور شخص کو بیچ کرہی رہے گا، اس فروخت شدہ چیز کے بدلے کچھ نقدی حاصل کرے گا تاکہ اس سے لیاہوا ادھار سے چھٹکارا حاصل ہوجاۓ، یوں یہ قرضدار دائن سے کہے گا: میں اس سامان کو کسی بھی صورت میں فروخت کرنے کا عہد کرتاہوں۔([203])

مملکت عربیہ سعودیہ میں اس بیع کو کچھ لوگ " الدینہ " کانام دیتے ہیں، اس طرح سے لوگ تاجروں سے سامان کی خریداری کرتے ہیں کہ اس کی رقم موجل اداکریں گے، اور اسی سامان کو دیگر تجار سے بیع وشراء کرتے ہیں، تاکہ انہیں اس سامان کی قیمت مل جائے اور اس نقد سے ان کا ادھار بھی پورا ہوجائے۔

---

[202] - دیکھئے: الزاهر في غريب ألفاظ الشافعي، للأزهري (ص: 216).

[203] - دیکھئے: فتاوى ورسائل سماحة الشيخ محمد بن إبراهيم بن عبد اللطيف آل الشيخ (ص: 11).

اس بیع سے متعلق شیخ محمد بن ابراہیم بن عبد اللطیف آل الشیخ رحمہ اللہ سے فتوی طلب کیا گیا تھا، تو آپ نے جواب میں فقہ حنبلی میں مشہور موقف یعنی جواز کا فتوی صادر فرمایا۔

اس بیع کو "التورق" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سامان کی قیمت پہلے خریدار سے جڑی رہتی ہے([204])، اور یہ قیمت اسی کی مسوولیت میں ہوتی ہے، اوراس پہلے خریدار کی یہ صورت اس لئے کہ وہ اس ادھار سامان کی بیع میں نقد کے حصول کا متمنی ہوتا ہے۔([205])

اب یہاں ہم بیع العینہ اوراسی کے ساتھ التورق و بیع العینہ سے متعلق کلام اور فرق واضح کریں گے۔

العینہ: عین سے مشتق ہے، اور عین کہتے ہیں: موجود نقد کو، جیسے کہ ابو منصورالازہری نے کہاہے۔ اس نوع کو بیع العینہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دونوں طرف سے جو خرید وفروخت کر رہے ہیں وہ سامان پر اصل نہیں ہے بلکہ اصل نقد پر ہے اسی لیے اس کو بیع العینہ کہتے ہیں۔([206])

اس بیع کی شکل:

کوئی شخص سامان کو ادھار بیچے کہ اس کی ادائیگی ایک وقت مقررہ پر ہو جانے چاہئے، پھر اسی سامان کو اس خریدار سے کم قیمت میں حاصل کرلے، یعنی جتنی قیمت ادھار پر طئے ہوئی تھی اس سے کم قیمت میں اس کو لے لے۔ مثال کے طور پر کسی نے ایک کار ۵۰۰۰۰ ہزار ریال کے عوض فروخت کیا پھر اسی کار کو اسی سے ۴۰۰۰۰ ہزار ریال پر، یعنی نقد اخرید لے، اسی شکل کو بیع العینہ کہتے ہیں۔([207])

اس بیع کا حکم شرعی:

---

204 - دیکھئے: فتاوى ورسائل سماحة الشيخ محمد بن إبراهيم بن عبد اللطيف آل الشيخ (ص: 1).

205 - دیکھئے: موسوعة القضايا الفقهية المعاصرة والاقتصاد الإسلامي للدكتور على السالوس (ص: 9،3)، الموسوعة الفقهية الكويتية (147/14).

206 - دیکھئے: المصباح المنير (ص: 167)، المغرب (ص: 335)، طلبة الطلبة (ص: 112).

207 - دیکھئے: فتح القدير (323/6)، مواهب الجليل (404/4)، حواشي الشرواني (322/4)، شرح المنتهى (158/2).

ABM PrintTime

اس طرح کی بیع شرعا حرام ہے، کیونکہ اس میں سود خوری کے لئے حیلہ سازی کی جاتی ہے([208])، یہ نوع سود کی اس نوع سے عین مشابہ ہے جس میں کچھ دراہم کو جو اس حال میں دئے جارہے ہیں اس کو دیگر دراہم کے بدلے موجل حاصل کئے جاتے ہیں۔

ابھی اوپر جو مثال دی گئی ہے اس میں یہی امر قابل غور ہے کہ ایک شخص کا ۵۰۰۰۰ ہزار ریال کے بدلے کے اس کو ادائیگی موجل ہوگی اور بیچ دیتا ہے، پھر اسی کار کو اسی سے ۴۰۰۰۰ ہزار ریال کے عوض نقد واپس خرید لیتا ہے، اس میں ربوی آمیزش اس کار کی مخصوص شکل میں بیع سے ہوتی ہے۔

اسی لئے ابو العباس ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید ابن القیم رحمہا اللہ نے حدیث میں مذکور جو نہی وارد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: «نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ»([209]) یعنی دو عقد ایک بیع میں جائز نہیں ہے، اس صورت کو مذکورہ دونوں علماء نے بیع العینہ ہی قرار دیا ہے، اور اسی کو راجح مانا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نہی سے یعنی ایک بیع میں دو شرطیں مقرر کرنا سے مقصود یہ حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے، جس میں ہے کہ: «لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ، وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ----»([210]) اس سے مراد بیع العینہ ہی ہے۔([211])

---

[208] - دیکھئے: فتح القدير (323/6)، العناية (323/6)، البحر الرائق (256/6)، المقدمات الممهدات (39/2)، مواهب الجليل (406/4)، بلغة السالك(41/2)، المغني (261/6)، الإنصاف (192/11)، شرح المنتهى (158/2)، اوردیکھئے: تكملة المجموع (157/10)، المنثور في القواعد (262/2)، المحلى (47/9).

[209] - أخرجه مالك، باب النهي عن بيعتين في بيعة (1362)، أبو داؤد، باب فيمن باع بيعتين في بيعة (3463)، النسائي، باب بيعتين في بيعة وهو أن يقول: أبيعك هذه السلعة بمئة درهم نقدا وبمئتي درهم نسيئة (4649)، أحمد في مسند أبي هريرة (9834)، وصححه الترمذي وابن حبان، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (85/4)، رجال أحمد رجال الصحيح.

[210] - أخرجه أحمد، مسند عبد الله بن عمرو (6831)، أبو داؤد، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده (3506)، النسائي، باب بيع ما ليس عند البائع، (4628)، الترمذي، باب ما جاء في كراهة بيع ما ليس عندك (1279).

[211] - دیکھئے: إقامة الدليل على إبطال التحليل (51/6)، إعلام الموقعين (162/3)، تهذيب سنن أبي داؤد (151/2).

اور بیع العینہ کی تحریم پر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارکہ دلالت کرتی ہے، جس میں ہے کہ: «إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ»([212])

بیع العینہ چونکہ ربا کے لئے ایک حیلہ اور ایک موثر سبب ہے، حقیقت میں یہ نوع نقد حاضر سے بیع الموجل کو ان کے درمیان سامان کے ادخال سے مباح بنا دیتا ہے۔ اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: "أرى مئة بخمسين وبينهما حريرة"۔([213])

پہلا مبحث: بینکنگ تورق کی حقیقت:

بینک میں رائج تورق نے اس قدر وسعت اختیار کر لی ہے کہ زمانہ ء قدیم سے فقہاء کے ہاں تورق کا جو معنی اور تصور تھا وہ کوئی اور ہی شکل اختیار کر چکا ہے، فی الحال " الورق المصرفی المنظم " کے نام سے معروف ہے، رابطہء عالم اسلامی کے زیر سرپرستی چلنے والی فقہ اکیڈمی نے اس جدید صورت کے بارے میں یہ رائے قائم کی ہے:

بینکنگ کا جو عام ورک ہے اس سے یہی بات واضح ہوتی ہے، اور یہی مرتب شیء ہے کہ یہ ایک اشیاء کی فروخت ہے، یعنی عالمی تجارتی منڈی یا اس کے علاوہ سے مکمل بیع ہے، (اس میں سونے اور چاندی کی بیع نہیں ہے)، جو مستورق ہے اس کو قیمت موجل ادا کرنی پڑتی ہے، اور بینک پر یہ لازم ہے کہ وہ اس سامان کے فروخت میں اس کی نیابت (اس تجارت کو یا

---

212 - أخرجه أبي داؤد: كتاب البيوع والإجارت، باب في النهي عن العينة (3462)، والبيهقي (316/5)، وطرقه لا تخلو من مقال إلا أن بعضها يقوي بعضا، ابن القيم إعلام الموقعين (178/3)، وابن القطان نصب الراية (17/4)، وقال ابن حجر في بلوغ المرام (ص: 177): رواه أبو داؤد من رواية نافع عنه، وفي إسناده مقال، ولأحمد نحوه من رواية عطاء، ورجاله ثقات. ينظر: نيل الأوطار (298/6)، السلسلة الصحيحة (16/1).

213 - دیکھئے: المحلى (48/9)، إعلام الموقعين (178/3).

ABM Print Time

عقد ایا عرف اور عادۃ جو رائج ہے اسی کے مطابق تعامل کرے)، کرے اور کسی اور شخص یا خریدار کو فی الحال ہی ادا کی جانے والی رقم سے بیچ دے، اور اس کی قیمت مستورق کو سونپ دے۔

مذکرہ شکل کی مزید توضیح کے لئے اس کے مفہوم یہ ہے کہ یہ ایک کسٹمر بینک آکر کچھ نقدی رقم کے حصول کی آرزو کرتا ہے اور اپنی رغبت بتلاتا ہے، اور بینک اس عمیل کو کچھ سامان مہیا کرتی ہے جو اس کی ملکیت میں ہوتی ہے، پھر اس کو ثمن موجل پر فروخت کرتی ہے، پھر یہی عمیل اس سامان کی فروخت میں کسی تیسرے کو بذریعے بینک اس کو بیچ دیتا ہے، تاکہ اس کے ذریعے سے اس کو کچھ نقد ہاتھ آجائے کیونکہ اسی میں اس کی رغبت تھی۔ اور بینک میں اس کا جو عقد تھا اس کے ذمہ اس سے زیادہ کی ادائیگی رہتی ہے، بلکہ اس عمیل کا ان تجارتی کاغذات پر دستخط کرکے بینک کے حوالے کرتے ہی اس کے نام چند گھنٹوں میں ہی رصید جاری ہو جاتی ہے جس کے لئے نقد احصول میں وہ کوشاں تھا، بلکہ اس کے ذمہ اس سے بھی زیادہ قائم ہو جاتا ہے۔

مذکورہ گفتگو کے بعد یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ فردی تورق اور بینکنگ تورق میں اساسی فرق ہے، اس کے اعتبار سے حکم بھی بدل جاتا ہے، ان فروق کا خلاصہ درج ذیل ہے:[214]

(1)- فردی تورق بس معمولی سی کاروائی پر مکمل ہو جاتا ہے، اس میں ایک شخص اپنی حاجت کو بینک میں رکھتا ہے، اور بازار میں رائج کچھ سامان کی بیع کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

بینکنگ تورق تو مکمل ایک نظام ہے، ترتیب شدہ ہے، اس کی کئی ایک متعین کاروائیاں ہیں جنہیں انجام دینا ہوتا ہے، اور کئی ایک معاہدے ہیں جنہیں نبھانا پڑتا ہے، اس میں کی جانے والی کاروائیاں اور اس میں موجود وثائق اور ٹھوس قانونی اعمال کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر بازار میں موجود اور رائج سامان کی بیع ہی اصل ہوتی ہے۔

---

[214] - دیکھئے: التورق والتورق المنظم للدكتور سامي السويلم (ص: 3)، الورق المنظم كما تجريه المصارف الإسلامية للدكتور محمد البناء (ص: 23- 27).

(2)- فردی تورق میں مستورق ہی سامان خرید تاہے اور وہی اس کو بیچتا بھی ہے، بائع مطلق طور پر اس میں کسی طرح کا شریک نہیں ہوتا کہ اس کی وہ بیع کرے، اور جس مستورق سے جس نے خریدا ہے اس سے خریداری کا بھی وہ مکلف نہیں ہوتا ہے۔

لیکن بینکنگ تورق میں بائع جو کہ بینک یا کوئی ٹرسٹ ہے وہی بائع ہے، جو ایک مناسب قیمت پر مستورق کی خریداری کے بعد اس کی توکیل پر بیع کرتی ہے۔

(3)- فردی تورق میں مستورق ہی سامان کو بیچ کر حاصل ہونے والی رقم کا مالک ہوتا ہے، پہلے بائع کا اس سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ بینکنگ تورق میں بائع یعنی بینک ہی مستورق کو یہ نقد تسلیم کرتی ہے، اور مستورق کو موجلا کچھ زیادہ رقم کی ادائیگی بھی کرتی ہے۔

(4)- فردی تورق میں مشتری کا جو ہدف ہوتا ہے اس سے میں بائع سے متعلق کوئی شیء نہیں ہوتی، جب کہ بینکنگ تورق میں طرفین کے مابین پہلے ہی سے باہم تفاہم ہوتا ہے اس بیع میں جس میں خریداری موجل ہوتی ہے اس میں تو بس یہی ہدف ہے کہ اس بیع کے ذریعے کچھ نقد ابھی مل جائیں۔

(5)- بنکینگ تورق میں پہلے سے ہی لکھائی پڑھائی اور بنیادی شروط پر پہلے سے اتفاق کا ہونا ضروری ہے، جب کہ فردی تورق میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(6)- فردی تورق کے تین پہلو ہیں:

ایک مستورق، دوسرا سامان کا فروخت کرنے والا، اور تیسرا مستورق سے دوجدا جدا مکمل معاہدے کے تحت خریدار۔ جب کہ بینکنگ تورق میں اس کاروائی میں چار لوگ ہوتے ہیں۔

ایک بینک ، دوسرا کسٹمر جو طالب تورق ہوتا ہے، اور تیسرا سامان کا اصل بائع، اور چوتھا اس کو خریداری کرنے والا آخری فرد۔

ABM PrintTime

بینک کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ابتداء میں سامان کی ملکیت سی خالی رہتی ہے، وہ بس کسی کسٹمر سے اس کے طلب پر مستورق سے خریدتی ہے۔ پھر اس کو ثمن موجل پر فروخت کرتی ہے، پھر اس چوتھے فرد کو دوسری مرتبہ بطور بائع یہ کام انجام دیتی ہے، خریداری کی رقم سے کافی کم رقم کے بدلے اس کو حاصل کرتی ہے، یوں اس میں الگ الگ تین عقد ہو جاتے ہیں۔

دوسرا مبحث: بینکنگ تورق کا حکم:

تورق سے متعلق جمہور اہل علم نے جواز ہی کا فتویٰ دیا ہے۔ (215)

خرید و فروخت کے مباح پر دلالت کرنے والی عمومی دلائل سے استدلال کیا گیا ہے، انہیں دلائل میں سے، رب العلمین کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِبَا﴾(البقرة: 275)

اس کی حرمت پر نہ قرآن میں کوئی آیت ہے، اور نہ ہی حدیث صحیح سے اس پر صراحۃ کوئی نص موجود ہے، جب کہ اللہ تعالی نے فرمایا:﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم ما حَرَّمَ عَلَيْكُم﴾(الأنعام: 119)

رابطہ عالم اسلامی کے تحت چلنی والی فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے ۱۴۱۹ھ میں منعقد پانچویں دورے کے قرار نمبر ۵ میں فیصلہ صادر کیا گیا تھا، جس میں یہ مذکور ہے کہ:

---

215 - دیکھئے: الزاهر في غريب ألفاظ الشافعي للأزهري (ص: 216)، اس میں انہوں نے اس جواز کے قول کو تمام فقہاء کی طرف منسوب کر دیا ہے، اگرچہ کہ تمام فقہاء کی طرف نسبت اور اس عموم کو تسلیم نہیں کیا جائے گا، تاہم اس قول سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ جمہور اہم علم کا یہی رجحان ہے۔ دیکھئے: الزاهر (1) حاشية ابن عابدين (ج7، ص: 655)، القوانين الفقهية لابن جزي (ص: 277)، الأم (69/3)، موسوعة القضايا الفقهية المعاصرة والاقتصاد الإسلامي للدكتور على السالوس (ص: 903).

ABM PrintTime

الحمد لله وحده، والسلام على من لا نبي بعده، سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

أما بعد:

مجلس مجمع الفقہ الاسلامی جو رابطہء عالم اسلامی کی زیر سرپرستی میں ہے، مکہ مکرمہ میں منعقدہ اپنے پندرہویں دورے میں جس کی ابتداء ۱۱ رجب ۱۴۱۹ھ موافق ۳۱/۱۰/۱۹۹۸م بروز ہفتہ، کو تورق کی بیع کی شرعیت اور اس کے حکم سے متعلق غائرانہ نظر ڈالی گئی اور اس کا دراسہ کیا گیا۔

اس موضوع پر دلالت کرنے والے دلائل، قواعد شرعیہ اور اہل علم کے اقوال کی روشنی میں تفصیلی دراسہ اور باہم نقاش کے بعد مجلس مجمع الفقہ الاسلامی نے یہ قرارداد پاس کیا ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ "بیع التورق" یہ بائع کی محفوظیت اور اس کی ملکیت سے موجلا سامان کا خریدنا ہے، پھر خریدار اس شیء کو کسی اور بائع پر نقدا فروخت کرتا ہے، تاکہ اس پر اس کو نقد مل جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ: بیع التورق شرعا جائز ہے، اور یہی بات جمہور اہل علم نے کہی ہے، اس لئے کہ بیع میں اصلا اباحت ہے، اللہ تعالی کا یہ فرمان اس پر دلالت کناں ہے: ﴿وأَحلَّ اللَّهُ الْبيع وحرَّم الرِبا﴾(البقرة: 275) اور اس بیع میں کہیں بھی کسی طور پر بھی ربا کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے، مزید یہ بھی ہے کہ اس کی حاجت بھی سخت ہے تاکہ لوگ اس کے ذریعے سے اپنے قرض واپس کرسکتے ہیں، شادی کے اخراجات برداشت کرسکتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی حوائج پورے کئے جاسکتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ: یہ بیع مشروط طور پر جائز ہے، کہ خریدار پر ضروری ہے کہ وہ سامان کو جو پہلے والے سے جس قیمت پر لیا ہے، اس شیء کو جب دوسرے کسی بائع کو فروخت کرے گا تو اسی قیمت میں بیچے، اس کی قیمت میں نہ بیچے، براہ راست ہو یا توسط سے ہو کسی طور پر نہیں ہونا چاہئے۔ اگر اس کی بیع میں یہ صورت واقع ہو جائے تو اس کی یہ بیع بیع العینہ قرار پائے گی۔ اور یہ حرام ہے، اس لئے کہ اس بیع میں ربوی حیلہ سازی ہے جو شرعا حرام ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ: یہ اکیڈمی –جو اس فیصلے کو صادر کر رہی ہے– جمیع مسلمانوں کو اللہ تعالی کی شریعت پر عمل کی وصیت کرتی ہے کہ وہ قرض حسنہ کا معاملہ رکھیں، لوگوں کو اپنے پاک مال سے قرض دیں، اپنے نفس کو مال کی ہوس اور اس کی طمع

سے پاک رکھیں، رب العلمین کی رضا کے لئے کریں، اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے کسی طرح سے بھی احسان جتلانا یا کسی طرح کی بول سے اذیت پہنچانا اس سے اپنے دامن کو پاک رکھیں۔ اس لئے قرض حسنہ میں تعاون علی البر والتقوی اور ایک دوسرے کی ہمدردی کی بہترین شکل ہوتی ہے، اہل اسلام کا آپسی تراحم، ایک دوسرے کی پریشانیوں کو دور کرنا، ضرورتیں پوری کرنا، اور قرض کے ذریعے ان کے بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کرنا، اوراس قرض کے ذریعے سے ان کو امور حرام میں پڑنے سے بچانا، ان سب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے قرض حسنہ پر بہت بہت ثواب رکھا ہے، ان امور اور خصائل حمیدہ پر اللہ تعالی نے بہت ابھارا ہے، اور یہ بھی ہے کہ قرض دار کو چاہئے کہ وقت پر ادائیگی کا خیال رکھے، ٹال مٹول نہ کرے بلکہ جلد از جلد اس کو لوٹا دے۔

وصلى الله على سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه سلم تسليما كثيرا، والحمد لله رب العلمين.([216])

معاییر شرعیہ پر ماموراوراس سے منسلک اراکین کی کمیٹی نے بھی کچھ شرعی اصولوں کے تحت اس کو جائز قرار دئے ہیں، اس کے تیسویں معیار میں یہ بات مذکور ہے کہ: متورق کا کسی ٹسرٹ سے سامان کی خریداری کے سبب خود ہی کسٹمر ہونا ممکن ہے، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے کو کچھ نقد اور آمدنی کے بدلے بیچ دے۔([217])

یہاں اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ تورق کے جواز پر فقہ اکیڈمی اور المعاییر الشرعیہ نے جو بات کہی ہے وہ وہی تورق ہے جو جمہور فقہاء کے ہاں معروف ہے، یعنی تورق فردی۔

رہا مسئلہ تورق مصرفی کا جس سے متعلق کچھ قبل ہی تفصیل گذر چکی ہے، اس کے جواز میں عصر حاضر کے تقریبا فقہاء نے منع ہی کیا ہے حتی کہ جس تورق کی بابت جمہور فقہاء نے جواز کی بات کی ہے اس سے متعلق بھی ان کے ہاں عدم جواز ہی قول فیصل ہے۔ یہ اس بنا پر کہ بینکوں کے اپنے معاملات میں جو غیر معمولی توسع ہے اس میں شرعا حرام امور بھی داخل ہیں۔ نیز رابطہ عالم اسلامی کی زیر نگرانی چلنے والی فقہ اسلامی اکیڈمی نے جہاں فردی تورق کے جواز پر قرارداد پاس کی ہے

---

216 - دیکھئے: قرارات مجمع الفقهي الإسلامي التابع لرابطة العالم الإسلامي (ص: 322- 323)، موسوعة القضايا الفقهية المعاصرة والاقتصاد الإسلامي للدكتور على السالوس (ص: 616).

217 - دیکھئے: المعايير الشرعية (ص: 492).

ABM PrintTime

جس کا مکتوب فیصلہ ابھی ابھی آپ کے علم میں لایا گیا تھا، وہیں اسی فقہ اسلامی اکیڈمی نے مصرفی تورق کے ممنوع ہونے پر ایک اور قرارداد پاس کیا ہے، اور وہ قرار یہ ہے:

الحمد لله وحده، والسلام على رسول الله، وعلى آله وصحبه.

أما بعد:

رابطہء عالم اسلامی کی زیر سرپرستی فقہ اسلامی اکیڈمی کے اپنے سترہویں دورے جو مکہ مکرمہ میں منعقد ہوا ہے، جو دورہ کہ ۱۹-۲۳/۱۰/۱۴۲۴ھ مطابق ۱۳-۱۷/۱۲/۲۰۰۳م کی مدت میں طئے پایا تھا، اس اکیڈمی نے اس اہم موضوع "دورے حاضر میں رائج بینکنگ تورق" پر غور وفکر اور اس پر غائرانہ نظر ڈالی ہے۔

اس موضوع پر مشتمل بحوث کو سننے اور اس سے متعلق نقاش کرنے کے بعد مجلس کے عاملہ پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ جو تورق دور حاضر میں بینکوں میں رائج ہے، اس کا سیدھا سادھا مفہوم یہ ہے کہ: بینک اپنا عام کام کرتا ہے جس سے وہ عالمی سطح کی منڈیوں سے خریداری کرتا ہے (جس میں سونے چاندی کی خرید وفروخت نہیں ہوتی)۔ مستورق پر اس کی قیمت موجل ادا کرنی ہوتی ہے، اور بینک پر یہ لازم ہوتا ہے- یا اس شرط پر کہ وہ معاہدہ کرلے کہ عقد بیع ہوجائے، یا عادۃ جو رائج ہے اسی کا اعتبار کرلے- کہ وہ اس کی طرف سے کسی دوسرے سے بیع وشراء فی الحال ادا کی جانے والی قیمت کی شرط پر نیابت کرے، اور پھر یہ بھی لازم ہے کہ اس کی قیمت مستورق کو سونپ دے۔

اس قضیہ کا پورا دراسہ کرنے کے بعد فقہ اسلامی اکیڈمی نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے:

<u>پہلی بات یہ ہے کہ</u>: تورق جس سے متعلق تمہیدی گفتگو ہوچکی ہے، درج ذیل امور کی وجہ سے جائز نہیں ہے:

۱)- بائع کا کسی دوسرے خریدار کو سامان بیچنے میں تجارتی عقد کی وکالت کا التزام کرنا یا معاملہ کو اس طرح مرتب کرنا کہ وہ بیع العینہ سے مشابہ وہوجائے، جو کہ شرعا حرام ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ یہ اہتمام اور ضروریات چاہے مشروط ہوں کہ صریح الفاظ میں یہ عقد ہو یا عام بازار میں چلنے والا کوئی قاعدہ ہو جو عرفا رائج ہے، اس کی بھی وہی حیثیت ہوگی۔

۲)- اس طرح کے معاملات بہت سارے مواقع پر الجھن کے سبب بن جاتی ہیں، یہ اس وجہ سے کہ شریعت میں عقد کی صحت کے لئے قبض تام لازمہ ہے، جب کہ وہ یہاں مفقود ہے۔

۳)- تیسری بات یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ مانیٹری فنانسنگ کے زائد عطیہ پر قائم ہے، اور بیع وشراء کا بینکنگ اسٹائل میں اس کو مستورق کہتے ہیں، جو اس نظام میں بہت زیادہ نمایاں ہے۔ اس سے بینک کا ہدف اصلی یہ ہوتا ہے کہ جو مالی مدد اس نے کی ہوتی ہے اس سے زیادہ اس کے عود کی فکر ہوتی ہے۔ تورق کا یہ معاملہ فقہاء کے ہاں غیر معروف ہے، اور جو فقہ اکیڈمی کی طرف اس کے اپنے پندرہویں دورے میں ان معاملات کے تیئں جو جواز کا فیصلہ صادر کیا گیا وہ مشروط بھی اور محدد بھی۔۔۔

یہ اس وجہ سے کہ اس میں اور اس کے ماقبل میں کافی فرق ہے جو کہ مفصلا بیان کیا گیا ہے۔

حقیقی تورق یہ ہے کہ اس میں ایک شخص سامان خریدتا ہے اور خریدار کا اس پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے، اس کے تلف کا وہی ضامن ہوتا ہے۔ پھر علی الفور اپنے ضروریات کے پیش نظر اس کو فروخت کردیتا ہے، کبھی اس کے حصول پر اس کا تمکن ہوتا ہے اور کبھی نہیں، اور یہ دونوں طرح کے قیمتیں جو کہ حال میں دی جانے والی ایک قیمت اور ایک وہ جو موجلا دی جاتی ہے، یہ دونوں معاملے بینکنگ نظام میں متداول نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کے ہاں اصل پر زیادہ لینے کا عمومی مسئلہ ہے۔ بینکوں میں رائج بہت سارے واضح معاملات میں یہ متوفر نہیں ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ: یہ فقہ اکیڈمی تمام ہی بینکوں کے مسوولین کو نصیحت کرتی ہے کہ وہ سارے حرام امور ومعاملات سے رب العلمین کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے اپنے دامن کو پاک رکھے، یہ بھی بات ہے کہ مذکورہ فقہ اکیڈمی اسلامک بینکنگ کی غیر معمولی محنتوں کی قدردان ہے کہ ان بینکوں نے امت مسلمہ کو ربوی مصیبت سے بچائے ہیں، یہ اکیڈمی اس بات کی وصیت بھی کرتی ہے وہ لین دین اور تعامل میں شرعا حقیقی شکل کو اختیار کرنا چاہئے اور اسی کا استعمال ہونا چاہئے، خیالی اور مبہم شکلوں سے گریز کرنا چاہئے، کیونکہ اس طرز عمل میں ان کے ہاں اصل پر ازدیاد والی بات ہوتی ہے۔

اسی طرح عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی جو موتمر اسلامی کے نظام کے تحت اور اس سے جڑی ہے اس کی طرف سے بھی ایک قرارداد اور فیصلہ تورق مصرفی سے منع پر جاری کیا گیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

موتمر اسلامی نظام سے منسلک فقہ اسلامی اکیڈمی اپنے انیسویں دورے جو متحدہ عرب امارات میں ا جمادی الاولی سے پانچ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ موافق ۲۶ تا ۳۰ اپریل منعقد ہوا تھا۔

تورق سے متعلق جو بحوث وارد ہوئے ہیں جو اس موضوع سے متعلق مختص ہیں اس سے واقف ہونے کے کہ اس تورق کی حقیقت کیاہے، اس کی انواع (معروف فقہی اور منظم مصرفی) کیاہیں، اوراس موضوع پر تفصیلی گفتگو اور حوار اور مکہ مکرمہ میں موجو د رابطہ ءعالم اسلامی کی زیر نگرانی فقہ اسلامی کی اکیڈمی کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ اس موضوع پر پاس کیا گیا قرارداد قابل غور ہے، صادر کیا گیا فیصلہ یہ ہے:

(1)-تورق کی انواع اوراس کا حکم:

1)- **فقہاء کی اصطلاح میں تورق کا معنی ومفہوم:** کسی شخص کا سامان کی موجلا خریداری کرنا کہ اس کو کسی دوسرے خریدار سے علی الفور حاصل کرنے کی غرض سے بیچ دینا، تاکہ اس شکل سے اس کو کچھ نقد فوری حاصل ہو جائے۔

تورق کی یہ شکل شرعا جائز ہے، بس اس میں اتنا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شرعا بیع وشراء کے اصول وضوابط کا نفاذ ہو جائے، اس سے ٹکراو نہ ہو۔

2)- عصر حاضر میں تورق کا مفہوم: مستورق کا مقامی یا عالمی تجارتی منڈیوں سے سامان کی خریداری کرنا کہ اس کی قیمت موجلا ادا کی جائے گی، اور بائع اس کے فروخت کا مکلف اوراس لین دین کو مرتب کرے گا، یا تو خود بیچے گا یا کسی کو یہ ذمہ داری سونپے گا، یا مستورق اور بائع میں اس معاملے میں باتفاق کوئی صورت نکالے گا، اس کو فروخت کرنا اس صورت میں کہ اس کی قیمت غالبا ما قبل سے کم ہی ہو۔

3)- عکسی تورق: اس کی تفصیل یہ ہے کہ ی نظام بالکل مذکورہ نظام کی ہی طرح ہے، البتہ اس میں مستورق ہی اصل ٹرسٹی ہوتا ہے، اور فنانسر کسٹمر ہوتا ہے۔

<u>(2)- دوسری بات یہ ہے</u> کہ تورق نظمی اور عکسی دونوں بھی جائز نہیں اس لئے کہ اس میں فنانسر اور مستورق کے مابین صراحۃ، ضمنا یا عرف میں موجود اصل پر اتفاق ہوتا ہے، تاکہ فی الحال کی قیمت سے بڑھ کر حیلہ سازی سے کچھ رقم کا حصول ہو جائے۔

اب درج ذیل امور کی وصیت کی جاتی ہے:

ا- اسلامک بینک اور اسلامی مالیاتی اداروں پر ضروری ہے کہ وہ سارا یہ داری اور فنانسنگ امور میں اس سے جڑی ساری کاروائی شرعی نقطہ نظر سے انجام دی جائے۔شرعی اصول کا لحاظ کرتے ہوئے امور حرام سے مکمل اجتناب کیا جائے، اور شرعی ضوابط کی پاسداری ہو، اور مقاصد شرعیہ جو کہ واضح راہنمائی اصول ہیں ان کو پیش نظر رکھے، اور شرعی اصولوں کی روشنی میں اقتصادی فلاح کی روشن اور معنی خیز نتائج کو ہائی لیٹ کریں اور یہ بھی واضح کریں کہ بصورت دیگر کیا کچھ آفات اور پریشان کن نہ تھمنے والے مسائل درپیش ہو سکتے ہیں۔

ب- یہ فقہ اکیڈمی مزید آپ کو قرض حسنہ پر ابھارتی ہے تاکہ محتاج افراد محرمات کے بجائے ان اسلامی اقتصادیات سے اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں۔

بعض معاصر علماء نے اس مشکل اور عسر کا حل شرعی ضوابط کو سامنے رکھ کر بتلایا ہے، کہ اس کے امکانات ہیں، اور شرعی اصولوں کی روشنی میں اس کو زائل کیا جا سکتا ہے، اس رائے کی طرف جو پیش پیش ہیں وہ راجحی ([218]) بینک کی شرعی علوم سے متبحر کمیٹی ہے، (قرار نمبر ۵۰۹)، جو ۲۱/۱/۱۴۲۳ھ، کو صادر کیا گیا، وہ ضوابط یہ ہیں:

(1)- یہ سامان مالی اداروں کی ملکیت میں ہونا چاہئے، اور اس کی وثوق اور اتھارٹی کی کسٹمر کو بیع سے قبل تعیین ہو جانی چاہئے۔

(2)- کمپنی جس شخص کو موجلا سامان فروخت کرتی ہے، اس شخص کے بارے میں ایسا نہ ہو کہ وہی اس سامان کو بحیثیت مالک کے بیچے، تاکہ اس میں بیع العینہ والی مشابہت نہ ہو جائے، کیونکہ یہ صورت عین بیع العینہ کی ہے۔

---

[218] - دیکھئے: قرارات الهيئة الشرعية بمصرف الراجحي (798/2).

(3)-موجلا بیچے جانے والا سامان سونا اور چاندی نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ ان کی آپسی بیع جائز نہیں ہے، اور نہ ہی نقدا قرض موجلا لینا ہی اس میں جائز ہے۔

(4)-اس میں فنانسنگ سے متعلق کسی طور پر بھی ربوی لین دین پر اتفاق یا حیلہ سازی نہیں ہونا چاہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ جو امور حرام جس کو رکھ کر اصحاب القول الاول نے حرام قرار دیا تھا، اگر ان امور اور ضوابط کو پیش نظر رکھیں تو یہ عنصر ختم ہو جاتا ہے، لیکن عملی طور پر ان ضوابط کا کل یا کچھ کا ہی سہی ہونا قدرے مشکل ہے اسی وجہ سے اس میں یہ خلل واقع ہوتا ہے، اس امر میں ایک مستقل کمیٹی کو وجود کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مالیاتی ادارے کتنا اس امر کا لحاظ کرتے ہیں اس کا جائزہ لیا جائے۔

تیسرا مبحث: براہ راست سرمایہ کاری کا حکم:

فنانسنگ بینکنگ میں عمیل ہی آمدنی کا محتاج ہوتا ہے، لیکن اس صورت میں کیا ہو گا جب بینک خود اس کی ضرورت محسوس کرے اور اس کا محتاج ہو جائے۔ اسی کو مقلوب تورق یعنی ریورس آمدنی کہتے ہیں، اور اسی کو ایک مقررہ وقت کے لئے دیا جانے والا ڈپازٹ بھی کہتے ہیں۔۔۔۔، تو بینک اس اپنے اس کلائنٹ کے ذریعے سے اس آمدنی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں، بینک اپنے ورکرس کے ذریعے مقامی یا عالمی سطح کی تجارتی منڈیوں سے حالیا ریٹ پر سامان کی خریداری کراتا ہے اور اس سامان کو کسٹمر بینک کے لئے موجلا قیمت پر بیچ دیتا ہے، اور اس طرح کسٹمر بینک کو سامان کی خریداری کی ذمہ داری سونپ دیتا ہے، اور اس کے عوض اس کی قیمت نقدا حاصل کر لیتا ہے۔ بینک کا کسٹمر سے اس سامان کی خریداری کے بعد کسٹمر خود اس سامان کو بینک پر موجلا لاگو ہونے والی قیمت پر فروخت کر دیتا ہے۔ اس پر ہونے والی آمدنی اور نفع پر ان دونوں کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ بینک کا اس نظام اور اس طرز لین دین کو اپنانے کی ضرورت اس لئے آئی ہے کہ اسی میں اس کی

ABM PrintTime

آمدنی مضمر ہے۔ اوراس صورت میں لوگ اپنا سرمایہ بھی خوب لگاتے ہیں اس لئے بھی کہ انہیں اس سے کافی آمدنی ملتی ہے، بینک اپنے اس نظام سے لوگوں کو اپنا سرمایہ لگانے میں دلچسپی پیدا کراتی ہے۔[219]

ریورس آمدنی کا حکم:

دورے حاضر کے اکثر فقہاء نے اس سے منع کیا ہے، اور ممنوع ہونے کو درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:[220]

(1)- لین دین کا یہ طرز اورانداز بیع العینہ سے مماثل ہے، جو کہ شرعا حرام ہے، اس اعتبار سے کہ اس میں سامان کا فروخت کرنا اصل قصد نہیں ہوتا ہے، یوں یہ شکل اسی امر حرام کی ضمن میں آجاتی ہے، خصوصا اس صورت میں جب بینک خود کسٹمر کو پابند کردے کہ وہ بینک ہی اس سامان کو خریدے اور بینک اس سے موجلا حاصل کرلے۔

(2)- یہ معاملہ بینکنگ فنانس کے نظام کے دائرہ میں آتا ہے، اس معاملہ کی حرمت اور ممنوع ہونے کی جو تعلیل کی گئی ہے ہو بہو اس معاملے میں بھی وہ علتیں موجود ہوتی ہیں۔

(3)- ریورس آمدنی کا یہ معاملہ اسلامک فنڈنگ میں پوشیدہ ہدف سے میل نہیں کھاتا ہے، اوراس سے معارض ہے، جس کے ذریعے سے اقتصاد کے باب میں ارتقاء اور نمو مشکل ہو جاتی ہے۔

اس مسئلے سے متعلق رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت چلنے والی اسلامی فقہ اکیڈمی نے ایک فیصلہ صادر کیا ہے، جسے یہاں ذکر کیا جائے گا:

قرار نمبر: ۱۱۰(۴/۱۹): ڈپوزیٹ کا نعم البدل۔

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده؛ نبينا محمد، وعلى آله وصحبه أما بعد:

اسلامی فقہ اکیڈمی جو رابطہ عالم اسلامی کی زیر نگرانی میں ہے، مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اپنے انیسویں دورے میں جو ۲۲-۲۶/شوال/۱۴۲۸ھ موافق ۳-۷/نومبر/۲۰۰۷م کی مدت میں طئے پایا تھا۔ اس اکیڈمی نے اس اہم موضوع "

---

[219] - دیکھئے: التورق الفقهي وتطبيقاته المصرفية المعاصرة في الفقه الإسلامي للدكتور محمد عثمان شبير (ص: 25)، وما بعدها.

[220] - دیکھئے: قرارات وتوصيات المجمع الفقهي التابع لرابطة العالم الإسلامي في دورته التاسعة عشرة (1428ھ/2007).

ABM PrintTime

ڈپوزیٹ کا متبادل" پر غور و فکر کی ہے۔ یہ معاملہ عصر حاضر کی بینکوں میں بہت سارے ناموں سے رائج ہے، جن میں سے کچھ نام یہ ہیں: ریورس آمدنی، ایک نام ہے: براہ راست سرمایہ کاری، ان جیسے دیگر نام بھی رائج ہیں، جو ابھی ابھی بنائے گئے ہیں، جس کے مزید ناموں کے امکانات ہیں۔

اس پروڈکٹ کی عمومی تصویر جس پر یہ نظام قائم ہے وہ یہ ہے:

(1)- کسٹمر کا بینک کو سامان کی محدود پیمانے پر خریداری کو سونپنا، اور کسٹمر کا بینک کو حالیہ قیمت ادا کرنا۔

(2)- پھر بینک کا خود ہی کسٹمر سے موجلا قیمت پر اس کی خریداری کرنا، اور اس پر حاصل ہونے والی آمدنی پر ان دونوں کا اتفاق ہونا۔

اس موضوع سے متعلق بحوث اور عمومی مناقشات کو سننے کے بعد اسلامی فقہ اکیڈمی نے اس معاملے کی بابت عدم جواز کا فتوی صادر کیا ہے۔ یہ فتوی پیش خدمت ہے:

(1)- یہ طرز تعامل بیع العینہ سے ہم آہنگ ہے جو کہ شرعا محرم ہے، اس اعتبار سے کہ اس میں سامان کی بیع و شراء اصل الاصیل نہیں ہوتی ہے، تو شرعا اس کا بھی حکم وہی ہوگا، بالخصوص اس صورت میں کہ بینک اس میں کسٹمر کو اس سامان کی خریداری پر پابند رکھتی ہے۔

(2)- اس لئے بھی کہ یہ معاملہ بینکنگ فنانس کے امور میں داخل ہو جاتا ہے، اور اس کی حرمت اور ممنوع ہونے کو اسلامی فقہ اکیڈمی کی جانب سے منعقد کیا گیا سترہواں دورے میں قرار جاری کیا گیا ہے، اس کی حرمت اور ممنوع ہونے پر جو علل اور اسباب بتلائے گئے ہیں، وہی اسباب اس میں بھی موجود ہونے کی وجہ سے یہ بھی اسی کی طرح ممنوع ہے۔

(3)- یہ بھی ایک بات ہے کہ بینک کے اس نظام میں وہ ہدف ہی مفقود ہے جو اسلامک فنڈنگ میں ملحوظ ہوتا ہے، یوں اس میں اقتصادی طور سے نمو اور ارتقاء کی شکل بھی مشکل نظر آتی ہے۔

فقہ اسلامی اکیڈمی کی رکن عاملہ اسلامک بینکوں کی طرف سے ہونے والی جدوجہد کے تئیں ان کی خوب خوب پذیرائی کرتی ہے، کہ انہوں نے امت اپنے نظام کے تحت امت مسلمہ پر ربوی آفت کو ختم کر دیا ہے، اور معاملات میں شرعی اصولوں

ABM PrintTime

کو قائم کرنے کی تاکید کرتی ہے، اور یہ بھی کہ امور حرام یا ان امور تک لے جانے والی کوئی بھی شیء کی قریب جانے سے ہی اجتناب کرے، اس سلسلے میں فقہ اسلامی اکیڈمی مزید کچھ نصیحتیں آپ کے سامنے رکھتی ہے:

(1)- اسلامک بینکوں پر لازم ہے کہ وہ ہر طرح سے ان سارے معاملات سے اپنے دامن کو پاک رکھے جو ربوی ہیں، اس کی ہر نوعیت سے اجتناب کرے، اور یہ اجتناب رب العلمین کے اس فرمان کی تابعداری میں کی وجہ سے، کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا ما بَقِيَ مِنَ الرِّبا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾(البقرة: 278)-

(2)- فقہ اسلامی اکیڈمی اس بات کی بھی وصیت کرتی ہے کہ اسلامی اقتصادیات کے اہداف اور مقاصد کے حصول کے لئے فقہی مجامع، اور ایک مستقل علمی ٹیم اس عظیم کام کے لئے ترتیب دی جائے، جو اس اسلامی اقتصادیات جیسے اہم اور نازک موضوع کو بہت طریقے سے عامہ المسلمین کو اس کی تدلیل کی جائے-

(3)- ہر اسلامک ملک کی طرف سے ایک اعلی رکنی کمیٹی کا قیام ہو جو مرکزی بینک کی طرف سے ہو، اور یہ کمیٹی تجارتی بینکوں سے علاحدہ اور جدا ہو، اس کمیٹی میں جید علماء اور امور مالیات میں تجربہ رکھنے والے لوگ ہوں، تاکہ اسلامک بینک سے متعلق ان کی حیثیت مرجع کی ہو، ان سب امور میں اس بات کی وصیت کی جاتی ہے کہ سارے امور اور معاملات شرعی نقطہء نظر سے انجام دئے جائیں-

اللہ تعالی ہی توفیق دینے والا ہے، اور درود ہو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اللہ تعالی کی رحمتیں ہوں آپ کے آل اور اصحاب پر-

اسی طرح عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی نے بھی متحدہ عرب امارات میں منعقدہ اپنے انیسویں دورے میں اس ریورس آمدنی سے متعلق اپنا فیصلہ سنایا ہے:

موتمر اسلامی کے نظام سے جڑی عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی متحدہ عرب امارات میں منعقدہ پروگرام کے انیسویں دورے میں جو بتاریخ ۱ تا ۵ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ موافق ۲۶ تا ۳۰ اپریل ۲۰۰۹م طئے پایا تھا-

ABM PrintTime

تورق کے اس مسئلے سے متعلق جو بحوث ہمیں موصول ہوئے ہیں اس سے، اس کی حقیقت، اوراس کی انواع سے آگاہ ہونے، اوراس موضوع سے متعلق ہوئے علمی مناقشات کو سننے کے بعد، اور مزید اس بابت فقہ اسلامی اکیڈمی جو رابطہ ءعالم اسلامی کے زیر نگرانی ہے، اس کے فیصلوں کو سننے کے بعد، کچھ اہم باتیں جو قابل غور ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(1)-تورق کی انواع اوراس سے جڑے مسائل کے احکام:

پہلی بات یہ ہے: فقہاء کی اصطلاح میں تورق کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص سامان خریدے کہ یہ کہہ کر کے کہ اس کی قیمت ایک معینہ وقت پر ادا کرے گا، تاکہ ایسی صورت میں وہ کسی اور کواس سے کم قیمت پر نقدا فروخت کردے، پہلے والے سے جو قیمت پر لیا تھا اس سے کم قیمت پر تاکہ کسی طور پر اس کو کچھ نقد حاصل ہو جائے۔

تورق کی یہ صورت شرعا جائز ہے، ہاں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ اس لین دین میں امور بیع پر شرعی اصولوں کی تطبیق ہو جائے، اس سے معارض نہ ہو۔

دوسری بات: تورق کا اصطلاحی معنی ومفہوم دور حاضر میں: مستورق کا مقامی یا عالمی اس طرح کی دیگر بازاروں سے سامان کی خریداری کرنا کہ اس کی قیمت ایک مقررہ وقت پر لوٹادی جائے گی، اور بائع اس بیع کی تریب وتنسیق کی ذمہ داری لے لیتا ہے، یا تو از خود اس کو نبھاتا ہے یا کسی اور سے وہ ذمہ داری ادا کروالیتا ہے، یا ان کا آپسی اتفاق سے بھی کوئی صورت نکل جاتی ہے، اور جب دوسروں کو فروخت کرنا ہوتا ہے تو پہلی قیمت سے کم ہی میں یہ طئے پاتا ہے۔

تیسری بات: معکوس تورق، یعنی ریورس ڈپوزیٹ۔ فنانسنگ کا جو منظم طریقہ ءکار ہے یہ ہوبہو وہی ہے، البتہ ٹرسٹی اس میں مستورق ہے، اور فنانسنگ کا کردار کسٹمر کا رہتا ہے۔

(2)-تورق کی مذکورہ دونوں شکلیں ایک ساتھ جائز نہیں ہیں، کیونکہ اس میں فنانسر اور مستورق کے مابین صراحت سے یا عرفا اور عادۃ مخصوص طریقے سے اتفاق ہو جاتا ہے، جس میں یہ طئے ہو جاتا ہے کہ اس کے ذریعے سے بعد میں اضافی رقم اور نقد حاصل کرلیں، کیونکہ یہ ربوی حیلہ ہے جو کہ شرعا حرام ہے۔

فقہ اسلامی اکیڈمی اس بارے میں درج ذیل باتوں کی وصیت کرتی ہے:

ABM PrintTime

1)- تمام اسلامی بینکوں، اور تمام اسلامی مالیاتی اداروں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ وہ اپنے لین دین کے سارے معاملات یعنی فنانسنگ اور سرمایہ کاری میں شرعی طریقے اور اس کے رنگ میں رنگ جائیں۔اورروشن شرعی مقاصد کا خیال کرتے ہوئے ، اوردیگر شرعی اصولوں کا لحاظ اوراس پر عمل کرتے ہوئے تمام کے تمام غیر شرعی صورتوں سے اجتناب کریں،اوراس عمل کے ذریعے سے شرعی نقطہء نظر سے اسلامی اقتصادیات کے مثبت نتائج کو واضح کریں، اوراس کے ترک سے آفات اور مصائب کا لامتناہی سلسلہ سے بھی واقف کرائیں۔

2)- اوراس باب میں قرض حسنہ کا دروازہ کھلا رکھیں، اس کی فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے لوگوں کو امور حرام سے بچائیں،اس کے لئے ایسے ادارے کھولنے کی ضرورت ہے جو اس کی بھرپائی کرسکیں۔

ندوۃ البرکہ نے اس کی حرمت اور ممنوع ہونے کا فتوی جاری کی ہے، حرمت سے متعلق اس کے الفاظ یہ ہیں:

فقہ اسلامی میں عقود کے باب میں اصل یہ ہے کہ اسلامی بینکوں میں مضاربت اور مشارکت کی تطبیق ہو، اس لئے کہ یہی اس باب میں اصل ہے۔توسب سے بہتر طریقہ جو بینک اوراس کے عملاء کے مابین ہوتاہے وہ مضاربت کا ہوتاہے، اگرچہ کہ اس میں آمدنی بینک کے ہی کھاتے میں آتی ہے، اس لئے کہ اس کی حیثیت بائع کی ہوتی ہے، اس تعلق اور علاقہ کو الٹنا جائز نہیں ہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ آمدنی کے حصول میں مشتری بائع ہوجائے، جو دورحاضر میں ریورس آمدنی کا چلن ہے، ہاں اس میں بینک سے یہ یک گونہ معاہدہ رہتاہے، اس میں عمیل کو اس کی محنت کے بدلے آمدنی کا اتنا حصہ تناسبا دے دیا جاتاہے، اس میں تورق کو کسی کے ہاں سونپنے کا اہتمام کیا جاتاہے۔(تورق عکسی، فتوی نمبر ۲۸/۳)([221])

دورحاضر کے بعض اہل علم نے تورق کے اس نوع کو اس شرط پر کہ شرعی اصولوں سے ہم آہنگ ہوجائے تو جائز قرار دئے ہیں۔اوراسی رائے کو راجحی بینک سے جڑی کمیٹی اوراس کے اراکین لئے ہیں،(صادر کیا گیا قرار نمبر ۶۵۱) جو بتاریخ ۲/۱۲/۱۴۲۵ھ ([222]) میں دیا گیاہے، اس میں جو ضوابط پیش کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

---

[221] - دیکھئے: التورق الفقهي وتطبيقاته المصرفية المعاصرة في الفقه الإسلامي للدكتور محمد عثمان شبير (ص: 37)، وما بعدها بحث مقدم لمجمع الفقه الإسلامي الدولي الدورة التاسعة عشرة.

[222] - دیکھئے: قرارات الهيئة الشرعية بمصرف الراجحي (993/2).

1)- پہلی بات یہ ہے کہ اس میں خری کی جانے والی شیء کسٹمر موثوق ذرائع سے اس کی تعیین ہو جانی چاہیے، اور پھر خریدی ہوئی شیء عمیل کے سپرد کردی جائے یہ اس کے حساب خاص میں پوری تفصیلات کے ساتھ کردی جائے، اور تفصیلات کے لئے جو سبب بھی اسی طرح کی چیزوں کے محفوظ کرنے کے لئے خاص ہو، اور یہ ساری کاروائی کسٹمر کی فروخت کرنے سے قبل ہی ہو جائے۔

2)- کمپنی جب گاہک کو کوئی شیء فروخت کرتی ہے تو اسی سے دوبارہ نہ خریدے کیونکہ یہی کمپنی اس شیء پر بحیثیت مالک کے اس کو فروخت کی تھی، اس لئے بھی کہ لین دین کے اس شکل میں بیع العینہ نمایاں ہے۔

3)- اس میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ کمپنی خود کسٹمر سے اس کی اشیاء بیچ نے کی وکالت نہ کرے، خود ہی پر اس کی ذمہ داری نہ لے۔

4)- جن اشیاء کی خرید وفروخت کی جارہی ہے اگر وہ موجلاہوں تواس میں سونے چاندی کا شمار نہیں ہوناچاہئے، کیونکہ اس میں انہیں کا آپسی سودانہیں ہوسکتاہے، اور نہ ربا کی دوسری شکل نسیئۃ سے نقدااس کی بیع ہوسکتی ہے۔

5)- اس پوری تجارت اور تعامل میں ربوی طور سے کسی طرح کا کوئی حیلہ نہیں ہوناچاہئے۔

در حقیقت بات یہ ہے کہ قول اول کے قائلین نے اس باب میں جو شرعا ہونے والے اس میں غلطیاں اور محاذیر ہیں ان کی وجہ سے یہ نوع حرام ہے اور یہی مستند ہے، البتہ مذکورہ پانچ شرطوں کی بناپر یہ حرمت والی بات زائل ہوجاتی ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ اس طرز کے لین دین میں یہ پانچوں شروط کا ایک ساتھ ہونایا اس میں سے کچھ ہی کا سہی موجود ہونا دشوار ہے، یہاں اس کی ضرورت بڑجاتی ہے کہ ایسے ادارے قائم ہوں جو کڑی نگرانی کریں اور ایسامٹریل دیں جس سے ان ضوابط پر عمل کی ایک صورت نظر آجائے۔

چھٹویں فصل

آرڈرس پر ہونے والے معاہدے

ABM PrintTime

(1)-پہلی مبحث: عقد استصناع کی حقیقت اور اس کا حکم:

آغاز:

عقد استصناع جو کہ زمانہ قدیم سے ہی ایک معروف تجارتی طریقہ ہے، البتہ دور حاضر میں انقلابات اور بڑے پیمانے پر مختلف میدانوں میں صنعتی پیش رفت کے سبب اس کی حاجت ابھر کے سامنے آئی ہے، فقہاء نے اپنی اپنی کتابوں میں اس موضوع سے متعلق قلم اٹھایا ہے، جمہور اہل علم نے بیع السلم سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اسی ضمن میں اس کو بھی ذکر کئے ہیں، اور بیع السلم سے متعلق جو شرائط ہیں ان شرائط کو عقد الاستصناع سے مربوط رکھے ہیں۔ اسی بنیاد پر اس کے عدم جواز کی صراحت فرمائے ہیں البتہ بیع السلم کی شرائط اس میں نہ ہوں تو اس طرز لین دین کی صحت بھی بتلائے ہیں۔ بیع السلم سے متعلق جو شرائط ہیں ان میں سے ایک نمایاں شرط یہ ہے: قیمت کو معجل ادا کرنا، یعنی آڈر دینے والا کاریگر کو قیمت معجلا ادا کر دے بصورت دیگر اس کی یہ بیع صحیح نہ ہوگی۔

حنفیہ نے استصناع کو بیع السلم سے ایک مختلف اور جداگانہ بیع تسلیم کیا ہے کہ یہ الگ نوع کی بیع ہے اور اپنے شروط اور احکام میں یہ دیگر سے متمیز ہے۔

استصناع کی تعریف:

استصناع لغۃ یہ ہے کہ: کسی چیز کا بنانا، اور استصنع الشيء، یعنی کسی شیء کے بنانے کا مطالبہ کرنا۔ یوں الصناعة کے معنی ہوئے: کاریگری کا پیشہ، اور اس عمل کو الصنعة کہتے ہیں۔ ([223])

---

[223] - دیکھئے: القاموس المحيط: (ص: 954)، لسان العرب (209/8)، المعرب (ص: 273)، مفردات ألفاظ القرآن الكريم (493)، أساس البلاغة (363)، المصباح المنير (ص: 133).

استصناع اصطلاحی معنی میں یہ ہے کہ ایک انسان کا کسی دوسرے سے اس چیز کا مطالبہ کرنا جو ابھی تیار نہیں کی گئی ہے۔ تاکہ اس طلب سے اس کے لئے محدود صفات کے انطباق کے ساتھ صانع کے پاس موجود میٹیریل کی فراہمی کر کے وہ چیز تیار کر کے معقول قیمت پر دی جائے، اور اس عہد و میثاق اور قرار کو صانع قبول بھی کرلے۔ ([224])

مذکورہ اس تعریف میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ یہ عقد محض اس شراء پر قائم ہے جسے صانع اس کے لئے بنانے جارہا ہے۔ یوں اس تجارت میں مادی و معنوی ہر دو کا تعلق کلی طور پر صانع ہی سے ہے۔

ہاں اگر میٹیریل صانع کے بجائے مستصنع کی طرف سے ہو تو ایسی صورت میں یہ عقد اجارہ کہلائے گا عقد الاستصناع نہ ہو گا۔ مثلاً کوئی شخص ٹیلر سے سلائی کے لئے کپڑا دیتے ہوئے کہے کہ اس کو ایک مقررہ اجرت پر سلائی کردو۔ ظاہر ہے یہ شکل اجارہ کی ہے نہ کہ استصناع کی، البتہ اگر کپڑا ابھی ٹیلر ہی کے پاس ہو تو ایسی صورت میں دونوں کا مکلف ہونے کی وجہ سے اس کو استصناع کہہ سکتے ہیں۔

ان دونوں میں فرق کرنے کے لئے ایک اور مثال پیش نظر ہو کہ ایک شخص نے یہ اگریمنٹ کیا کہ وہ اس کے لئے مخصوص شکل میں ایک گھر تعمیر کیا جائے اور اس کے لوازمات اور میٹیریل بھی اسی حساب میں ہو گا، تو اس اعتبار سے یہ عقد الاستصناع کہلائے گا۔ اور اگر مواد مستصنع کی طرف سے ہو تو یہ شکل اجارہ کی ہے اس کو استصناع نہیں کہہ سکتے۔

استصناع کا حکم: ([225])

---

[224] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 303).

[225] - دیکھئے: المبسوط (183/12)، فتح القدير (243/6)، الاختيار (287/20)، مجمع الأنهر (107/2)، العناية (243/6)، رد المختار (475/7)، بدائع الصنائع (88/6)، البحر الرائق (185/6)، الكفاية (243/6)، الإنصاف (105/11)، نيل المآرب (19/3) ، تبيين الحقائق (123/4)، المسودة (131)، شرح الكوكب المنير (171/3)، عقد الاستصناع. بحث الدكتور علي السالوس، مجلة المجمع الفقهي (279/2/7)، المدونة (69/3)، المقدمات الممهدات (32/2)، مواهب الحليل (536/4)، الأم (134/3)، الحاوي الكبير (66/7)، نهاية المحتاج (72/4)، الفروع (24/4)، كشاف القناع (1395/4).

فقہاء نے اس کے حکم بیان کرنے میں اختلاف کئے ہیں جو کہ دو قول پر مشتمل ہے، جمہور فقہاء نے اس کو منع کیا ہے سوائے اس صورت میں کہ اگر اس میں بیع السلم کی تمام شروط متوفر ہوں، جن میں سے ایک یہ قیمت مجلس العقد میں ہی متعجل ہو- جو کہ راس المال ہے- ایسی صورت میں ان کے ہاں یہ بیع صحیح ہوگی اور بیع سلم شمار ہوگی۔ اسی بیع کو بعض نے السلم في الصناعات سے موسوم کیا ہے۔[226]

حنفیہ سابقہ معنی کو سامنے رکھتے ہوئے استصناع کے جواز کے قائل ہیں، اس طرح سے کہ وہ مستقل ایک عقد ہے جو اپنے مسائل اور احکام کے اعتبار سے بیع السلم سے دگر گوں اور مختلف ہے۔

اس باب میں راجح حنفیہ کا قول ہی ہے، اسی پر زمانہء قدیم سے آج تک اہل اسلام کا عمل بھی رہا ہے۔ اسی کے پیش نظر بعض اہل علم نے کہا: استصناع کے جواز پر یہ اہل اسلام کا عملا اجماع کے برابر ہے۔ اس قول کی تائید میں وہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی طریق سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں لائے ہیں، اس میں ہے کہ رسول

---

226 - استصناع اور اجارہ اور سلم ان تینوں شکلوں کا آپسی فرق یہ ہے کہ:

اجارہ میں اصل منفعت ہی ہے، جب کہ استصناع میں مواد اور عمل یعنی کاریگری دونوں ہوا کرتے ہیں، اجارہ میں کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ مستاجر ایک ردی مواد لاتا ہے پھر اس سے ایک محدود شیء کے بنا کر دینے کا مطالبہ کرتا ہے، جیسے کہ ایک شخص کھلا کپڑا ٹیلر کو سونپتا ہے اور اور سلائی کا کام اس سے کرواتا ہے اور اس پر ایک معلوم اجرت بھی ادا کرتا ہے، جب کہ استصناع میں مواد بھی صانع کا ہوتا ہے، بالکل اسی طرح جس میں معمار کو گھر بنانے کا مطالبہ بھی ہو ساتھ میں مواد بھی اس کا اپنا۔ یہ طرز عمل استصناع کہلاتی ہے۔

استصناع اور بیع السلم میں فرق:

بیع السلم میں جو اور جس چیز سے متعلق عقد طئے ہوتا ہے وہ بس اتنی سی بات ہوتی ہے کہ بائع اس کو فراہم کردے، اس میں اس بات کی شرط نہیں ہوتی ہے کہ وہ اس کی ہی کاریگری ہو۔ اور یہ بھی وقت محدد ہونا چاہئے۔ یہ بھی ہونا ضروری ہے کہ اس کی قیمت پیش گی بائع کے حوالے کر دی جائے۔ رہا مسئلہ استصناع کا اس میں بنیادی شرط اصل اعتبار سے صنعت ہے۔ اس میں اس بات کی شرط نہیں ہے کہ قیمت پیش ادا کی جائے، اور استصناع کئی امور میں بیع السلم سے ہم آہنگ ہے، خصوصا السلم في الصناعات میں۔ یہی وجہ ہے کہ احناف نے استصناع کو بیع السلم کے ضمن میں لائے ہیں، ہاں بیع سلم میں عام ہے اس میں کچھ اشیاء مصنوعات کی قبیل سے ہیں تو کچھ اس کے علاوہ بھی ہے، لیکن استصناع میں صناعت مشروط اور لازمی ہے، اور بیع السلم میں قیمت کا متعجل ہونا ضروری ہے جب کہ استصناع میں اس کی کوئی شرط نہیں ہے۔

دیکھئے: المبسوط: (84/15)، بدائع الصنائع: (84/6)، العناية (243/6)، وفتح القدير (243/3)، تبيين الحقائق (123/4)، الموسوعة الفقهية (326/3).

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سونے کی انگھوٹی بنوائی، آپ نے جس وقت اسے پہنا تو اس کا نگینہ ہتھیلی کی اندر کی طرف کیا ،لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں، آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اللہ تعالی کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: "إني كنت اصطنعته، وإني لا ألبسه"، میں نے سونے کی انگھوٹی بنوائی تھی لیکن میں اب اسے نہیں پہنوں گا۔" پھر آپ نے وہ انگھوٹی پھینک دی، تو لوگوں نے بھی اپنی انگھوٹیاں پھینک دیں۔([227])

اور دور حاضر میں اس کی سخت ضرورت بھی ہونے کی وجہ سے سازوسامان اور دیگر بہت ساری اشیاء استصناع کی طریق پر ہی دی اور لی جاتی ہیں۔ اور اس کے عدم جواز اور منع میں امت مسلمہ کے لئے بہت مشکل اور حرج ہے۔ جب کہ رب العلمین نے فرمایا:﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾(البقرة: 278) ۔اور استصناع کے مباح اور جائز ہونے کا قول شرعی اصول اور قواعد شرعیہ جو بندوں کی بابت تیسیر اور مشقت کے رفع ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان سے متفق نظر آتا ہے۔ بالخصوص اس حالت میں جب کہ اس استصناع کی ممانعت پر کوئی صحیح اور صریح دلیل نہیں ملتی ہے۔

شریعت اسلامیہ نے بیع السلم کو اس کے معدوم ہونے کے باوجود جائز قرار دی ہے، اس لئے کہ اس جانب لوگوں کی حاجت زور پکڑتی دکھائی دیتی ہے تو اس دوسری طرف اس میں موجود غرر اور خداع کا پہلو ہوتے ہوئے بھی اس کے جواز کی صورت میں موصول ہونے والی لامتناہی مصالح اور منافع کے سامنے میں وہ غرر ہیچ نظر آتا ہے یا دکھائی ہی نہیں دیتا ہے۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ نے بیع العرایا جو کہ سوکھے کھجور کی رطب سے بیع ہونے کے باوجود لوگوں کی حاجت کے پیش نظر جائز بتلایا گیا، جب کہ اس میں اصالۃ ممانعت ہی ہے، یہ سب اس وجہ سے کہ اس میں مکلفین پر تیسیر اور رفع حرج والا معاملہ مرتب ہوتا ہے۔ اور استصناع بھی اسی مذکورہ باب سے ہے۔ خصوصا اس میں قابل غور پہلو یہ بھی ہے کہ معاملات میں اصل حل اور مباح ہی ہے یہاں تک اس کی ممانعت اور حرمت پر واضح دلیل نہ مل جائے۔

استصناع کی شروط([228]):

---

[227] - أخرجه البخاري، باب من جعل فص الخاتم في بطن كفه. (خ: 5876)

[228] - دیکھئے: الفقه الإسلامي وأدلته، للدكتور وهبة الزحيلي (633/4)

استصناع کے جواز کا قول راجح ہو جانے کے بعد یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ یہ جوز کچھ شرائط سے مشروط ہے۔

(1)- جس چیز کا آڈر دیا جاتا ہے اس شیئ کی صفات متعین ہو جانا چاہئے، اس حد تک اس کی تعیین ہو جائے کہ اس کے حصول کے وقت میں کسی طرح کا کوئی تنازع نہ ہو۔ اس طرح سے اس کی صفات ہونی ہے کہ اس پر مرتب والی قیمت بھی ان صفات کے پیش نظر متعین ہو جائے۔ مثلا یہ کہ جس چیز کا آڈر دیا گیا ہے اس کی نوعیت، اس کی مطلوبہ اوصاف، وغیرہ، یہ بیع سلم کی صحت پر شروط میں سے ایک شرط ہے، اسی طرح یہ استصناع کی شروط میں سے بھی ہے، کبھی کبھار تو یہ شرط استصناع میں زیادہ ضروری سمجھی جائے گی۔ اس لئے کہ استصناع میں جس چیز کا آڈر دیا جارہا ہے اگر اس کی صفات پر اتفاق نہ ہو تو بہت ممکن ہے کہ طرفین کے مابین کسی طرح کا نزاع ہو جائے۔

(2)- وقت کی تعیین: اور نزاع کے خاتمہ کے لئے اس شرط کا ہونا لازمی ہے۔[229]

عقد استصناع میں قیمت کا جلد ہی ادا کرنا کوئی ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کے حصول تک یا اس کے بعد بھی تعجیل وتاخیر دونوں جائز ہیں، اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کی ادائیگی تقسیط سے ہو، بر خلاف بیع السلم کے جس کی صحت میں اس کی قیمت پیشگی مکمل طور سے ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

ہاں یہ بھی جائز ہے کہ صانع اگر مطلوبہ چیز کی تنفیذ کا التزام کرتا ہے یا اس کی تنفیذ میں تاخیر کرلے تو اس میں شرط جزائی متضمن ہو سکتی ہے، جب کہ یہی شرط مستصنع پر عائد نہیں کی جائے گی۔

اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ: ایک شخص نے یہ اگریمنٹ کرلیا کہ وہ ایک معین قیمت اور مقررہ مدت جو ایک سال سے متجاوز نہ ہو کے دوران اس کے لئے گھر تعمیر کرے، اور اس معمار سے یہ شرط بھی بیان کردی جو اس کے جزائے عمل سے تعلق رکھتی ہے، یعنی اگر وہ اس کی تعمیر میں اپنے مقررہ مدت سے تاخیر کرلیتا ہے تو اس کی یومیہ ۱۰۰ ریال کا خصم یعنی کمی سے اجرت ملے گی۔ ایسی صورت میں کوئی حرج نہیں ہے، بس اتنا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طرفین اس میں رضامندی ظاہر کردیں۔ البتہ اگر کوئی ایسی چیز مانع ہو جائے جیسے بیماری وغیرہ جو اس معمار کی طاقت سے بڑھ کر کے ہو گی تو پھر وہ شرط اس پر لاگو نہیں ہو گی۔

---

[229] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة، للدكتور وهبة الزحيلي، مجلة الأحكام العدلية مادة رقم: (389)

ہاں اگر صانع مستصنع سے یہ شرط رکھے کہ اس تعمیر میں جن چیزوں کی ضرورت اور لوازمات کا ہونا ہے، اس کو اتنے وقت میں پہنچنا ضروری ہے ورنہ اس پر اتنی اضافی رقم ہوگی تو یہ شرط جائز نہیں ہے۔ اس لئے ایسی صورت میں یہ دور جاہلیت میں موجود ربا کی ایک شکل شمار ہوگی۔ یعنی یہ یا تو تم اس کو پورا کرو یا پھر اس کی اضافی رقم ادا کرو جو کہ سود ہے، اور یہ بات اس سے قبل گذر چکی ہے کہ شرط جزائی دیون اور قرض کے علاوہ میں جائز ہے،([230]) واللہ اعلم۔

فقہ اسلامی اکیڈمی جو موتمر اسلامی کے زیر نگرانی ہے اس کی طرف سے ایک فیصلہ جاری کیا گیا ہے، جو عقد الاستصناع کے معاملے میں ہے، جس کا قرار نمبر ۶۵(7/2) ہے۔

مملکت سعودیہ عربیہ کے شہر جدہ میں بتاریخ ۷-۱۲ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ موافق ۹-۱۴ ایار (مایو) 1992، منعقد ہوا تھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وصحبه.

فقہ اسلامی اکیڈمی اپنے ساتویں کانفرنس کے دورے میں جو الاستصناع سے متعلق جو بحوث اکیڈمی کے نام موصول ہوئے اس کو دیکھنے اور اس سے متعلق علمی مناقشات کو سننے کے بعد مزید بندوں کی مصلحت کے پیش نظر شرعی مقاصد اور عقود اور تصرفات کی بابت فقہی قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے لحاظ کیا گیا ہے، قابل غور بات یہ ہے کہ عقد الاستصناع کے طرز تعامل نے کمپنیوں اور حرفت وصناعت کو نشیط رکھنے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے، اور اسلامی اقتصادیات کے پروان چڑھانے میں اور نقد کے تبادلے میں بھی اس عقد نے بہت سارے راستے کھول دئے ہیں۔

فقہ اسلامی اکیڈمی نے کچھ قرارداد پاس کی ہیں جو یہ ہیں:

1 - عقد الاستصناع - یہ وہ عقد ہے جو کام اور اس سے جڑی جو کہ مستلزمات ہیں اس کی ضامن ہوں گی - اور یہ طرفین صانع و مستصنع دونوں پر لازم ہیں اس وقت جب اس عقد کے ارکان اور شروط اس میں متوفر ہوں۔

2 - عقد الاستصناع میں جو شروط مندرج ہیں وہ درج ذیل ہیں:

---

230 - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة، للدكتور وهبة الزحيلي، مجلة الأحكام العدلية مادة رقم: (306)، الأجوبة الشرعية في التطبيقات المصرفية، للدكتور عبد الستار أبو غادة (ص: 39، 41)

ا- آڈر پر دی گئی چیز کی جنس، اس کی نوعیت، اور اس کی دیگر مطلوبہ اوصاف واضح ہوں۔

ب- اس کام کی آخری مدت بھی معلوم ہو۔

3 - عقد الاستصناع میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اس میں قیمت تاخیر کر کے ادا کی جائے، یا مختلف مراحل میں تقسیط کی رو سے ادا کی جائے۔

4 - عقد الاستصناع میں عمل کے موافق کمی بیشی کے ساتھ شرط جائز ہے، البتہ اس میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے، یہ بھی پیش نظر رہے کہ اس میں حالات وظروف کا خیال رکھنا بھی چاہئے جیسے معمار کا بیمار ہو جانا وغیرہ۔ واللہ اعلم

ABM PrintTime

(1)-دوسری مبحث: آڈر کی ہوئی چیز[231] کے حصول کی حقیقت اوراس کا حکم:

اس بیع کی شکلیں:

توریدکالغوی معنی: فعل(ورد)راء کی تشدید کے ساتھ مصدر توریدہے، ابوالحسین احمد بن فارس رحمہ اللہ فرماتے ہیں(الواو ،الراء، اورالدال حروف اصلی ہیں)، اس کے معانی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی چیز کا کو مکمل طور پر انجام دینا اس کو پوری کرنا،اوردوسرا معنی رنگ کے آتے ہیں۔اوراسماعیل بن حماد الجوہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: وردفلان ورودا: کسی کا حاضر ہونااوروأرده غيره واستورده،کے معنی ہیں کسی چیز کو حاضر کروانا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی فردسے مطلوبہ شیء کا معین وقت تک میں اور کچھ معلوم لاگت پر پہنچانے کی ذمہ داری لے لیتاہے۔

اس کی مثال یہ ہے: ایک شخص جو کار شوروم کامالک ہے وہ کسی دوسرے فردسے اس بات پر متفق ہو جاتاہے کہ وہ اس کو اس کی پسند اوراس کے بتلائے ہوئے صفات کے موافق کار فراہم کرے گا،جب کہ یہ معلوم ہے کہ صاحب السیارات کے پاس وہ مطلوبہ کار نہیں ہے اور فی الحال وہ اس کی شیء کا مالک بھی نہیں ہوتاہے،اورجب طالب جو کہ مستوردہے اس کو وہ شخص سے جو کہ موردہے ایک ایسی شیء فروخت کررہاہے جس کا وہ مالک نہیں ہے،اس طرح کی بیع وشراء شرعاممنوع ہے۔[232]

اس ممنوع بیع سے نمٹنے کی شرعی طرق:

اَ)-اگر توریدیعنی مال پہنچانے کا تعلق کسی سامان سے ہواوراس میں کاری گری مطلوب ہو:

---

231 - دیکھئے: معجم مقاييس اللغة (ج6، ص: 105)

232 - دیکھئے: رسالة عقد التوريد دراسة اقتصادية لمجمع الفقه الإسلامي للدكتور منذر قحف (ص: 5)

ABM PrintTime

اس میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے کہ مورد مستورد سے استصناع پر معاہدہ کرلے، کہ وہ اس کو سامان کی فراہم کرتے ہوئے اس کے داخل یا خارجی حصے میں ضرورت کے پیش نظر اس کی اصلاح یا دیگر کام کردے، اور جب مستورد اس بات پر متفق ہو جائے کہ مورد اس کو وہ مطلوبہ سامان فراہم کردے گا جس کو وہ کچھ عرصہ میں بنا کردے گا، بہر حال یہی عقد الاستصناع کہلاتا ہے جو کہ شرعا جائز ہے۔ مستورد کا آڈر دیتے ہوئے چاہے پوری رقم دیدے یا کچھ یا بات چیت کے دوران کچھ بھی نہ دے تب بھی یہ بیع جائز ہی ہوگی۔

ب)- دوسری بات یہ ہے کہ اگر مال کی فراہمی میں یعنی صرف سامان فراہم کرنا ہو اس میں کسی طرح کار دوبدل اور صنایت مطلوب نہ ہو تو وہ اپنے مطلوبہ اوصاف میں ہی فراہم کی جائے گی، اور مورد کو مقررہ وقت ہی میں اس شیء کو فراہم کرنا ضروری ہے۔

اس بیع کا بیع السلم سے مطابقت بھی ہے، اس شرط پر کہ مستورد عقد کے وقت ہی میں ساری رقم ادا کردے، اور بیع السلم میں موجود دیگر شروط کی رعایت بھی ضروری ہوگی۔

حقیقت حال اور عملی زندگی کی بات کریں تو اکثر لوگ اس عقد میں اہل وہلہ ہی میں جب کہ سامان بھی ہاتھ نہ آیا ہو پوری رقم ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں، ہاں اس کا ہونا متحقق ہے اور شرط مطلوب پر اس کو مان بھی لیا جائے کہ کسی صورت یہ ہو سکتا ہے تو یہ بیع السلم شمار ہو سکتی ہے، ایسی صورت میں مسئلہ ہذا کے حق میں ایک شرعی مخرج مانا جائے گا۔

ت)- تیسری بات یہ ہے کہ مورد اور مستورد میں ایسے وعدے پر اتفاق ہو جائے جو کہ کسی پر الزام کردینے والی بات نہ ہو۔ یعنی اس طرح سے کہ مورد مستورد کو کسی معینہ سامان کی خریداری پر ابھارے اور اس کے فراہم کرنے کا غیر ملزم وعدہ کرلے، کہ اگر اس کو یہ شیء دستیاب ہو جائے تو اس کے لئے خریدلے گا لیکن کوئی حتمی شکل نہ ہوگی۔ چونکہ اس میں کوئی ٹھوس اور یقینی وعدہ نہ ہوگا تو بس مورد جب اس کو مطلوبہ شیء مل جائے وہ اس کی خریداری کرلے گا اور مستورد تک اس کو پہنچادے گا، یوں یہ تجارت اور بیع ممنوعات میں سے نہ ہوگی یعنی شرعا کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ یہ طرز لین دین بیع المرابحہ سے میل کھاتی ہے اور اس سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے جائز ہے، کیونکہ بیع المرابحہ دو شرطوں کی بنا جائز ہے جس پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے، وہ دو شرطیں درج ذیل ہیں:

ABM PrintTime

1)- پہلی شرط یہ ہے کہ طرفین کے مابین آغاز عقد میں غیر ملزم وعدہ پر اتفاق ہو۔

2)- دوسری شرط یہ ہے کہ مورد کا سامان پر مکمل طور سے ملکیت اور قبض تام ضروری ہے اس کے بعد ہی وہ مستورد کو فروخت کر سکتا ہے۔[233]

بعض ممنوع صورتیں:

مورد مستورد سے توریدیعنی مطلوبہ سامان کا فراہم کرنا اس پر عقد کرلے اور مطلوبہ سامان میں صناعت اور کسی طرح کے ردوبدل کی بات بھی نہ ہو یعن مستورد سے مطالبہ بھی نہیں کیا گیا، یا مطالبہ کیا گیا لیکن وہ پہلے سے ہی اس پر صناعت ہو چکی ہو اور بیع کے لئے تیار بھی کی گئی ہو، تو اسی صورت میں مورد پر یہ لازم آتا ہے کہ اس نے ایسی شیء کی بیع کی جس کا وہ مالک ہی نہیں تھا، مزید یہ کہ یہ بیع شرعا ممنوع بیع جس کو بیع الکالئ بالکالئ کہتے ہیں اس میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور یہ ممنوع شکل ہی معاشرہ میں رائج ہے لوگ اسی بیع سے واقف ہیں۔

اسی لئے ان موردین پر ضروری ہے کہ وہ مذکورہ شرعی مخارج میں کسی ایک راستے کو اختیار کریں تاکہ ان کی بیع صحیح ہو اور شرعی محاذیر سے وہ اپنے آپ کو بچا سکیں۔

عقود التورید کے مسئلے سے متعلق فقہ اسلامی اکیڈمی جو کہ موتمر اسلامی کے زیر اہتمام ہے نے قرار، نمبر۱۰۷ (12/1) پاس کیا ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وصحبه وبعد.

عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی جو موتمر اسلامی کے زیر اہتمام ہے 'مملکت عربیہ سعودیہ ریاض میں منعقد بارہویں دورے میں جو بتاریخ ۲۵ جمادی الاخری ۱۴۲۱ھ تا رجب ۱۴۲۱ھ موافق ۲۳-۲۸ سبتمبر ۲۰۰۰م، طئے پایا تھا۔ اس موضوع سے متعلق جو بحوث متعلقہ (عقود التوريد والمناقصات) اکیڈمی پر پیش کئے گئے تھے، اس سے آگاہ ہونے اور اس پر علمی

---

233 - دیکھئے: فقه المعاملات الحديثة لعبد الوهاب أبو سليمان (ص: 42)

مناقشات کو جو اس اکیڈمی سے جڑے اہل علم، اور اقتصادیات کے ماہرین و تجربہ کار اراکین اور دیگر کئی ایک فقہاء کے مابین ہوئی ہیں انہیں بغور سننے کے بعد اکیڈمی نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے، جو درج ذیل ہے:

1)- عقد التورید:

اَ- پہلی بات یہ ہے کہ: عقد التورید، وہ بیع ہے جس میں مستورد سے اس بات کا معاہدہ کیا جاتا ہے کہ مطلوبہ سامان کو معین وقت اور طئے شدہ اوصاف کے تحت، اور متعین قیمت پر جو آغاز معاملہ میں کلی طور پر ادا کر دی جائے یا اس کا کچھ حصہ، مورد اس کو فراہم کرتا ہے۔

ب- جب اس بیع میں جس سامان کا مطالبہ کیا جائے اور اس میں کسی طرح کی بناوٹ کا مطالبہ بھی ہو، تو یہ عقد اور معاہدہ استصناع کہلائے گا، اس کے سارے احکام اس پر منطبق ہوں گے، اور استصناع سے متعلق فقہ اسلامی اکیڈمی کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے، جس کا نمبر ۶۵(3/7) ہے۔

ت- تیسری بات یہ ہے کہ اگر سامان کے مطالبے میں صناعت کی شرط نہیں ہے، تو یہ مورد کے ذمے ہو گی کہ اس کو مقررہ وقت میں مطلوبہ شیء کا فراہم کر دے، اور یہ بیع دو میں سے ایک طریقے پر مکمل ہوتی ہے:

1)- مستورد عقد اور معاہدہ کے وقت ہی پوری قیمت ادا کر دے، تو یہ عقد بیع السلم ہی کے حکم میں ہو گی، اور یہ بیع السلم کے معتبر شروط سے پر ہونے کی صورت میں جائز ہو گی، اور یہ مجمع کے قرار نمبر 85(9/2) میں مذکور ہے۔

2)- اور اگر مستورد عقد اور معاہدہ کے وقت قیمت مکمل ادا نہ کر سکا تو یہ بیع جائز نہ ہو گی، کیونکہ یہ بیع طرفین کے مابین عہد و معاہدہ کی پاسداری اور اس کے اتمام کو ضروری قرار دیتی ہے، اور فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے یہ فیصلہ (40-41) سنایا گیا ہے کہ بیع میں مذکورہ شرط کی بنا پر از خود ایک بیع شمار ہو گی، جس سے اس کا بیع الکالی بالکالی سے مشابہت اور ہم آہنگ ہونا لازم آتا ہے، ہاں مذکورہ الزام کر دینے والی شرط بیک وقت دونوں کے حق میں یا کسی ایک حق میں بھی نہ ہو تو یہ بیع جائز ہو گی، اس صورت میں کہ اس بیع کو از سر نو انجام دیا جائے یا تسلیم کے ذریعے اس کو پائے تکمیل تک پہنچایا جائے۔

واللہ اعلم

ABM PrintTime

ساتویں فصل

التأجیر المنتھی بالتملیک

ABM PrintTime

(1)- پہلی مبحث: التأجير المنتهي بالتمليك کی حقیقت:

آغاز:

یہ طرز تجارت انگلینڈ کی دین ہے، مغربی ممالک اوراس کے ہم نوا ممالک میں اس کا تطور ہوتا رہا، پھر بلاد المسلمین میں بھی اس نے اپنی جگہ بنالی ہے۔([234])

بینکوں اور کمپنیوں نے اس سے اپنے لئے مخرج ڈھونڈ نکالا ہے، کیونکہ یہ بیع التقسیط ہے جس میں سامان جو کہ مبیع ہے وہ مشتری کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، کبھی کبھار مشتری قسطوں میں بھی اس کی قیمت چکانے میں پریشانی محسوس کرتا ہے، برخلاف اس بیع اور عقد کے جس میں اجارہ بذریعہ تملیک مکمل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مبیع مشتری کی طرف جب تک وہ اس کی قیمت قسط وار مکمل ادا نہ کردے۔

بیع اوراجارہ کی عقد میں فرق:

اس بیع کے حکم بیان کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجارہ اور بیع سے متعلق امور کی اپنی اپنی خصوصیتیں بیان کردی جائیں۔ اس لئے اس عقد میں اشکالات داخل ہونے کا یہی سبب ہے۔

یہ دونوں ٹھوس اور مضبوط عقد ہیں، لیکن بیع میں منفعت اور راس المال دونوں منتقل ہوتی ہیں، جب کہ اجارہ والی بیع میں صرف منفعہ ہی منتقل ہوتا ہے، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اجارہ والی عقد کا نام ہی بیع المنفعہ ہے۔

پہلے والے لوگ صرف بیع التقسیط ہی کو جانتے تھے، جس میں سامان بطور ملکیت مشتری کے ذمے اوراس کی مسوولیت میں چلا جاتا تھا، اوراس سامان کی قیمت بطور دین اور قرض کے بائع کی ذمہ ہوتی تھی۔([235])

---

[234] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 394)

[235] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 395)، ومجلة المجمع الفقهي الدورة الثانية عشر (ج 1).

ABM PrinTime

اجارہ میں اصل مال کبھی بھی خریدار کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا، بس موجر کی ملکیت ہی میں باقی رہے گا، اس طرح سے کہ اگر کوئی گھر اجارہ میں لے تو گھر کی ملکیت مالک مکان یعنی موجر ہی کے پاس رہے گی۔

ملکیت پر منتہی ہونے والا اجارہ کی اساس اور اس کا ہدف یہ ہے کہ: بیع کی عقد کو اجارہ کی شکل میں پیش کرنا ہے، جس میں بائع مشتری کو جو چیز فراہم کرتا ہے اس میں عدم ملکیت کا اعتبار مقصود ہوتا ہے۔ یوں مال اصل یعنی راس المال میں وہ کسی طور پر بھی تصرف سے محروم رہتا ہے، اور نتیجۃ ملکیت بائع ہی کو ہوتی ہے۔

خلاصہ ءکلام یہ ہے کہ اس عقد کے ذریعے موجر کی ملکیت ثابت ہوتی ہے اور مستاجر کو اس میں ملکیت نہیں ہوتی ہے کہ اس کو فروخت کرے یہ کوئی اور تصرف کرے۔ ([236])

(2)-دوسری مبحث: التأجير المنتهي بالتمليك کا حکم:

اس کا شرعی حکم:

معاصر اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کبار علماء کی کمیٹی پھر فقہ اسلامی اکیڈمی جو موتمر اسلامی کی زیر نگرانی میں ہے ان سبھوں نے اس مسئلے کو لے کر اصول شریعت کی روشنی میں پرکھا ہے۔

مجلس ہیئۃ کبار علماء کی طرف سے منعقد کئے گئے دورہ نمبر ۴۹ و ۵۰ میں اس مسئلہ سے متعلق خوب علمی نقاش ہوا ہے، تاہم کوئی فیصلہ صادر نہیں ہوا ہے، البتہ اس کی بیٹھک اور دورہ نمبر ۵۱ میں بطور اغلب اس پر فیصلہ صادر ہوا، اور اس وقت میں موجود اہل علم میں سے الشیخ محمد بن صالح بن العثیمین رحمہ اللہ کی رائے اور دیگر اہل علم کی رائے کو الگ نہیں کیا گیا بلکہ بیع کی دونوں صورتوں کو ایک ہی قرار دیا گیا ہے۔

جب کہ فقہ اسلامی اکیڈمی نے جواز اور منع کی صورتوں کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے، ہاں دونوں کے ضوابط بیان کئے گئے ہیں، فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے پاس کیا گیا قرار زیادہ جامع اور دقیق ہے۔

---

[236] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 401)

تملیک پر منتہی ہونے والے اجارہ سے متعلق بالخصوص دیا گیا فیصلہ جو کبار علماء کمیٹی طرف سے رقم (198)، بتاریخ 1420/11/6ھ ہے وہ درج ذیل ہے:

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، نبينا محمد، وعلى آله وصحبه وبعد:

کبار علماء پر مشتمل کمیٹی نے تملیک پر منتہی ہونے والی اجارہ کا اپنی طرف منعقدہ ۴۹، ۵۰ اور ۵۱ ویں دورے میں لوگوں کی طرف سے رئاسہ عامہ اور افتاء کمیٹی سمیت علمی مراکز کو کئے گئے کئی ایک استفسارات کی بنا پر خوب خوب دراسہ کیا ہے، اور باحثین کی طرف سے پیش کئے گئے مقالوں سے مطلع ہوئے ہیں، اور اپنے ۵۲ ویں دورے جو بتاریخ 1420/10/29ھ کو شہر ریاض میں منعقد ہوا ہے، اس دورے میں اس موضوع پر دراسہ کو جاری رکھا گیا ہے، البتہ اس موضوع پر بحث ومباحثہ اور نقاش کے بعد مجلس موجود اہل علم کی اکثریت کی رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے اس عقد کو غیر شرعی کہا گیا ہے، اور جن اسباب کی بنا پر یہ کہا گیا ہے، وہ اسباب یہ ہیں:

(1)- پہلی بات: یہ بیع دو عقدوں کو ایک ہی سرمایہ سے جامع ہے، اور دونوں ہی عقد کسی طور پر بھی مستقر نہیں ہیں، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں کا حکم الگ ہے، اور دونوں کے حکم آپس میں ایک دوسرے کی نقیض ہیں، بیع میں اصل مال مشتری کی طرف اس کے منافع سمیت منتقل ہوتا ہے، ایسی صورت میں اس مبیع پر اجارہ کی عقد جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مشتری کی ملکیت ہے، جب کہ اجارہ میں مستاجر کی طرف صرف منافع ہی منتقل ہوتا ہے، حالانکہ مبیع مشتری کے حق میں منفعت کے ساتھ اصل کو بھی ضامن ہے، مشتری پر اس کی اصل بھی ہے اور اس کا نفع بھی، ایسی صورت میں بائع کے حق میں کچھ نہیں رہ جاتا، حالانکہ مبیع کا ضامن موجر ہی ہے، اس سے اس کا تلف ہونا مستاجر سے زیادتی اور تفریط کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

(2)- اجرت کو سالانہ یا ماہانہ باعتبار تقسیط کے منقسم کر دیا جائے تاکہ اس عقد کی قیمت محصول ہو جائے، اور بائع اس کو اجرت شمار کرے گا، اور یہ اس کے حق کو موثوق بنانے کے لئے، تاکہ مشتری کو اس کی بیع ممکن نہ ہو سکے۔

اس کی مثال اس طرح سے ہے کہ مبیع جس پر عقد ہو چکا ہے، اس کی قیمت پچاس ہزار ریال ہے اور اس کی اجرت عرف عام میں ماہانہ ایک ہزار ریال ہے، اور وہ دو ہزار ریال کر دی گئی ہے، درحقیقت یہ قیمت میں تقسیط ہے یہاں تک کہ مقدر کی گئی قیمت محصول ہو جائے۔ ایسا ہوتا ہے کہ آخری قسطوں میں اگر مشتری ہمت ہار جائے اور قیمت ادا نہ کر سکے تو لی گئی زائد

قیمت سے اس کا انجبار کرلیا جاتا ہے، اوریوں اس کو اصل مانا جائے گا اور اسے نہیں لوٹایا جائے گا، گویا کہ اس بائع نے اپنا پورا فائدہ حاصل کرلیا ہے، اس صورت سے یہ ظاہر ہے کہ مشتری کی طرف سے آخری قسط کی عدم ادائیگی یا تاخیر کی وجہ سے اس عین ظلم ہے۔

(3)- اس عقد میں اور ان جیسی دیگر عقود میں قرض سے متعلق فقراء کی طرف سے تساہل واضح ہے، حتی کہ اس میں بہت سارے قرض دینے والے افراد کے مفلس اور ان کے مال کے ضائع ہونے اندیشے ہوتے ہیں۔

فقہ اسلامی اکیڈمی عقد کے طرفین کو صحیح طریقے پر چلنے کی صلاح دیتی ہے: اور وہ یہ ہے کہ:

وہ کسی چیز کی فروخت میں اس کی قیمت کو بطور رہن رکھیں، اور اپنے پاس بطور احتیاط اس کی حفاظت کریں، اس عقد سے متعلق کوئی وثیقہ ہو یا گاڑیوں اور کار سے متعلق فارم بنائیں، یا کوئی اور صورت اختیار کی جائے۔

والله الموفق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم.

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ اس فیصلے میں مذکورہ طرز تجارت اور اس نوع کو ایک ہی مانا گیا ہے، جب کہ ملکی سطح پر موجود فقہ اسلامی اکیڈمی کا فیصلہ اس کے بعد آیا جس میں اس کے جواز اور منع کی دونوں صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور ساتھ میں جواز اور منع کی، اس اعتبار سے فقہ اسلامی اکیڈمی کا فیصلہ جامعیت اور دقت میں مذکورہ دیگر فیصلوں سے ممتاز ہے۔

موتمر اسلامی سے جڑی فقہ اسلامی اکیڈمی کا فیصلہ نمبر 110 (12/4): جو تملیک پر منتہی ہونے والا اجارہ اور اس اجرت کی رسمی کاغذات سے متعلق تھا۔

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وصحبه أجمعين:

موتمر اسلامی سے جڑی ملکی فقہ اسلامی اکیڈمی مملکت عربیہ سعودیہ کے شہر ریاض میں منعقد اپنے بارہویں دورے میں جو بتاریخ 25 جمادی الآخرۃ 1421ھ تا رجب 1421ھ (23-28 دیسمبر 2000م).

مذکورہ نوع تاجیر سے متعلق جو بحوث اکیڈمی کو محصول ہوئے ہیں ان کو اکیڈمی کے اراکین اور ماہرین فن سمیت کئی ایک فقہاء کے دیکھنے اس کو سننے اور اس پر علمی مناقشے کے بعد اکیڈمی نے یہ فیصلہ سنایا ہے:

ABM Print Line

(1)-جوازاور منع کی صورتوں سے متعلق اصول وضوابط:

أ- منع کا ضابطہ:

یہ اس طرح سے کہ اس میں دومختلف النوع عقد ایک ہی وقت میں اورایک ہی چیز کے ساتھ ایک ہی زمانہ میں جمع ہو جائیں۔

ب-جواز کا ضابطہ:

1- دوالگ الگ عقد کاوجود جو زمنی اعتبار سے ایک دوسرے سے مستقل ہوں،وہ اس طرح سے کہ اس میں عقد الاجارہ کا ہونا عقد البیع کے بعد ہی ہو، یا پھر تملیک پر ہونے والا وعدہ اجارہ کی انتہائے مدت پر ہو،یوں عقد میں اس طرح کا خیاراحکام میں کئے گئے وعدوں کے برابر ہوتا ہے۔

2- اجارہ فعلی ہونا کہ بیع کو معطل کرنے والا۔

3- سرمایہ کا ضمان مستاجر پر نہیں بلکہ موجر پر ہو گا،ایسی صورت میں اصل پر ضرر ہو تو موجر ہی مسوول ہو گا، ہاں اگر مستاجر سے ہی ضرر ہو تو الگ بات ہے، اگر منافع فوت ہو جائے تو مستاجر پر کسی طور بھی جبر نہیں کیا جائے گا۔

4- اگر عقد اصل مبیع کی ضامن ہوتا ہے،تو یہ ضروری ہے کہ یہ تامین اسلامی تعاون کی قبیل سے ہونا کہ تجارتی قبیل سے۔اوراس کا انجبار اس مبیع کا مالک ہو گا مستاجر نہ ہو گا۔

5- تملیک پر منتہی ہونے والے اجارہ پر اس کی معینہ مدت تک اجارہ کے احکام کا اس پر منطبق ہونا ضروری ہے،اوراس مبیع پر تملک کے اعتبار سے احکام البیع کا اس پر انطباق ہو گا۔

6- اس کاروائی میں بطور صیانت کے دیگر ضروریات سے ہٹ کر پوری مدت میں جو بھی خرچ ہو گا وہ موجر پر ہو گا، اس کی مسوولیت مستاجر پر نہ ہو گی۔

(2)-ممنوعہ صورتیں:

أ- تجارت میں جو عہد و معاہدہ ہوتا ہے وہ کسی شیٔ کا کاروائی میں مستاجر سے متعین مدت کے لئے مطلوب رقم کی تملیک پر منتہی ہو جاتا ہے، اس میں دوسرا عقد شامل نہیں ہوتا ہے، اس اعتبار سے کہ یہ اجارہ انتہائے مدت میں بیع تلقائی کی شکل اختیار کر لے۔

ب- ایک معلوم اجرت اور معلوم مدت پر کسی شخص سے عقد اجارہ کرنا، اس اتفاق کے ساتھ کہ اس کی اجرت مذکورہ مدت جو دونوں کے ہاں عہد ذہنی ہے اس میں پوری ادا کر دی جائے گی، یا مستقبل میں ادا کرنے کے لئے اضافی وقت لیا جائے گا۔

ج- اجارہ پر حقیقی معاہدہ کا ہونا اور بیع سے بشرط خیار کے مقترن ہو کر کہ اس میں اصل کام کی مصلحت پیش نظر ہو، اور ایک طویل عرصہ کے لئے اس کی ادائیگی موجل ہو جائے جو کہ عقد الایجار کی آخری مدت ہو گی۔

مختلف علمی کمیٹیوں اور قرارات و فتاوی اس کو متضمن ہیں، انہیں میں سے وہ کمیٹی بھی ہے جو مملکت سعودیہ عربیہ میں کبار علماء پر مشتمل ہے۔

(3)- جائز صورتیں:

أ- ایسا عقد جو مستاجر کو معلوم اجرت و مدت میں اصل پر منافع کے ذریعے قوت پہنچائے، اور مستاجر کے لئے اصل سرمایہ سے مقرون ہو، جو کامل اجرت کو ضامن ہو، پھر یا تو یہ مستقل عقد ہو یا پوری اجرت کے حصول پر کچھ ہبہ اور عطیہ کا وعدہ ہو۔ (اور آخر الذکر شیٔ مجمع کے اس قرار کی بنیاد پر ہے جو ہبہ سے متعلق ہے جس کا نمبر 13/1/3 اور یہ قرار اپنے تیسرے دورے میں پیش کیا گیا ہے۔)

ب- اجارہ کا وہ عقد جو مالک کا مستاجر کو اس کی اجارۃ قسطوں میں ادا کی گئی تمام رقم کے منتہی ہونے جے بعد عطا کیا جاتا ہے، کہ اس وہ اس مبیع کو بازار کی اصل قیمت پر حاصل کر لے۔ (یہ اکیڈمی کے قرار نمبر 44(6/5) کے موافق ہے جو اپنے پانچویں دورے میں قرار پایا ہے)۔

ت- ایجار پر کیا گیا وہ عقد جس میں مستاجر اصل پر منافع سے معلوم اجرت اور معلوم مدت میں متمکن ہو، اور اس ایجار کو مستاجر کی طرف سے تمام قیمت ادا کرنے کے بعد اصل پر طرفین کی رضامندی کے بعد بیع کر دے۔

ABM PrintTime

ث-مذکورہ تفصیلات کے ساتھ اس میں مزید اضافی بات یہ ہے کہ اس میں مستاجر کو اصل یعنی مبیع پر وہ جب چاہے اس کی ملکیت کا خیار دے، کہ اسی وقت میں ایک نئی بیع پر بازار کی قیمت پر عقد ہو جائے۔(اور یہ قرار سابقہ قرار نمبر 44(6/5) کے مناسبت سے ہے جو اکیڈمی کی طرف سے کیا گیا ہے، یا اس وقت بیع سے متعلق جو اتفاق ہو اس کے مطابق ہو گا۔)

(4)- اس نوع کی کچھ اور بھی شکلیں ہیں جو محل خلاف ہیں، اور اس پر مزید دراسہ کی ضرورت ہے، جو آنے والی اکیڈمی کی نشستوں میں پیش کیا جائے گا، إن شاء اللہ:([237])

والله الموفق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه أجمعين.

مذکورہ بیان اور توضیح سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس طرز تجارت کی کچھ شکلیں جائز اور کچھ ممنوع صورتیں بھی ہیں، نہ ہم اس کو مطلقا جائز کہیں گے اور نہ ہی مطلقا ممنوع کہیں گے۔ یہاں تک کہ اس کی وہ شکل سامنے نہ آجائے جو عقد میں ملحوظ نہ رکھا گیا ہو۔

بعض حضرات نے اس کو جائز صورتوں پر محمول کیا ہے، اور مطلقا قرار کھا ہے، اور اس کو (التأجير مع الوعد بالتمليك)، اور کچھ حضرات اس بس (عقد تأجير) کا نام دیتے ہیں۔ اور اس کو الوعد بالتملیک والے عقد کے ضمن میں پیش کرتے ہیں، جب اصطلاحی معنی میں اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، بہر حال یہ ضروری ہے کہ جائز اور ممنوع صورتوں کے ضوابط سامنے رکھے جائیں۔ اور اسی سے ہر طرح کی شکل پر انفرادی طور سے گفتگو کرنا آسان ہوتا ہے، اور اسی بنیاد پر حکم لگایا جاتا ہے۔

اس نوع کی تجارت اور اس پر عقد کرنے والی کمپنیوں اور موسسات پر ضروری ہے کہ اس معاہدے سے قبل علمائے شرع متین کی طرف رجوع کرلیں، تاکہ وہ انہیں اس کی شرعی شکلوں کی طرف راہنمائی کر سکیں، اور تاکہ اس میں شرعی ضابطے کا لحاظ کیا جائے، یہ معلوم کیا جائے کہ اس میں حقیقی عقد تاجیر ہے، جس میں بیع غیر ملزم ہے اور ہبہ کے ساتھ ہے،

---

237 - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 405)، بحث الإجارة المنتهية بالتمليك للدكتور على القرة داغي، (ص: 51، 53)، الإجارة المنتهية بالتمليك للأستاذ: خالد بن عبد الله الحاقي (ص: 54، 58).

ABM PrintTime

مزید دیگر ضوابط کی رعایت بھی پیش نظر ہونی چاہیئے،اس عمل سے کمپنیاں اورموسسات اپنے عقد میں امر مباح کے دائرے میں آسکتی ہیں۔

ABM PrintTime

آٹھویں فصل

کریڈٹ کارڈ

ABM PrintTime

(1)-پہلی مبحث: کریڈٹ کارڈ کی حقیقت اور اس کی انواع:

تعریف:

بطاقات جمع ہے بطاقة([238]) کی، جو یہاں ورق کے معنی میں ہے۔ اور بطاقة فصیح عربی کلمہ ہے، اور یہ کلمہ اس مشہور حدیث میں بھی وارد ہوا ہے جس حدیث البطاقہ کے نام سے معروف ہے، اس میں ہے کہ: «**فَتُخْرَجُ لَهُ بِطَاقَةٌ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ**»([239])

ائتمان([240]) یہ لفظ فقہائے متقدمین کے بطور اصطلاح غیر معروف رہا ہے، یہ تو بس معاصر فقہاء کے ہاں جانا پہچانا جاتا ہے، اور یہ بطاقات لفظ ائتمان سے متصف کئے گئے ہیں، اور ائتمان کا بزبان انگریزی معنی ہے: (credit)، تو اس طرح کے بطاقات کو عربی زبان میں بطاقات ائتمان کہتے ہیں جس کو انگریزی میں (credit cards) کہتے ہیں۔([241])

بعض باحثین نے اس مصطلح پر اعتراض کئے ہیں، اور ان کے نقطہ نظر میں ان بطاقات کو (بطاقات الإقراض)، کہنا زیادہ قرین صحت ہے، اور الإقراض کی مصطلح کی بجائے ائتمان کی مصطلح کو رائج کرنا دراصل الإقراض کے شرعی احکام سے پہلو تہی برتنا اور اس سے صرف نظر کرنا ہے۔ اور جس کے نتیجہ میں ازدیاد سے ربوی شکل پیدا ہوتی ہے جو کہ عین حرام ہے۔ البتہ ہماری رائے میں یہ اعتراض محل نظر ہے۔ اس لئے کہ ماہر اقتصادیات کے ہاں ائتمان کا معنی جیسے کہ مصطلحات

---

[238] - دیکھئے: معجم المصطلحات التجارية والتعاونية للدكتور أحمد زكي بدوي، والمعاملات المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 538)، فقه المعاملات الحديثة للدكتور عبد الوهاب إبراهيم أبو سليمان (ص: 538).

[239] - دیکھئے: أخرجه ابن ماجه بإسناد جيد، كتاب الزهد، باب ما يرجى من رحمة الله يوم القيامة (ح 4300).

[240] - الائتمان: ایک جہت سے دوسری جہت کے لئے معینہ یا غیرہ معینہ مدت کے قرض کا التزام کرنا۔ دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 541).

[241] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 541)

اقتصادیات کی بابت انسائیکلوپیڈیامیں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ:کسی قرض دینے والے کا قرض خواہ کو ایک معینہ وقت تک کے لئے قرض دیناکہ قرض خواہ معینہ وقت تک میں اس قرض کولوٹادے۔

اس شکل میں بنیک کی طرف سے کچھ کام بطوردین کے لئے جاتے ہیں، اس اعتبارسے کہ اس عمل کو موکد کیاجائے، اور ائتمان بنسبت قرض کے دین سے اقرب ہے، اور قرض وائتمان میں کچھ فروق بھی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

ا)- قرض خواہ براہ راست مال سونپ دیتاہے، جب کہ ائتمان کی صورت میں وہ اپنے ضروریات ان بطاقات کی مدد سے طاقت کے بقدر قیمت اورپیسے اداکرتاہے، اوراس میں قیمت علی الفورنہیں دیتا، اوران بطاقات کی وجہ سے ایک اعتبارہوتاہے کہ آنے والے سمے میں وہ اس کی قیمت کی بھرپائی ہوجائے گی۔

2)- قرض کے معاملے میں یہ بھی ہے کہ مقترض جب قرض لیتاہے اسی وقت سے اس کے ذمے اس کی پوری رقم طئے ہوجاتی ہے، جب کہ ائتمان میں صرف اس کے اخراجات پراس کی مسوولیت طئے ہوتی ہے۔

3)- انگریزی زبان میں قرض کا متبادل لفظ جو اس کے عین موافق ہووہ ہے (loan)، رہالفظ (credit)، توانگریزی قاموس میں اس کی متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں: اس میں کا ایک معنی ہے: کسی شیء کا اس کی قیمت اداکرنے سے قبل ہی اس کے حصول پر قدرت رکھنا، یہ اس بنیادپر کہ اس کی قیمت کی ادائیگی موکداور موثق ہے، اوریہ لفظ اوریہ معنی قرض کی بابت اصطلاحانہیں کہاگیاہے۔

رہا بطاقات الائتمان کی مرکب تعریف تواس کی بھی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں، جن میں سب سے بہتر تعریف یہ ہے:

"یہ ایک نقدی کارڈہے، جس کو تجارتی بینک یامالی منڈیاں لانچ کرتی ہیں، جس سے ہولڈراس کے حصول پر خریدوفروخت میں متمکن ہوتاہے اوراس سے اقتراض بھی کرلیتاہے، اوراس کی ضمانت پراس کے علاوہ بھی بہت کچھ حاصل کرلیتاہے، مزیداس کی مددسے کچھ خاص خدمات سے مستفید بھی ہوتاہے"۔([242])

---

[242] - دیکھئے: قرار المجمع الفقه الإسلامي رقم (63)، (7/1)، مجلة مجمع الفقه الإسلامي العدد (6-ج 2، ص: 273) والعدد (7- ج1، ص: 739، والعدد (9-ج2، ص: 5)، قرار مجمع الفقه الإسلامي رقم (96)، (10/4)، مجلة الفقه الإسلامي العدد (7- ج2، 571)، المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (: 538).

ABM PrintTime

اس کی اہمیت:

بطاقات الائتمان جو کہ اپنی اصطلاح میں عالمی سطح پر عام اور متداول ہے اور اس اصطلاح میں کسی طرح کی کوئی ردوبدل یا صرف نظر کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے، اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا آلہ ہے جس سے قرض کی ادائیگی سمیت بہت سارے حقوق، اور خدمات کا حصول اور اشیاء کی خریداری ہو سکتی ہے جو کہ نقد کی متبادل استعمال ہوتی ہیں، اس کے استعمال میں ملکی و غیر ملکی ہر دو جگہیں برابر ہیں، اور اس کارڈ کے ذریعے سے کوئی بھی شخص پیسوں کے بوجھ سے آزاد ہوتا ہے، اس کے ضیاع ہونے، چوری ہو جانے، مزید بہت سارے مواقع جیسے شاپنگ مول، متاحف، امور تجارت، ہوٹل اور مطاعم سمیت، دیگر تفریحی مقامات میں لین دین کی صورت میں ازدحام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یہ کارڈ کی غیر معمولی اہمیت ہے، جس میں اس کی صلاحیت کے بقدر کام ہوتا ہے پھر اس میں اس کی کمی سے بطور انجبار اس میں مواد ڈالا جاتا ہے۔

اس کارڈ کے ذریعے تجارتی امور میں خرید و فروخت زیادہ ہوتا ہے، اس سے منافع بھی خوب ہوتے ہیں، اور اس کارڈ کے ذریعے امور تجارت میں ایک ہل چل سی رہتی ہے۔

(credit cards) کی اقسام:

اس کی دو قسمیں ہیں:

1 - بطاقات الائتمان المغطاة

2 - بطاقات الائتمان غير المغطاة

پہلی قسم: بطاقات الائتمان المغطاة:

اس کی تعریف: الغطاء سے مراد رصید ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کارڈ کے ذریعے جو چیزیں خریدی جاتی ہیں یا اس کا جو استعمال ہوتا ہے اس کی ایک رصید ہوتی ہے۔

اسی لئے مغطاۃ میں اس کارڈ کے ہولڈر پر یہ مشروط ہے کہ وہ اس کے پاس اس کارڈ کو جاری کرنے والے کی تفصیلات ہوں کہ کس نے اس کو جاری کیا ہے۔

ABM Print Time

اوراس کے استعمال میں یہ بھی ہے کہ اس کی بینک میں ایک مقررہ رقم بھی موجود ہونی چاہئے، اور موجودہ رقم سے زیادہ کی وہ خریداری بھی نہیں کر سکتا ہے۔

اس کی انواع:

اس کی سب سے نمایاں نوع وہ جس کو الیکٹرانک بینکنگ کارڈ کہتے ہیں، اس کی مزید دو قسمیں ہیں:

1)- داخلی (یا ملکی سطح کی کارڈ) کارڈ: اس کارڈ کے ذریعے صرف ملکی سطح پر یعنی صرف ایک ملک کے اندر ہی اس کی خدمات فراہم کی جاتی ہیں۔

2)- عالمی بطاقات: اس کارڈ کے ذریعے بڑے بڑے معروف ممالک میں استعمال کر سکتے ہیں، ان عالمی بطاقات میں سے کچھ یہ ہیں: بطاقہ (فیزاالکترونی) جو کہ فیزا کے تابع ہے، اور بطاقہ (ماسٹر کارڈ) یہ ماسٹر کارڈ کے تابع ہے۔

(2)- دوسری مبحث: کریڈٹ کارڈ کے زیر استعمال لانے کا شرعی حکم:

اس کا حکم:

بینک کارڈ جو کہ ملکی سطح پر داخلی طور سے مستعمل ہیں، اس کے جواز میں کوئی دورائے نہیں ہے، اس لئے کہ اس کا استعمال اس کی کھاتے میں موجود رقم کے موافق ہوتی ہے، اوراس پر اس کی بل بھی مل جاتی ہے، یوں معاصر اہل علم کے ہاں کے اس کے جواز میں اتفاق ہے۔

اوران بطاقات یعنی کریڈٹ کارڈ کا معاملہ لین دین میں یدا بید والے معاملے کے مشابہ ہے، بلکہ اس کے قائم مقام ہے، اسی بنا پر ان بطاقات سے سونا اور چاندی کی خریداری جائز ہے۔ سماحۃ الشیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ کی زیر سرپرستی افتا اور علمی ریسرچ کمیٹی نے یہی جواز والا فتوی جاری کیا ہے۔([243])

---

[243] - دیکھئے: الفتوى رقم (18521)، من فتوى اللجنة الدائمة (ص: 527، ج 13)، قرار المجمع الفقهي الإسلامي بجدة رقم (1390)، (15/5)، في دورته الخامسة عشرة المنعقدة في مسقط (سلطنة عمان)، من 14 إلى 15 من محرم عام 1425هـ.

ان بطاقات کا استعمال ان کو جاری کرنے والی بینکوں کے علاوہ سے کرنے کا شرعی حکم:

جیسے کوئی کسٹمر راجحی بینک سے اس کو حاصل کیا ہو تو کیا وہ کسی اور بینک سے اس کا استخدام جائز ہے، اس طرح سے کہ کوئی بینک امریکی یا برطانوی بینک ہو۔ اس امر میں معاصر اہل علم کے مابین اختلاف ہے، جس میں دو قول ہمارے سامنے ہیں:

پہلا قول: عدم جواز کا ہے، کچھ اہل علم اس کے منع کے قائل ہیں، اور یہ قول شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی طرف منسوب بھی ہے، لیکن شیخ کے کچھ طلبہ نے آپ سے اس کے جواز کا فتوی نقل کئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ایسی صورت میں بھی اپنے مال ہی میں تصرف کر رہا ہے۔

دوسرا قول: جواز کا ہے، اکثر معاصر اہل علم اسی کے قائل ہیں، اور ان میں کا نمایاں نام شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا ہے۔

مانعین کے دلائل:

جن حضرات نے منع کیا ہے، اور عدم جواز کا فتوی جاری کیا ہے، ان کی توجیہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں صاحب البطاقہ بہت ممکن ہے کہ ایسے قرض کا گرفتار ہو جائے جس میں قرض مقرض کے حق میں نفع بھی ساتھ لائے۔

مسئلہ مذکورہ کی وضاحت یہ ہے کہ بینک جو کہ اس کریڈٹ کارڈ کا مصدر ہے، اس کارڈ کی مدد سے جو اشیاء خریدی جاتی ہیں، اس پر جاری ہونے والے نظام کے مطابق اس کی آمدنی میں سے (4.64)، ریال لیتی ہیں، اس میں کہ 60 ریال تو نقدی موسسہ کے کھاتے میں جاتی ہیں، لیکن چار 4 ریال تو بینک اپنے صرف خاص میں جمع کر لیتی ہے، جس یہ شخص جو کہ اس کریڈٹ کارڈ کا مالک ہے اس کا استعمال کسی دوسرے بینک سے کرتا ہے اس کی آمدنی میں سے چار ریال تو بینک لے لیتی ہے۔ حقیقت میں یہ عقد قرض اور حوالہ دونوں کے اصولوں پر مجتمع ہو گیا ہے۔

مذکورہ وضاحت میں جو قرض کا ذکر ہوا ہے وہ اس طرح سے کہ اس کارڈ ک مدد سے جب وہ اپنے بینک جس سے وہ کارڈ جاری کیا گیا ہے، اس کے علاوہ کے دیگر بینک سے خریدے گا تو اس کی اصل سے بطور غرامہ چار اضافی ریال اس اجنبی بینک کے کھاتے میں چلے جائیں گے، گویا کہ یہ قرض ایک طرح سے اس کے حق میں نفع بھی ساتھ لا رہا ہے۔

ABM PrintTime

صورت مسئلہ کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا جاسکتا ہے:

اگر آپ کا پیسہ راجحی بینک میں ہے اور آپ نے اس راجحی بینک سے جاری کئے گئے کارڈ کی مدد سے کسی اور مثلاً برطانوی بینک سے کچھ (500 ریال) حاصل کیا ہو تو یہ برطانوی بینک آپ کی اصل سے جو کہ بینک راجحی ہے اس سے پانچ سو ریال کے ساتھ اضافی چار ریال بھی حاصل کرے گی، اس سے اصل پر چار کا اضافہ نفع ہے۔

رہا مسئلہ "حوالہ" کا تو اس اعتبار سے کہ اس میں برطانوی بینک مثلاً وہ احالہ کرتی ہے اس اصل بینک کو جس کے کھاتے میں آپ کی اصل رقم موجود ہے۔

پھر اس کے ممنوع ہونے کی مزید ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں گناہ پر تعاون کی بھی بات ہے کہ ایسی بینک سے جوڑا جا رہا ہے جس کی بنیاد ربا یعنی سود پر ہے۔

مستزاد یہ ہے کہ اس پورے نظام بینک سے جڑا جو عقد ہے یہ خداع یعنی دھوکے پر مشتمل ہے، اس کا اثر ہر دو بینک سمیت خود کارڈ ہولڈر پر بھی پڑتا ہے، اور اس کا اثر دھوکے اور فائدے ہر دو سے گھرا ہے، اور اس عقد کا بالآخر انجام کیا ہوگا عقد کے دونوں پہلو یعنی دونوں مصرف اور اس سے جڑا ہوا شخص بے خبر رہتے ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل:

دلیل جواز یہ ہے کہ اس میں کارڈ کا مالک اپنے صرف خاص سے ہی خریدتا ہے، کسی اور بینک کے حساب میں اس کا اثر نہیں پڑتا ہے۔

سابقہ مثال ہی سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے: اگر آپ کا کھاتہ راجحی بینک میں سے ہے اور خریداری برطانوی بینک سے ہو رہی ہے تو وہ صرف ایک راستہ ہے کیونکہ اصل تو آپ کی راجحی بینک سے ہی آپ کی خریداری ہو رہی ہے، اور اپنے صرف خاص سے ہی ہو رہی ہے۔

مزید اس پر دلالت کرنے والی بات یہ ہے کہ اگر آپ کی رصید میں ۵۰۰۰ ریال ہیں جو کہ بینک راجحی سے ہیں اور آپ نے کسی دوسری بینک سے ۵۰۰۰ ریال سے تصریف کئے ہیں، پھر راجحی بینک سے حساب طلب کریں تو آپ کے استعمالات

ABM PrintTime

۵۰۰۰ ریال کے ہیں ہوں گے، جس سے معلوم ہوتاہے کہ آپ نے جو بھی کیاہے براہ راست اپنے صرف خاص ہی سے کیاہے۔

اور جہاں تک (4.64) کی بات ہے تو وہ نفع نہیں ہے بلکہ اس عمل پر ان کی اجرت لیتے ہیں کیونکہ اس میں بھی ایک طرح کی محنت ہے، اوراس پر کچھ خرچ بھی آتاہے، جیسے کہ اجرت پر مکان کو لیناجس میں آپ کی اشیاء رکھی جائیں، یااس کی حفاظت بھی ہوتی ہے کہ وہ معطل نہ ہوجائیں، اس پر خرچ ہونے والا کرنٹ اوراس سے جڑے مسائل کی تحلیل کے لئے فون پر بات چیت کی ضرورت بھی پڑسکتی ہے، اوراس جیسی دیگر امور بھی ہیں۔ہاں یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ جو اجرت لی جاتی ہے یہ رسمالی جاتی ہے جوکہ ان کی خدمت پر ہے۔کیونکہ آپ کی خدمت پر ان کی طئے شدہ رقم ہی لی جاتی ہے بھلے ہی آپ کا صرفہ زیادہ ہویاکم ہو۔اوریوں اپنی خدمت پر کچھ لینااس میں کوئی حرج نہیں ہوناچاہئے۔ورنہ یہ لازم آئے گا یہ دوسروں سے مفت خدمت لی جارہی ہے۔

مذکورہ دونوں قول میں دوسراقول ہی جوکہ جواز کاہے وہی صحیح ہے۔

اور جن حضرات نے منع کیاہے ان کا یہ کہنا کہ اس سے اصل پر زائد نفع بھی ساتھ آتاہے تو یہ بات غیر صحیح ہے، کیونکہ یہ امر ہی ایک غیر اصولی بات پر قائم ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص جب کسی دوسرے بینک سے کچھ حاصل کرتاہے تو وہ اسی کے کھاتے سے لیتاہے اوروہ بینک اصل کی طرف رجوع ہوتی ہے اوراپنا حصہ حاصل کرلیتی ہے۔اوروہ اپنی خدمت اور کچھ تسہیلات کی بناپر عمیل سے چار ۴ ریال حاصل کرلیتی ہے۔اوریہ بات اس سے پہلے بھی گذرچکی ہے کہ یہ تصور ہی غیر صحیح ہے۔اس لئے کہ عمیل اس لین دین میں براہ راست اپنے ہی صرف خاص سے ضرورت پوری کرتاہے۔بس اتنی بات رہ جاتی ہے کہ اس نے کسی اوربینک کے طریق سے اس ضرورت کو پوری کیاہے۔اس وجہ سے یہ اعتراض ہی محل نظر ہے، اوراس کی کوئی صحیح اصل اوربنیاد نہیں ہے۔

اور رہاان حضرات کایہ کہنا کہ اس میں اثم اور ظلم میں تعاون ہوتاہے تو یہ بات بھی غیر مسلّم ہے، کیونکہ بینک سے تعلق رکھنے والے ہر معاملہ کو ربوی نہیں کہاجاسکتاہے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے تعامل کیاہے جب کہ

ABM PrintTime

یہود خوب سے خوب اکل ربا کے عادی تھے جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:﴿وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾(النساء: 161)۔

یہ بھی قابل غور بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تھی اس وقت آپ کی درع تیس ۳۰ صاع جو (شعیر) کے عوض ایک یہودی کے پاس مرہونہ تھی جو آپ نے اپنے گھر والوں کے لئے خریدا تھا۔([244]) معلوم ہوا کہ ربوی اور سودی لین دین پر مبنی بینکوں سے ہر تعامل گناہ پر تعاون کی دلیل کو لازم ہو جائے۔ہاں اگر کسی کا معاملہ اس ربوی بینک کو قوت پہنچاتا ہو اور اس میں شریک ہو تو وہ مذکورہ امر اس پر منطبق ہو جائے گا۔جیسے ایک شخص نے اپنے معاملات کو اس ربوی بینک سے جوڑے رکھا اور اس سے معاملہ نہ کرنے کو اپنی اقتصادی معاملہ پر اثر لیتا ہو،اور یوں اس انجبار کے لئے اسے سے مربوط ہو تو یہ لازم آئے گا کہ اس نے اس کو برائی اور گناہ میں تعاون کیا ہے۔اس لئے بینک اور اس کا پورا نظام اس صرفہ پر خاصہ اعتماد کرتا ہے،اور عمیل کے حق میں وہ مقترض ہے۔

اب رہا معاملہ اس میں موجود غرر اور دھوکے کہ تو اس طرح کا استنتاج ہی غلط ہے، جس پر ہی گفتگو ہو چکی ہے۔

دوسری قسم:بطاقات الائتمان غیرالمغطاة:

اس کی تعریف

موتمر اسلامی کے زیر نگرانی چلنے والا ادارہ فقہ اسلامی اکیڈمی نے اپنے بارہویں دورے میں اس کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ:"یہ ایک وثیقہ ہے جو کسی شخص کو بینک اس کے اور اس شخص کے مابین ہوئے معاہدہ کی وجہ سے جاری کرتی ہے، جس سے ایک بغیر کسی رقم خرچ کئے اشیاء کی خریداری یا دیگر ضروریات پوری کی جاسکتی ہیں اور جس سے تاجر بھی مطمئن ہو سکے،اور اس خریدی ہوئی اشیاء کی رقم اس بینک یعنی اس کارڈ کی مدد سے لی جاتی ہے،اور بعض اس کو قرض بھی

---

[244] - الائتمان: ایک جہت سے دوسری جہت کے لئے معینہ یا غیرہ معینہ مدت کے قرض کا التزام کرنا۔دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 541).

دیتی ہیں (کیونکہ سب بینک اس طرح کے قرض کو لاگو نہیں کرتی ہیں) جب کہ یہ کارڈ اس ادائیگی سے معذور ہو جاتا ہے ، اور ایک مقررہ تاریخ تک میں اس کو ادا کرنا ہوتا ہے"۔

اور اس کی مثالوں میں سے ایک ہے بطاقات الفیزا جس کی بہت ساری قسمیں ہیں۔

مذکورہ دوسری قسم کے کچھ اور پہلو:

کریڈٹ کارڈ جو کہ غیر المغطاۃ ہے اس کی کچھ جوانب ہیں جو پانچ سے زائد نہیں ہیں:

ایک پہلو یہ ہے کہ: (عالمی تنظیم)، یہ وہی تنظیم ہے جو کارڈ کے تجارتی علامت کی ملکیت رکھتی ہے اور کریڈٹ کارڈ جاری کرنے والی بینکوں کے اتفاق سے دیگر کارڈس کا اصدار پر ملکیت کے ساتھ اس کی نگرانی بھی کرتی ہے، ان عالمی تنظیموں میں سے جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں: (فیزا تنظیم) اور (ماسٹر کارڈ) اور (امریکان اکسپریس)۔

دوسرا پہلو: (کارڈ جاری کرنے والا ادارہ):

یہ بینک یا کوئی اور انسٹیٹیوٹ ہوتی ہے جو عالمی تنظیم سے اعتماد پر اور اس کے ایک اٹوٹ حصے ہونے کے بقدر کارڈ جاری کرتی ہیں، اور اس اعتبار سے وہ تاجر کو بطور کارڈ ہولڈر کے توکیل پر مضبوط کرتی ہیں۔

تیسرا پہلو: (کارڈ ہولڈر)، یہ وہ کسٹمر ہے جس کے نام پر کارڈ جاری کیا جاتا ہے۔

چوتھا پہلو: (کارڈ پیش کرنے والا)، یہ وہ تاجر ہے یہ وہ شخص ہے جو ایسی جگہ پر براجمان ہوتا ہے جہاں سے کارڈ جاری کیا جاتا ہے، تاکہ مشتری کو جو کہ کارڈ ہولڈر ہے اس کو اس کی مطالبات پوری کی جائیں، یا اس نے جو اشیاء خریدی ہیں ان کو پیش کی جاتی ہیں۔

پانچواں پہلو: (دیگر بینک)، اس کے کچھ پہلو اس میں داخل ہوتے ہیں اور کچھ نہیں، جیسے کہ تاجر کی بینک ہے جو تاجر سے تجارتی رسیدیں اور ڈاکومینٹ حاصل کرتی ہیں اور اس کے ذریعے سے دیگر بینکوں کی تسدید کے لئے متابعہ کرتی ہیں، اور پھر

ABM PrintTime

اس کارڈ کے ذریعے جو اشیاء خریدی جاتی ہیں یا اس کے استعمال میں جو کلفہ ہے اور مزید اس پر قرض ہے ان سب امور کی تنسیق کے لئے یہ بینک کھڑی ہوتی ہیں۔

یہ سارے پہلو کبھی زیادہ اور کبھی کم ہوتی ہیں، اور یہ بینک، کارڈ ہولڈر اور تاجر پر موقوف ہوتے ہیں۔

اس کو جاری کرنے کا شرعی حکم:

فیزا کارڈ اور غیر کریڈٹ کارڈ عموما ربوی شرط پر ہوتی ہیں، اس لئے کہ یہ کارڈ اس کے ہولڈر کو اس امر کے قابل بناتی ہیں کہ اس کے ذریعے سے وہ ایک خطیر رقم حاصل کر سکتا ہے، گرچہ کہ اس کے کھاتے میں کچھ بھی رقم نہ ہو، لیکن اس کی ایک لمٹ ہوتی ہے۔

کچھ بینک ایسی بھی ہوتی ہیں جو ان ضرورتوں کی خاطر ایک عرصہ اس کے استعمال کا مفت بھی رکھتی ہیں اس پر وہ اپنے لئے کچھ فائدہ پیش نظر نہیں رکھتی ہیں، اس اثنا میں اگر وہ اپنی ضرورت پوری کرلیتا ہے تو اس پر کوئی ربوی فائدہ شمار نہیں ہو گا۔ اور یہ فترہ ۴۰ سے ۵۵ دن تک پھیلا ہوا ہوتے۔ اور اگر یہ عرصہ ختم ہو جائے تو یومیہ کے بقدر اس کے حساب سے ربوی فوائد شروع ہو جاتے ہیں۔ ہاں بصورت دیگر یعنی اندرون فترہ معمول ہو جائے تو ربوی فائدہ شمار نہیں ہو گا۔

اور کچھ بینک ایسی ہوتی ہیں جو یہ عمل انجام ہی نہیں دیتی ہیں، جیسے کہ اسلامک بینک ہیں جو اس طرح کے فیزا کارڈ جاری تو کرتی ہیں لیکن اس شرط کے بغیر ہی جاری کرتی ہیں۔

اس اعتبار سے جو کارڈ اس ربوی شرط سے مشروط ہوتے ہیں تو وہ غیر جائز ہیں، اور اس شرط سے خالی ہیں تو اصل جواز ہی ہے۔[245]

موتمر اسلامی سے جڑی عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے اس طرح کا ایک فتوی جاری کیا گیا ہے، اور اس قرارداد کے الفاظ درج ذیل ہیں:

---

245 - دیکھئے: فتوى اللجنة الدائمة رقم (3657)، ورقم (5832)، ورقم (7425)، ورقم (17611)، روقم (17289)، من المجلد (13).

عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی کا فتوی: اور فتوی نمبر108(12/2)، اور یہ فتوی مذکورہ مسئلے سے متعلق ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين، وعلى آله وصحبه أجمعين.

موتمر اسلامی کی تنظیم سے جڑی فقہ اسلامی اکیڈمی کی مجلس نے مملکت عربیہ سعودیہ کی راجدھانی ریاض میں منعقد اپنے بارہویں دورے میں جو ۲۵ جمادی الآخر ۱۴۲۱ھ سے آغاز رجب ۱۴۲۱ھ تک تھا(موافق ۲۳-۲۸ سبتمبر ۲۰۰۰م)۔

فقہ اسلامی اکیڈمی کے اس قرار کے مطابق نمبر 65/1/7 جس کا موضوع (مالیاتی بازار خصوصا کریڈٹ کارڈ) سے متعلق تھا، یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس سے متعلق تفصیلی گفتگو اور اس کارڈ کی بابت شرعی حکم کیا ہے آنے والے دورے میں مفصل بیان کیا جائے گا۔

اور اسی مجلس کے دسویں دورے جس کا نمبر 102/4/10، ہے، اس موضوع سے متعلق آنے والے بحوث سے واقف ہونے اور خصوصا کریڈٹ کارڈ جو کہ غیر المغطاۃ ہے، اس کی بابت ماہرین اقتصادیات اور فقہاء کے مابین ہوئے مناقشات کو سننے کے بعد، اور یہ بھی جاننے کے بعد کے کریڈٹ کارڈ کی اصل تعریف کیا ہے جو اپنے قرار اور فیصلے نمبر 63/1/7، بہر حال کریڈٹ کارڈ جو کہ غیر المغطاۃ ہے اس کا معاملہ یہ ہے کہ:

"یہ ایک وثیقہ ہے جسے بینک ایک شخص کے نام جاری کرتی ہے، یہ دراصل اس فرد اور بینک کے درمیان کا ایک عقد ہوتا ہے، جس کے ذریعے سے کسی تاجر کے ہاں یہ بآسانی سامان کی خریداری یا دیگر خدمات حاصل کر سکتا ہے اور بغیر قیمت ادا کئے بھی یہ تسہیلات حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے کہ اصل بینک اس قیمت کی ادائیگی کی ذمہ دار ہوتی ہے، اور قمیت کی ادائیگی اس کی اصل رقم سے ہوتی ہے، اور کسٹمر کے لئے ایک مقررہ وقت ہوتا ہے، کچھ اس تاریخ سے آگے بڑھنے کی وجہ سے ربوی فائدہ لگاتے ہیں اور کچھ تجار اربینک والے اس کے بغیر بھی پورا کرتے ہیں۔"

ABM Print Time

اس تعریف کے پیش نظر فقہ اسلامی اکیڈمی نے یہ فیصلہ لیا ہے:

1)- پہلی بات یہ ہے کہ: ایسا کریڈٹ کارڈ جو کہ غیر المغطاۃ ہے یہ جائز نہیں ہے، اس سے لین دین بھی صحیح نہیں ہے، یہ اس وقت ہے جب کہ اس میں ربوی فائدے کی شرط لگادی گئی ہو، گرچہ کہ بینک یا کسی تاجر کی طرف سے کارڈر ہولڈر کے لئے دیا جانے والا ایک عرصہ جس میں وہ اپنی بھرپائی کرلیتا ہے، اور کچھ عرصہ کے لئے مفت کی اجازت بھی دی جاتی ہے، لیکن اس شرط کی وجہ سے جو کہ فی الواقع بعد ہی میں لگنی والی ہے، اس لئے جائز نہیں ہے۔

2)- دوسری بات یہ ہے کہ اگر اصل قرض پر ربوی شرط نہ لگائی گئی ہو تو اس کریڈٹ جو کہ غیر المغطاۃ ہے وہ جائز ہے۔

اس مسئلے کی کچھ شقیں بھی ہیں:

ا)- اس کارڈ کو جاری کرنے والی بینک جب اس کارڈ کی تجدید کرتی ہیں، یا اس کے بند ہو جانے پر یا کسی اور صورت کی وجہ سے اس پر ہونے والی خدمت پر کوئی اجرت لیتی ہیں تو وہ جائز ہے۔

ب)- بینک والوں کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ کارڈ ہولڈر بینک کی وساطت سے کوئی چیز خریدتا ہے تو اس سے یہ کہا جائے کہ یہ چیز اس کارڈ سے خریدنے کی وجہ سے اصل بائع نے یہ قیمت لگائی ہے۔

3)- تیسری بات یہ ہے کہ: اس کریڈٹ کارڈ کے ذریعے سے کارڈ ہولڈر جو نقدی قیمت نکالتا ہے، وہ دراصل اس کے جاری کرنے والے کی طرف سے وہ قرض لیتا ہے، اگر اس میں ربوی فائدہ نہیں ہے تو اس کے جائز ہونے میں کوئی مانع نہیں ہے، اور اس پر جو مزید خدمات کی وجہ سے قیمت لی جاتی ہے اس کا شمار نہیں ہوتا ہے، ورنہ ہر زائد رقم جو لیا جاتا ہے وہ محرمات میں سے ہے، اس لئے کہ یہ ازدیاد شرعا حرام کی قبیل سے ہے، جیسے کہ فقہ اسلامی اکیڈمی نے اپنے قرار نمبر 13 (10/2) اور 13 (1/3). اپنے فیصلے کو واضح کیا ہے۔

4)- چوتھی بات یہ ہے کہ مذکورہ اس بطاقہ سے سونا اور چاندی کی خریدی نہیں کی جا سکتی ہے۔

والله سبحانه وتعالى أعلم.

یہاں اس بات کا لحاظ کرنا ہوگا کہ فقہ اسلامی اکیڈمی نے صرف ایسے کریڈٹ کارڈ کے استعمال کو عدم جواز پر محمول کیا ہے جس میں زائد رقم کی ربوی شرط لگائی گئی ہو۔

ABM PrintTime

اس کی وجہ یہ ہے کہ: اس کارڈ کے ذریعے اس کا مالک اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہ بہت ساری مالی اشیاء کی خریدی کرلیتا ہے، جب کہ کبھی کبھار اس کی اصل کھاتے میں کوئی رقم ہی نہیں ہوتی، لیکن اس کی اس تسہیلات یوں ہی نہیں دی جاتی ہیں بلکہ کچھ تجار اور کچھ بینک اس میں ربوی فائدہ رکھتے ہیں، گرچہ کے اس کے لئے ایک وقت مفت بھی دیا جاتا ہے جو ۴۰ سے ۵۵ دن پر محیط ہوتا ہے، اگر اس شخص نے اس قیمت کو مقررہ وقت میں لوٹادے تو اس پر کوئی زائد چارج نہیں ہوتا ہے، لیکن اس کے ختم ہونے کے بعد یومیہ کے بقدر اس پر چارج شروع ہو جاتا ہے، جو کہ عین ربا ہے۔ اس شرط کی وجہ سے فقہ اسلامی اکیڈمی نے اس کے عدم جواز کا فتوی جاری کیا ہے، اور یہ حقیقت میں دو امر کی وجہ سے غیر جائز ہی ہے، اور وہ یہ ہیں:

امر اول: اس عقد میں کارڈ ہولڈر کی طرف سے دستخط کیا جانا اپنے آپ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص نے اس ربوی شرط پر اپنی رضامندی اور آمدگی رکھتا ہے، گرچہ کہ اس نے اس بات کی ٹھان لی ہو کہ اس عرصہ ہی میں وہ رقم لوٹا دے گا جو کہ مفت خریداری کا عرصہ ہے جس کی قیمت بعد میں لوٹادی جاتی ہے، تب بھی اس کی محض دستخط کی وجہ سے یہ ربا سے رضامندی کی وجہ سے حرام ہے۔

امر ثانی: انسان اس سے بہر حال ناواقف ہی رہتا ہے کہ مستقبل میں اس سے کیا ہونے والا ہے، ہاں گرچہ کے اس نے یہ عزم کرلیا ہو کہ وہ اس عرصہ میں کسی طور سے بھی قیمت ادا کر دے گا، لیکن کبھی کچھ ناگہانی امور کی وہ زد میں آسکتا ہے، اور اس صورت حال کی وجہ سے وہ ملنے والی اس مدت میں بھی ادا نہ کرسکے، اس کے قوی امکانات ہیں۔

البتہ یہ کارڈ اگر اس شرط ربوی سے پاک ہیں تو اس کے جاری کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے، پھر جب کہ بہت ساری اسلامک بینک اس طرح کے کارڈ جاری کرتے ہیں جس میں اس ربوی شرط کی کوئی بات نہیں ہوتی ہے۔

مذکورہ کریڈٹ کارڈ سے متعلق کچھ احکام: جس کی طرف فقہ اسلامی اکیڈمی کا فیصلہ بھی بتلایا گیا تھا۔

کریڈٹ کارڈ جاری کرتے ہوئے اس پر صرف ہونے والی قیمت بطور اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کو ربوی فائدہ نہیں کہا جائے گا، جس طرح فیزا کارڈ کی بات ہے اس میں کبھی تجدید اور کبھی ابتداء ہی اس کے جاری کرنے میں اسی طرح کے دیگر خدمات کی وجہ سے اس پر جو اجرت لی جاتی ہے اس کے جواز میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اس سے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بینک جو کہ اس کارڈ کو جاری کرتی ہے کسی چیز کو فروخت کرتے ہوئے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی شیٔ کی قیمت جو کہ تاجر کو مقصود ہے اس قیمت پر بیچ سکتی ہے۔

مثال کے طور پر: فیزا کارڈ سے جو اشیاء خریدی جاتی ہیں اس میں نسبۃً کچھ حصہ کاٹا جاتا ہے، جب کہ دیگر بینکوں سے ایسی کٹوتی نہیں ہوتی ہے، اس طرح کی کٹوتی بس ایک شرط پر جائز ہے، کہ تاجر جس قیمت پر بیچتا ہے اسی قیمت پر اس کو فروخت کیا جائے، اس لئے کہ کارڈ ہولڈر اور بینک کے مابین قرض والا معاملہ ہوتا ہے، اس طرح کی زائد رقم سے ربوی شرط معلوم ہوتی ہے، البتہ سمسار کی اور دلال کی شکل ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس طرز لین دین میں بطور حکم یہ بھی ہے کہ اس کارڈ کے ذریعے جو رقوم لئے جاتے ہیں وہ قرض کے حکم میں ہے، البتہ یہ جائز ہے لیکن اس میں ربوی شرط نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں جو زائد رقم لی جاتی ہے اس کی کچھ تفصیل ہے:

اگر اس کارڈ کے ذریعے جو رقم لی جاتی ہے وہ ہاتھ سے ہاتھ لی جاتی ہے یعنی آمنے سامنے تو اس پر کسی طرح کی زائد رقم لینا غلط ہے، اور یہ عین ربا شمار ہوگا، اس لئے کہ اس میں کسی طرح کی کوئی محنت درکار نہیں ہوتی ہے۔ اور عادۃ اس میں کوئی مشقت نہیں ہوتی ہے۔

اور اگر اس میں دی جانے والی رقم میں مصنوعی آلات کا دخل ہے تو اس کے برابر اس کی اجرت لی جاسکتی ہے، لیکن اس پر بھی اجرت سے بڑھ کر کوئی قیمت نہیں لی جاسکتی ہے۔ جیسے کہ فقہ اسلامی اکیڈمی نے فتوی جاری کیا ہے کہ: "ہر وہ زائد رقم جو عملی خدمت سے بڑھ کر لی جاتی ہے وہ حرام ہے، کیونکہ وہ شرعا ربا ہے"۔ ہاں تو اپنی خدمت پر زائد رقم لی جاسکتی ہے، لیکن دو شرطوں کی بنیاد پر:

امر اول: زائد رقم جو لی جاتی ہے وہ طئے شدہ ہو کہ اس پر اتنی اضافی رقم لی جائے گی۔ کیونکہ فیصد رکھنے کی صورت میں ربوی بو آتی ہے۔

امر ثانی: زائد رقم حقیقت میں اپنی خدمت پر ہی وصول کی ہوئی ہو، اور خدمت پر بھی اتنی ہی رقم لی جائے جتنی کہ طئے شدہ ہو۔

ABM Printline

مذکورہ کریڈٹ کارڈ کے شرعی احکامات میں سے یہ بھی ہے کہ اس سے سونااور چاندی سمیت نقدی بھی نہیں خریدے جاسکتے ہیں، اس لئے کہ اس میں بطور قبض کے وقت موجل درکار ہوتا ہے۔

مثلا: ایک شخص نے فیزا کارڈ سے سونا خریدا تو اس نے تقابض کی صورت میں مالک سے براہ راست نہیں خریدا ہے، بلکہ یہ قیمت مالک دوکان کو بعد میں دی جاتی ہے۔

البتہ کچھ معاصر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں کہ اس کارڈ کے ذریعے سے سونااور چاندہ اور نقد بھی خریدے جاسکتے ہیں، گو کہ اس میں تاجیل ہے، لیکن صورت تصریف یدا بید ہی ہے، اور تاجر حضرات کافی مطمئن ہوتے ہیں کہ انہیں اس کی قیمت مل ہی کے رہے گی، اس لئے اس کاروبار میں جو سیکورٹی ہے وہ کافی مضبوط ہے، اور بائع و مشتری اس عقد کو پورا کرکے الگ ہوتے ہیں اوران دونوں کے مابین کوئی خلش نہیں ہوتی ہے، یہ نہایت مضبوط قول ہے، اللہ ہی کار خیر کی طرف توفیق دینے والا ہے۔

ABM PrintTime

نویں فصل

انشورنس

ABM PrintTime

(1)- پہلی مبحث: انشورنس کی حقیقت اوراس کی انواع:

انشورنس کی تعریف:[246]

یہ ایک ایسانظام ہے جو تعویض یا خیرات دینے کی امر پر قائم ہے، یاپھران دونوں سے یہ مختلط ہے، اس نظام سے یہ لازم آتاہے کہ اگر کوئی حادثہ ہو جائے تواس کے انجبار کی صورت میں تعویضا کچھ دے دیا جاتاہے، اوراس قبیل (247) سے کچھ اداکر دیا جاتاہے۔ اوراب یہ مصطلح اسی معنی میں رائج ہے، اور عالمی سطح پر یہ معروف ہے۔

انشورنس کی اقسام: اس کی دوقسمیں ہیں۔

---

246 - انشورنس کی ابتداء حال ہی میں ہوئی ہے، اس کا آغاز اور پہلا ظہور تواٹیلی شہر میں چودھویں صدی عیسوی میں ہواہے، جب کچھ تاجر لوگ بحری سفر میں خطرات کو محسوس کیا جس سے کشتیاں یااس میں موجود سامان کو خطرہ لاحق ہورہاتھا، اور جس سے انہیں خشکی میں کافی بھاری بھرکم خرچ آیاکرتاتھا، اورایک ناگہانی حادثہ جو ۱٦٦٦م لندن میں ایک کشتی کو زبردست آگ نے جلاکررکھ دیاتھا، تواس وقت اس انشورنس کا ظہور ہوا۔ اوراس بڑے حادثے کے نتیجے میں ذاتی مسوولیت کامسئلہ سامنے آیاکہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تووہ اپنے آپ کو نقصان سے بچانے یااس کی بھرپائی کے لئے ذاتی اقدامات کرلے، جیسے کہ اس کی گاڑی، اوراس کے عمل اور کام سے متعلق یااس کی حرفت اورپیشہ سے متعلق کوئی نقصان پہنچ جائے تواس کی مسوولیت خودہے کے ذمے ہوگی۔

پھریہ فکرہ عام ہوتاگیا اوراس میں تنوع پیداہواکہ زندگی کی ساری اشیاء اس سے جڑتی چلی گئی، جیسے کسی کا سامان چوری ہوگیاتو اس کا انشورنس، کھیتوں کو نقصان پہنچ گیاتو اس کا انشورنس، ہوائی اورآسمانی آفتوں سے بھرپائی کے لئے انشورنس، حتیٰ کے انسان کی زندگی سے متعلق انشورنس، پھر کمپنیوں نے انشورنس کو عام کیاکہ انسانی افراد کو خطرات سے بچانے کے لئے جوان کی شخصیتوں، اموال کو خطرات سے بچاتی ہیں، بلکہ بعض حکومتیں توان کی رعایا کو اجباری طورسے اس کاپابندبناتی ہیں۔

دیکھئے: الوسيط (ص 1096)، عقد التأمين وموقف الشريعة الإسلامية، لمصطفى الزرقاء: (ص 34 وما بعدها)، الربا والمعاملات المصرفية للدكتور عمر المترك (ص 404).

247 - دیکھئے: الربا والمعاملات المصرفية للدكتور عمر المترك (ص 403)، والوسيط: للدكتور عبد الرزاق السنهوري (ج 2/ص: 7).

ABM Print Time

(1)- میوچل انشورنس (تعاونی یا تبادلی انشورنس): ([248])([249])

(1)- تجارتی انشورنس: ([250])

---

248 - تعاونی انشورنس: یہ وہ انشورنس ہے جس میں درپیش مسائل اور آفتوں سے نمٹنے کے لئے کچھ لوگ جمع ہو جاتے ہیں، تا کہ آپس میں کچھ رقم جمع کرکے ان کی مدد کی جائے جو حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں، رقم زیادہ ہونے کی صورت میں اراکین کو اس سے کچھ لینے کا بھی حق رہتا ہے، بصورت دیگر اراکین کو اضافی رقم ڈالنی پڑتی ہے، اور اس خسارے سے بچنے کے لئے ہر کوئی اپنی ذات کے لئے مسوول ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی امین کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے کہ دوسروں کے حق میں خسارہ کی تخفیف کا باعث بن جاتا ہے، اس شرکت میں کسی کا بھی مادی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

دیکھئے: بحث في التأمين للدكتور الصديق محمد الأمين الضرير (ص: 441)، من كتاب أسبوع الفقه الإسلامي، والربا والمعاملات المصرفية للدكتور عمر المترك (ص: 403).

249 - تعاونی انشورنس کی کچھ اور صورتیں بھی ہیں: ایک صورت یہ بھی ہے کہ حکومتیں اپنے موظفین کی ماہانہ آمدنی میں سے کچھ رقم کم کرکے دیتے ہیں، پھر جب وہ بیمار پڑ جائیں، یا کام سے عاجز ہو جائیں، یا ان کا انتقال ہو جائے یا کسی اور حادثے کا شکار ہو جائیں تو ایسی صورت میں ان کی رقم واپس لوٹا دی جاتی ہے، اس عمل میں حکومت کا کوئی ذاتی فائدہ یا مادی اور کسبی فائدہ نہیں ہوتا ہے، اور اس شکل کو تقاعدیعنی ریٹائرڈ ہونے والوں سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اسی کو اجتماعی انشورنس کہتے ہیں۔

اس تعاونی انشورنس کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کچھ خیراتی ادارے اور اس سے جڑے اراکین اپنی طرف سے کچھ رقم جمع کرتے ہیں تا کہ بروقت مجبور اور نادار لوگوں کی مدد کرسکیں، اس سے بھی ان کی تجارت اور ذاتی فائدے مقصود نہیں ہوتے ہیں، انہیں اداروں میں سے وہ کمپنیاں ہیں جو شرعی ضوابط کی روشنی میں تعانی انشورنس امور میں حصہ دار ہوتی ہیں۔

دیکھئے: حكم الشريعة الإسلامية في عقود التأمين لحسان بن؟؟؟ (ص: 31)، والمعاملات المالية المعاصرة للدكتور عثمان شبير (ص: 94).

250 - تجارتی انشورنس: یہ ایک طرح کا عقد ہے جس میں انشورنس کرانے والا اس کمپنی سے جو انشورنس دیتے ہیں اپنے ناگہانی حادثات سے ہونے والے نقصان کی تلافی مقصود ہوتی ہے، یا پھر محض نقصان کے متحقق ہونے سے ہی یہ مرتب ہو جاتا ہے، اس کے لئے جو انشورنس کرانے والا ہے جو قسطوں میں ایک ہی مرحلہ میں مطلوبہ رقم جمع کر دیتا ہے۔ اور یہ رقم سے اس کی بہت ساری مشاکل قانون احصاء کے موافق ختم ہو جاتی ہیں۔

دیکھئے: عقود التأمين من الناحيتين التأمينية والقانونية لجمال الحكيم: (ج1/ص: 33)، المعاملات المالية المعاصرة للدكتور عثمان شبير (ص: 98).

ABM Print

انشورنس کی یہ شکل فقہائے متقدمین کے ہاں معروف نہیں تھی اسی لئے اس صورت کو اہل علم نے عصر حاضر کے نوازل میں شمار کیاہے۔ گرچہ کے ابن عابدی الشامی رحمہ اللہ نے در مختار([251]) کی حاشیہ میں اس کی بعض انواع کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن دیگر قدیم فقہاء کاہاں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتاہے۔

(2)-دوسری مبحث: انشورنس کا شرعی حکم:

اس کا حکم: معاصر اہل علم نے اس کے حکم میں اختلاف کیاہے، اس میں مختلف آراء ہیں:

پہلا قول: انشورنس کی جمیع انواع سمیت مطلقاجواز، چاہے وہ تعاونی انشورنس ہویاتجارتی انشورنس، اس رائے کے جو سب اہم حامی ہیں وہ شیخ مصطفی الزرقاء([252]) حمہ اللہ ہیں، بلکہ مطلقاجواز کاسب سے پہلافتوی بھی آپ ہی نے جاری کیاہے۔

دوسرا قول: تجارتی انشورنس حرام ہے لیکن تعاونی انشورنس جائزہے۔ اوریہ اکثر معاصر اہل علم کا قول ہے([253])۔ اور اسی قول پر سارے ہی فقہ اکیڈمیوں کا اتفاق ہے، رابطہ عالمی اسلامی کے تابع چل رہی فقہ اکیڈمی، موتمر اسلامی سے جڑی عالمی فقہ اکیڈمی، ھیئۃ کبار علماء([254]) اور مملکت عربیہ سعودیہ میں موجودافتاءاور علمی بحوث کی چھان بین پر مشتمل اہل علم کی کمیٹی جو اللجنۃ الدائمۃ سے معروف ہے، ان سبھوں کادوسرے قول پر اتفاق ہے۔([255])

تجارتی انشورنس کے قائلین جواز کے دلائل:

---

[251] - دیکھئے: حاشية ابن عابدين: (ج4/ص: 170).

[252] - دیکھئے: نظام التأمين له (ص: 27).

[253] - دیکھئے: الربا والمعاملات المصرفية، للمترك (ص: 406)، المعاملات المالية المعاصرة، لمحمد شبير (ص: 95)، حاشية ابن عابدين (ج2/ص: 171)، العقود (ص: 605).

[254] - دیکھئے: أبحاث هيئة كبار العلماء قرار 10/5 (ج4، ص: 307)، وقرار رقم (55)، ورقم (51).

[255] - دیکھئے: فتوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء، المجلة 15 قيمة أكثر من 30 فتوى.

ABM Print Time

1)- **پہلی بات:** انشورنس میں ایک بڑی مصلحت ہے، اوراس میں موجود غرر اردھو کہ اس میں موجود مصالح کی وجہ سے مغتفر اور معفو عنہ ہے، اور بعض معاہدے ایسے ہیں جس میں غرر ہونے کے باوجود محض اس میں مصالح ہونے کی وجہ سے شریعت نے ان عقود کی اجازت دی ہے۔ جیسے "جعالۃ" ہے، اس عقد میں غرر بھی ہے اور جہالت بھی، لیکن شریعت نے اس میں موجود فوائد کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیاہے، اسی طرح انشورنس کا معاملہ بھی ہے۔

اس کی ایک مزید دلیل یہ بھی ہے کہ فی الحال سارے ہی ممالک اس نظام کو لینے میں متفق نظر آتے ہیں، یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ سارے ہی عقلاء یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں سبھوں کی خیر خواہی اور مصلحت موجود ہے۔

2)- **دوسری بات:** تجارتی انشورنس کو عاقلہ پر قیاس کرنا:

عاقلہ کی شکل یہ ہے کہ اگر کوئی انسان کسی کے قتل کا سبب بن گیاہو یا شبہ عمد والی بات بھی ہو تو اس کے گھر والے ہی اس کی طرف سے دیت ادا کریں گے، اور شرعی نقطہء نظر سے ان پر یہ لازم ہے، اس طرح سے یہ عاقلہ انشورنس کی ایک نوع ہے۔ اگر عاقلہ جائز ہے تو انشورنس بھی بغیر تخصیص کے مطلقا جائز ہے، یعنی تعاونی سے مختص نہیں ہے۔

3)- **تیسری بات:** تجارتی انشورنس کا نظام تقاعد پر قیاس کرنا:

تقاعد بھی انشورنس کی ایک نوع ہے، اس طرح سے کہ ایک موظف سے اس کی ماہانہ آمدنی سے ایک حصہ روک لیا جاتا ہے، پھر جب وہ ریٹائرڈ ہوتا ہے تو اس کی ساری قیمت اس کو لوٹا دی جاتی ہے کبھی کبھار تو اس کی رقم سے بڑھ کر ملتی ہے اور کبھی کم، تو یہ انشورنس کی ایک صورت ہے جو تجارتی انشورنس کے قائلین کو لازم کرتی ہے کہ وہ اس نظام کو بھی جو بالآخر بطور راتب کے متقاعد کو دی جاتی ہے حرام ہی کہیں۔

4)- **چوتھی بات:** تجارتی انشورنس کا عقد الحراسہ پر قیاس کرنا:

جس طرح سے آپ گھر یا راستوں کی حفاظت کے لئے ایک نگران مقرر کرتے ہیں، تو اس کی طرف سے ملنے والی امان پر اس کو کچھ عطا کرتے ہیں، آپ نے تو بس اس سے صرف امان ہی سے استفادہ کئے ہیں، اسی طرح تجارتی انشورنس بھی ہے ، آپ کمپنی پر کچھ خرچ کرتے ہیں اور اس کے بدلے کبھی کچھ حادثہ ہو جائے تو اس سے امان کا حصول کرتے ہیں۔ تو جس

ABM Print Time

طرح نگرانی پر جو کہ امن کا ضامن ہے بطور مال کا عطیہ دے کر حصول ہوتا ہے، اسی طرح یہ تجارتی کمپنیاں بھی امان عطا کرتی ہیں اور اس کے مقابل تعویضا مال لیتی ہیں۔

تجارتی انشورنس کی بابت مانعین کے دلائل:

1)- **پہلی بات:** یہ تجارت واضح دھوکے پر مبنی ہے، یہ عقد غرروالی تعویض پر مشتمل ہے، اس لئے انشورنس کا طالب وقت عقد اس امر کی مالہ وماعلیہ سے قطعاناواقف رہتاہے، کتنی مقدار میں رقم دی ہے اور کتنی نہیں، کبھی ایک آدھ قسط ادا کیاہوا ہوتا ہے کہ کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے اور بدلے میں کئی گنا رقم حاصل کرلیتاہے، اور بسا اوقات ساری قسطیں ادا کر دیتاہے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

ان تجارتی انشورنس کمپنیوں کا بھی یہی حال ہے کہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں کیا ملاہے اور کیا نہیں، کبھی خوب فائدہ ہو جاتاہے اور کبھی غیر معمولی خسارہ، اس میں جو غرر ہے وہ واضح ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر سے منع فرمایاہے۔

2)- **دوسری بات:** یہ تجارتی انشورنس مقامرہ (جوا) کی ایک نوع ہے، اور امور مالیات میں اس کی خطورت بین ہے، اس لئے کہ مستامن ایک قسط ادا کیاہوا ہوتا ہے کہ ایک حادثہ کی وجہ سے یہ کمپنیاں انہیں اس کی ادا کی ہوئی قیمت سے زائد دیتی ہیں، اور کبھی کوئی خطرہ لاحق نہ ہونے کی صورت میں مستامن کی ساری قسطیں ان کے کھاتے میں چلی جاتی ہی اور بغیر کسی خدمت کے، ظاہر ہے کہ یہ مقامرہ کی ایک نوع ہے۔

3)- **تیسری بات:** تجارتی انشورنس یہ سود کی دونوں (الفضل/النسیئة) قسموں کو شامل ہے۔ اس لئے کہ اگر موم ّن مستامن کو اس کی ادا کی ہوئی قیمت سے بڑھ کر دے تو یہ ربا الفضل ہے، کیونکہ یہ اصل مال سے زائد ہے اور تفاضل ہے۔ اور یہ مال جو پورا دیا جاتاہے وہ عقد کی مدت اختتام پر دیا جاتاہے، تو ایسی صورت میں یہ ربا النسیئہ ہے، اور اگر یہ کمپنیاں مستامن کو اتنا ہی دیتی ہیں جتنا کہ اس نے ادا کیاہے یعنی بغیر زیادتی اور بغیر نقصان کے تو یہ صرف ربا النسیئہ ہوگا۔

ABM PrintTime

4)- چوتھی بات: تجارتی انشورنس یہ رھن کی حرام شکل ہے،اس لئے کہ اس امر میں جہالت،غرر،اور مقامرہ ہے،اوراسلام صرف اس بات کی اجازت دیتاہے جس میں اسلام اوراس کے دلائل وبراہین کی نصرت کارفرماہویاپھر اونٹ،گھوڑااور ہتھیاروغیرہ میں اجازت دیتاہے۔

5)- پانچویں بات: تجارتی انشورنس کے نظام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس میں بغیر کسی عمل اور خدمت کے کسی کا مال لیناہوتاہے،اوررب العلمین نے فرمایا:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾(النساء: 29)۔

مسئلہ تعاونی انشورنس:

یہ انسانوں کا آپسی تعاون اور تکافل کی ایک صورت ہے،اس میں کسی طرح کی کوئی منفعت اورتبادلہ پیش نظرنہیں ہوتاہے،کیونکہ اس طرح کے امور کی شریعت اجازت دیتی ہے،اس کے دلائل میں سے ایک:

1)- حدیث الاشعریین: ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ الْأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الْغَزْوِ أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ فَهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ»[256]

2)- اسلام میں جودیت کا معاملہ ہے وہ بھی اسی تعاونی انشورنس کے قائم مقام ہے۔

3)- تیسری بات یہ ہے کہ اگرہم شریعت اسلامیہ کے قواعد اوراس کے مقاصدپر غورکریں تومعلوم ہوتاہے کہ اس میں تکافل اورباہم تعاون کی مکمل اجازت اور ہمت افزاپیغام ہے،مثلا: قرض کی بات لے لیں،اس میں اصل حرام ہے،کیونکہ اس میں مال کے بدلے مال لیاجاتاہے اور تقابض بھی نہیں ہوتاہے،لیکن اسلام نے اس کی اجازت دی ہے اس لئے کہ اس میں ارفاق اوراحسان مقصودہوتاہے،اگراس میں کسب اورمنفعت پیش نظرہوتومطلقا حرام ہے کیونکہ قرض میں یہی اصل ہے۔

---

256 - أخرجه البخاري، كتاب الأشربة، باب الشركة في الطعام والنهد والعروض (ح 2486).

ABM PrintTime

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات قرار پاتی ہے کہ شریعت باہم تکافل اور تعاون ہو تو اجازت دیتی ہے بصورت دیگر جیسے تبادلہ یا ربح ہو تو اجازت نہیں دیتی ہے۔

ترجیح:

مذکورہ دونوں اقوال میں جو بات زیادہ صحیح ہے وہ قول-واللہ أعلم - جس پر معاصر جمہور اہل علم ہیں۔ اور وہ ہے تجارتی انشورنس اور تعاونی انشورنس میں فرق کرنا ہوگا، یوں تجارتی انشورنس حرام ہے اور تعاونی جائز ہے۔

قائلین کا یہ کہنا کہ اس میں مفاد عامہ کا لحاظ رکھا گیا ہے، تو واضح ہو جانا چاہئے کہ شریعت میں مصالح عامہ کی تین اقسام ہیں:

1)- شریعت نے جس قسم کا اعتبار کیا ہے وہی معتبر ہوگی۔

2)- اور شریعت نے جس قسم کو معطل کیا ہے وہ غیر معتبر شمار ہوگی۔

3)- اور شریعت نے جس قسم پر خاموشی اختیار کی ہے، وہ مصالح مرسلہ میں معدود ہوگی، اور یہی وہ قسم جو محل اجتہاد رکھتی ہے۔

اور انشورنس پر ہونے والے عقود اور معاہدے اس میں شرعی نقطہء نظر سے بہت ساری نافرمانیاں پائی جاتی ہیں، جو کہ مانعین کے دلائل کے ذکر میں پیش کی جاچکی ہیں، یعنی یہ وہ قسم ہے جس کو شریعت نے اس میں موجود منکرات اور اس کے مصالح پر اس سے مرتب ہونے والی مفاسد کے غلبہ کے پیش نظر ملغا کر دیا ہے۔

اور قائلین کا عاقلہ پر قیاس کرنا، اس کا جواب کچھ اس طرح ہے کہ:

یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ اس میں اصلا قرابت داروں کی طرف سے دیت ادا کر کے قاتل اور مقتول کے گھر والوں کے حق میں تکافل اور تعاون کی طریق سے نصرت اور مدد پیش کرنا ہوتا ہے، بھلے ہی اس میں تبادلہ نہیں ہوتا ہے لیکن تعاون اصل کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں تعویض یا ربح کا کوئی عنصر نہیں ہوتا ہے، جب کہ انشورنس ایک ایسا عقد ہے جو تجارت اور معاوضہ و ربح پر مبنی ہے، لوگوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اس تجارتی انشورنس میں انسانوں کی عواطف کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، اس میں رفق اور احسان کے کوئی بھی جزء نہیں ہوتا ہے۔

ABM Print Time

قائلین کا نظام تقاعد پر قیاس کرنا، اس کا جواب یہ ہے کہ:

یہ بھی قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ اس میں موظفین کی ذاتی رقم جو کہ دوران عمل ولی الامر کی طرف سے روک لی گئی تھی، اس میں ولی الامر کی اپنے موظفین کی رعایت اوران کی سہولت اوران کی حاجتوں کا خیال رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ اور پھر موظف کے عمل اوراس کی خدمت پر جو صرف کیا جاتا ہے، اسی طرح واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔

مزید یہ بات بھی پیش نظر ہونا چاہیئے کہ موظف کی جو رقم ہوتی ہے اس میں حکومت مزید کچھ عطیہ دیتی ہے، وہ اس طرح سے حکومت اس کی آمدنی کا جو حصہ روک رکھتی ہے اس میں اپنی طرف سے ایک حصہ بھرتی بھی ہے، تو اس محض مالی معاوضہ نہیں ہے، بلکہ حکومت کا اپنے موظفین کے تیئں جذبہ احسان ہے کہ ان کی خاطر کوشش کرتی ہے، اور یہ عمل تو تجارتی انشورنس کے عین مخالف ہے، جو نظام کے محض معاضہ پر قائم ہے، اور کمپنیاں اپنے اس عمل میں صرف کسب اور اس کے نتیجے میں ربح کا خیال رکھتی ہیں، تو ان دونوں نظاموں میں فرق ہے، اسی لئے یہ قیاس کسی طور سے بھی صحیح نہیں ہے۔

مستزادیہ کہ اگر موظف اپنے ریٹائرڈ ہونے سے قبل ہی سبکدوشی کرنا چاہے تو اس کی اب تک کی کٹوتی پوری کی پوری مل جاتی ہے، ہاں اگر وہ اپنے عمل کی تکمیل ہی کرتا ہو کٹوتی سمیت حکومت کی طرف سے کچھ عطیہ بھی ملتا ہے، اور اگر اس موظف کا انتقال ہو جائے تو اس کی کٹوتی اس کے وارثین کو دی جاتی ہے، لہذا اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس تجارتی انشورنس اور نظام تقاعد میں کافی فرق ہے۔

قائلین کا "الحراسہ" پر قیاس کرنا: اور اس کا جواب:

یہ بھی قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ "امان" کا عقد سے کوئی علاقہ نہیں ہے، اس لئے کہ تامین میں ادا کی جانی والی رقم نظام اقساط پر مبنی ہے، جب کہ حراسہ اور نگرانی میں اجرت دی جاتی، اور اس کی طرف سے ملنے والا "امان" اس کی غایت

ABM PrintTime

اور نتیجہ ہے، اس لئے کہ اگر حارس سے محروس فوت ہو جائے تو وہ اجرت سے بھی محروم ہو جانا چاہئے، اور واقعہ یہ ہے کہ حارس کسی طور سے بھی اجرت سے محروم نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ "امان" عقود میں سے نہیں ہے۔

ایک مسئلہ کی وضاحت:

تعاونی انشورنس کی ایک صورت یہ ہوتی ہے جس کو "صنادیق الاسر والعوائل" کہتے ہیں، یعنی ایک خاندان کے افراد اپنے طور سے ماہانہ کچھ رقم جمع کرتے رہتے ہیں، اور جب کبھی کوئی حادثہ ہو جائے اور اس حادثہ کی وجہ سے کوئی بہت زیادہ محتاج ہو تو اس جمع شدہ رقم میں سے وہ اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے۔

تجارتی انشورنس پر کسی کو مجبور کرنا:

تجارتی انشورنس میں حصے لینے پر اگر کسی کو مجبور کیا جائے تو وہ اس میں حصہ لے سکتا ہے، کیونکہ وہ شرعا مجبور ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا وہ مکلف نہیں ہے۔

لیکن جب وہ اس انشورنس کا حصہ بن جائے اس اعتبار سے کہ وہ مجبور ہے، اور جب کسی حادثہ کا شکار ہو جائے پھر انشورنس کمپنی کو لازم کر دے کہ وہ اس حادثہ سے ہونے والے نقصان کی تلافی کرے، یا کسی کو اس کے حق میں مکلف بنادے ، مثلا کسی کار کا جو حادثہ کا شکار ہو گئی ہے، اس کو کمپنی اس کی طرف سے ادا کی ہوئی قیمت سے بڑھ کر دے، اس طرح سے کہ اس نے ساری قسطوں میں سے صرف دو قسطیں جمع کی ہیں۔ فرض کر لیں کہ دو قسطوں کی قیمت ۵۰۰ ریال ہے، پھر حادثہ کی وجہ سے کمپنی پر لازم ہو گیا ہے کہ وہ اس کی تلافی میں ۳۰۰۰ تین ہزار ریال خرچ کریں، تو ایسی صورت میں اس نے اپنی طرف سے ادا کی ہوئی قیمت سے بڑھ کر حاصل کر رہا ہے، تو اس عطیہ کا کیا حکم ہے؟ تو اس مسئلہ میں معاصر اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔

پہلا قول: اس کے لئے صرف اتنا ہی لینا جائز ہے جتنا کہ اس نے ادا کیا ہے، مثلا اس نے صرف ۵۰۰ ریال ادا کئے ہیں تو صرف اتنی ہی رقم لے، اس لئے کہ اس سے زیادہ لینے کی صورت میں کسی کے مال کو بغیر حق کے لینے کے برابر ہے، اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا لازم ہو گا۔

ABM PrintTime

دوسرا قول: اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا ادا کیا ہوا مال لے لے، بھلے ہی اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ جب دفع اور ادا کرنا طئے ہے تو پھر لینا بھی جائز ہے، اور شرعی قاعدہ بھی ہے کہ "الغنم بالغرم" اور "الخراج بالضمان"۔ اور یہی صورت عدل سے اقرب ترین ہے۔ اس لئے کہ اس شخص کو یا اس کی کسی شیء کو نقصان نہ پہنچتا تو اس سے کافی مال لے لیا جاتا، تو ایسی صورت میں ہم اس طرح کے لوگوں کو کیا سبق دیں گے؟ کہ اگر آپ کے خلاف ہو تو جتنی چاہے خطیر رقم ہو خرچ کرتے رہو، اور اگر آپ کے حق میں ہو تو صرف اتنا ہی لو جتنا کہ آپ نے خرچ کیا ہے۔ اس قاعدے کی رو سے اس میں کچھ عدل کے منافی امر ہے، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اس بارے میں ان انشورنس کی کمپنیوں کی رعایت تو کریں جو لوگوں سے ان کی گاڑھی کمائی خوب لیتے ہیں، اور دوسری طرف بیچارے اس مسکین کی کوئی رعایت نہیں؟

پھر ہمارا یہ کہنا کہ وہ اتنی ہی رقم لے جتنی کہ اس نے خرچ کیا ہے، تو پھر وہ زائد رقم جو اس نے وہاں چھوڑ رہا ہے وہ ان مومنین کی طرف ہرگز نہیں جائے گی، بلکہ یہ خطیر رقم ان انشورنس کمپنیوں کے ہاں جائے گی جو اس تامین کو عالمی کمپنیوں سے اعادہ کرے گی اور ان عالمی کمپنیوں میں سے اکثر کے مالکان یہود ہیں۔ اسی لئے دوسرا قول جو کہ اپنی طرف سے ادا کی ہوئی رقم سے زائد بھی لینا ہو تو درست ہو گا، یہی قول اقرب الی الصحۃ ہے، البتہ کوئی مسلم تورع اختیار کرنے میں گرمی محسوس کرتا ہے تو تب بھی مال پورا حاصل کر لے لیکن زائد رقم ان نیک کاموں میں خرچ کرے جس سے برادران اسلام کو نفع پہنچے، ان کمپنیوں کے بہر حال کھاتے میں نہ ڈالے۔

موتمر اسلامی کے زیر نگرانی فقہ اسلامی اکیڈمی نے ایک قرار جاری کیا ہے، نمبر ہے 9(2/9)، اور موضوع ہے، انشورنس اور اس کا اعادہ کرنا:

موتمر اسلامی سے جڑی فقہ اسلامی اکیڈمی اپنی دوسری کانفرنس منعقدہ جدہ کی اپنے دورے بتاریخ 10 – 16 ربیع الآخر 1406ھ مطابق 22 – 28 ڈیسمبر 1985م، اہل علم کی طرف سے موضوع ہذا سے متعلق پیش کردہ مقالات کو دیکھنے کے اور اس پر عرق ریزی سے کئے گئے مطالعہ اور اس کی ساری صورتیں اور انواع کا دراسہ کرنے، مزید اس کی ابتدا و نوایا اور ان شرکات کے ہدف کی آگاہی حاصل کرنے اور اہل علم کی کمیٹیوں اور فقہ اکیڈمیوں کی آراء کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بات ہم کہنے جا رہے ہیں:

ABM PrintLine

1)- تجارتی انشورنس میں جو عقد طے ہوتا ہے اس میں قسط واری نظام کے تحت یہ کمپنیوں کا تعامل اپنے اندر غرر رکھتا ہے ،اوراس غرر کی وجہ سے اس عقد میں فساد ہے، نتیجۃ یہ شرعا حرام ہے۔

2)- اس تجارتی انشورنس کا ایک بدیل بھی ہے جو اسلامی قواعد سے ہم آہنگ ہے جو تعاونی انشورنس ہے جس کی بنیاد ہی تکافل اور رفق واحسان پر ہے،اوراس کا اعادہ بھی اس تعاونی نظام کے تحت ہے۔

3)- اسلامی ممالک کو اس بات کی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ایسی موسسات اور کمپنیوں کی تاسیس کریں جس سے تعاونی انشورنس کی صورت سامنے آئے،لوگوں سے استغلال کے بجائے اقتصادیات میں شرعی دائرہ میں رہتے ہوئے حریت ہو، اورایسے نظام سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں جس سے رب العلمین ناراض ہوتا ہو۔ واللہ أعلم

رابطہء عالم اسلامی کی طرف سے جاری کیا گیا فتوی:

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وأصحابه ومن اهتدى بهداه...أما بعد:

فقہ اسلامی اکیڈمی مکہ مکرمہ میں موجود رابطہ ء عالم اسلامی میں منعقدہ اپنے پہلے دورہ بتاریخ 10 شعبان 1398ھ ، کو انشورنس اوراس کی انواع سے متعلق موضوع غور کرنے اور اہل علم کی تحریروں کو پڑھنے مزید مملکت عربیہ سعودیہ میں موجود کبار اہل علم کی کمیٹی کی طرف سے شہر ریاض میں منعقدہ اپنے دسویں دورے بتاریخ 4/4/1397ھ جس کا قرار نمبر (55)،اس میں ان سبھوں نے تجارتی انشورنس اوراس کی ساری انواع کو حرام قرار دئے ہیں۔ مجلس نے اس موضوع پر کامل دراسہ اوراہل علم کی آراء کے صدور کے بعد تمام اہل علم - سوائے شیخ مصطفی الزرقاء کے - کی طرف سے تجارتی انشورنس کے حرام ہونے پر اجماع بتلایا ہے، چاہئے انشورنس یہ انسانی جان سے متعلق ہو یا تجارتی سامان ہو یا کسی اور شیء سے متعلق ہو، اس کے حرام ہونے کی دلائل یہ ہیں:

1)- تجارتی انشورنس سے متعلق جو عقد ہے جو مالیاتی تعویض سے جڑی ہے جس میں غرر فحش کا قوی احتمال ہے، اس لئے مستامن کو وقت عقد اس بات کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے کہ اس کو کتنی رقم دینی ہے اور کتنی رقم ملے گی، ابھی دو تین قسطیں ہی ادا کیا ہوا ہوتا ہے کہ اچانک کوئی تباہی مچ جاتی ہے اور کمپنی سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے اور کبھی کچھ نہیں ہوتا اور ساری

ABM PrintTime

رقم ادا کرنی ہی ہوتی ہے، حتی کہ خود کمپنی کو اس کی خبر نہیں ہوتی ہے کہ وہ اپنے مستامنین سے انفرادی طور سے کتنی رقم لینا ہے، اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غرر کی بیع سے روکا ہے۔

2)- تجارتی انشورنس دراصل مقامرہ کی ایک نوع ہے، اس میں مالی معاوضہ اور بغیر کسی وجہ کے کسی کی رقم کو روک لینے میں جو خطورت ہے وہ واضح ہے، ایک شخص کچھ قسطیں ادا کیا ہوا ہوتا ہے اور بہت ساری رقم کسی حادثہ کی وجہ سے لے لیتا ہے اور کبھی کچھ حادثہ نہیں ہوتا تو کمپنی اس کی جیب خالی کر دیتی ہے جس سے اصل مسئلہ مجہول ہی رہتا ہے یوں یہ شکل مقامرہ کی ایک نوع ہے، اور یہ رب العلمین کے اس فرمان:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾(المائدة: 90)۔ میں داخل ہو جاتی ہے۔

3)- تجارتی انشورنس ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں کو شامل ہے، اگر کمپنی مستامن کو یا اس کے لواحقین وورثین کو اس کی قیمت سے بڑھ کر دیتی ہے تو یہ ربا الفضل ہے، اور یہ قیمت کمپنی اپنے مستامن کو ایک مدت بعد ادا کرتی ہے جو کہ ربا النسیئہ ہے، اور اگر کمپنی بھی مستامن کے طریق پر اس کی قیمت ادا کرتی ہے تو یہ صرف ربا النسیئہ ہو گا، بہر حال یہ دونوں صورتیں شرعا حرام ہیں۔

4)- یہ تجارتی انشورنس رھن کی حرام شکل ہے، جس میں غرر اور جہالت کے عناصر ہیں، اور اسلام صرف ایسے رھن کی اجازت دیتی ہے جس میں اسلام اور اس کے مقاصد میں نصرت موجود ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین ہی صورتوں میں اس کی اجازت دی ہے، آپ کا یہ فرمان ہے کہ: «لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خُفٍّ أَوْ فِي حَافِرٍ أَوْ نَصْلٍ»[257] اور انشورنس اس میں موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کی کوئی ملتی جلتی صورت ہے، اس لئے یہ حرام ہے۔

5)- اس تجارتی انشورنس میں بغیر کسی محنت اور خدمت غیر کے کسی کا مال کھانا لازم آتا ہے، اور اس طرح کا عمل رب العلمین کے اس فرمان کے مطابق اکل حرام میں داخل ہو جاتا ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾(النساء: 29)۔

---

[257] - سنن أبي داؤد: كتاب الجهاد، باب في السبق (ح 2576). صححه الشيخ الألباني رحمه الله

6)- اس طرز تجارت میں کسی شخص پر جو کسی امر کا مکلف ہی نہیں ہے اس کو اس عمل میں لازم کر دیناہو تا ہے، بس مستامن سے یہ کہہ دیناہو تا ہے کہ وہ اتنی رقم جمع کر تا رہے اور تخمینہ ہے کہ کسی طرح کا کوئی حادثہ اسے در پیش ہو جائے تو یہ کمپنیاں اس کی تلافی کر دیں گے، اگر کچھ حادثہ در پیش نہ ہو تو یہ کمپنیاں اس مستامن کے لئے کچھ عمل نہیں کرتی ہیں جس سے یہ طرز تجارت حرام ہو جاتی ہے۔

ABM PrintTime

دسویں فصل

ازدیاد[258] اور انتقاص کی

عقود، اور ڈسکاونٹ کارڈ

---

[258] - دیکھئے: معجم مقاييس اللغة (ص: 40)، أساس البلاغة (ص 198)، المعجم الوسيط (ج 1 ص 409)، القوانين الفقهية (ص 269)، حدود ابن عرفة (ج 2 ص 383)، حاشية الدسوقي على الشرح الكبير (ج 3 ص 159)، فقه المعاملات الحديثة للدكتور عبد الوهاب أبو سليمان (ص 338).

ABM PrintTime

(1)-پہلی مبحث: ازدیاد پر ہونے والا عقد:

المزايدة: الزاء، الياء، الدال: تینوں حرف اصلی ہیں جس کے معنی فضل کے ہیں، کہا جاتا ہے: زاد الشيئ يزيد، فهو زائد، وتزايد السعر، وتزايدوا في ثمن السلعة حتى بلغ منتهاه. وزايده: اس کا معنی ہے کسی شیء کی قیمت کو بڑھا چڑھا کر بولنا، ایک شخص کو دوسرے کے مقابل قیمت بڑھا کر بتلانا، اور المزاد کہتے ہیں، محل ازدیاد کو۔

اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ ایک بائع کا کسی سامان تجارت سے متعلق لوگوں میں آواز دے کہ اس کی اتنی قیمت ہے، پھر اسی شیء کی قیمت لوگوں میں بڑھاتے رہے یہاں تک کہ جو سب سے زیادہ قیمت پر تیار ہو گا اس کے حوالے کر دے۔

مزایدہ پر مبنی عقد دور حاضر کی ایک معروف بیع ہے، اور یہ وہ عقد ہے جو کتب فقہیہ میں زیر بحث لائی گئی ہے، قدیم زمانے سے یہ عقد چلی آ رہی ہے، البتہ دور حاضر میں اس سے کچھ ایسی چیزیں جڑ گئی ہیں جو کچھ ضوابط کا مطالبہ کر رہی ہیں، تا کہ اس عقد سے جڑے طرفین ([259]) کا تحفظ ہو سکے۔ اصل کے اعتبار سے بیع المزایدہ شرعاً جائز ہے، انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے اور ایک چادر جو اونٹنی کی پیٹھ پر ڈالی جاتی ہے اس کی ازدیاد کے اصول پر بیع فرمائی ہے۔([260]) اس طرح یہ حدیث اس بیع کے جواز کی بابت واضح دلیل ہے۔

اس امر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عطاء رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے لوگوں کو اس حالت میں پایا کہ وہ بکریوں کی تجارت میں ازدیاد کو ملحوظ خاطر رکھا کرتے تھے، اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

---

[259] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 64)

[260] - سنن النسائي: كتاب البيوع، باب فيمن يزيد. برقم: 4525، ضعفه الشيخ الألباني رحمه الله

امام مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح مال خمس کی تجارت بھی مزایدہ پر ہوا کرتی تھی۔(أخماس الغنائم)۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث انس کے اخیر میں لکھاہے کہ: بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے اوراس میں کسی طرح کا کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ مواریث اور غنائم میں مزایدہ سے تجارت کی جائے۔

عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی نے اپنے آٹھویں کانفرنس کے دورے میں اس موضوع سے متعلق گفتگو کی ہے، اوراس کی بابت ایک قرار جاری کی ہے:

موتمر اسلامی کی زیر نگرانی چل رہے فقہ اسلامی اکیڈمی نے عقد المزایدہ کی بابت فتوی جاری کیاہے، جس کا نمبر 73 (8/4)، ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وصحبه:

فقہ اسلامی اکیڈمی اپنی منعقدہ آٹھویں کانفرنس کے دورے جو دارالسلام برونای میں بتاریخ ۱-۷ محرم ۱۴۱۴ھ موافق ۲۱-۲۷ جون ۱۹۹۳م۔

اس موضوع سے متعلق واقف ہونے اواس کی بابت ہوئے مناقشات کو سننے کے بعد، چونکہ یہ دور حاضر میں خاص طور سے اثر انداز ہونے والا عقد ہے، اور چونکہ اس میں کچھ تجاوزات درآئی ہیں اس لئے اس میں کچھ ضوابط کا اضافہ ناگزیر ہے تاکہ طرفین میں کسی طرح کی خلش نہ رہے، اور ضوابط بھی موافق شرع ہوں، اور جیسے کہ اس پر موسسات اور حکومتوں نے اعتماد کیاہے، اوراس کو اپنی اداری امور میں منضبط کیاہے، یہ سب صرف اس عقد کی بابت شرعی احکام کے بیان کے لئے ہے۔

فقہ اسلامی اکیڈمی نے جو قرار پاس کیاہے وہ یہ ہے:

1)- عقد المزایدہ:

یہ ایک معاوضات پر مبنی عقد ہے، جس میں بولی لگا کر یہ تحریر ااس میں رغبت رکھنے والوں کو دعوت دی جاتی ہے، پھر اس میں طرفین میں رضامندی ہو جائے تو بیع پوری ہو جاتی ہے۔

2)- عقد مزایدہ میں اس کے موضوع کے حساب سے تنوع جاری رہتا ہے، کبھی یہ بیع کی شکل تو کبھی اجارہ اور کبھی دیگر کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ کبھی اپنی طبیعت کے پیش نظر افراد کے مابین عام مزایدہ جو کہ اختیاری ہوتا ہے، تو کبھی ایسا مزایدہ بھی ہوتا ہے جس کا قضا ضروری ہو جاتی ہے اس کو اجباری کہتے ہیں۔ اس کے لئے عام اور خاص موسسات کی ضرورت ہے، اور حکومتیں سطح پر انفرادی طور سے بھی اس کی کمیٹی درکار ہے۔

3)- عقد مزایدہ میں جو تحریری، تنظیمی، کاروائی ہوتی ہے، اور اس میں موجود ضوابط، ادری شروط، اور قوانین ایسے نہیں ہونی چاہئے جو شرعی احکام سے معارض ہوں۔

4)- عقد مزایدہ میں جس نے انٹری کی ہو اس سے ضمان کا مطالبہ کرنا شرعا جائز ہے، اور اس میں موجود سارے ہی مشارکین کو لوٹانا ضروری ہے جنہیں کچھ نہیں ملا ہے، اور جس کے حق میں قرعہ فال نکلا ہے اس کے حق میں قیمت کی ادائیگی اور ضمان دینے کو تسلیم کیا جائے گا۔

5)- شرعا اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اس لین دین میں کاروائی کی رسمی طور سے انٹری کی جائے،- یہ شروط سے متلعق دفتر کی قیمت ہے، اور یہ اس کے فعل سے بڑھ کر قیمت میں اضافہ نہیں ہو گا- کیونکہ وہ اس کی قیمت ہے۔

6)- اسلامک بینک اور دیگر بینکوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس مشروع کو عام کریں اور لوگوں کے علم میں لائیں کہ اس میں کیا فائدہ ہونے والا ہے تاکہ اس سے ہونے والا نفع کی اعلی سے اعلی شرح معلوم ہو جائے، چاہئے اس فائدہ میں ہاتھ ڈالنے والا اس عقد کو پورا کر کے اس کا ورکر ہو یا پھر صرف مضاربت کی حد تک اس میں شریک ہو۔

7)- نجش کی بیع حرام ہے، اس کی کچھ صورتیں یہ ہیں:

أ)- اس کو جو نہیں خریدنا چاہتا ہے اس کو خوب قیمت بڑھا کر بتلانا، تاکہ مشتری اس کی بڑھتی قیمت کے باوجود اس کے لینے میں راغب ہو جائے۔

ب)- ایک شخص جو اس کی خریدی نہیں کرناچاہتاہے وہ اس میں دلچسپی دکھاتاہے کہ اگر اس کے پاس اتنی قیمت ہو جاتی تو وہ خرید لیتا، اور مشتری کے ہاں اس کی تعریف کی جائے تاکہ وہ لینے پر آمدہ ہو جائے، پھر علی الفور اس کی قیمت بڑھادی جاتی ہے۔

ت)- یہ صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ ان اشیاء کے مالک کا یا وکیل یا پھر دلالی کا ایسا دعوی کرنا کہ اس نے اس شیء کو اتنی اور اتنی قیمت دے خرید لایا ہے، تاکہ وہ مشتری اس کو اس بائع کی مطلوبہ قیمت فراہم کر دے۔

ث)- بیع النجش کی حرام صورتوں میں سے دور حاضر میں رائج ایک شکل یہ بھی ہے کہ اشیاء کو جدید وسائل کی روشنی میں سمعی طریقے، ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے سے ایسے بتلایا جاتا ہے جس میں اکثر خداع ہوتا ہے، پھر اس مشتری کو ورغلانے کے لئے اس قیمتیں بڑھادی جاتی ہیں، پھر کسی طرح کی گفت وشنید کو اس کے آپسی عقد پر محمول کر لیتے ہیں۔([261])

کچھ قبل یہ بات گذر چکی ہے کہ عقد مزایدہ میں جو داخل ہوناچاہتاہے اس سے ضمان کا مطالبہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کچھ طرح کے مارکیٹ میں یہ طے ہے کہ اگر کوئی اس میں داخل ہوناچاہتاہے تو اس میں اس تعامل کو سنجیدگی سے لینے کے لئے ضمان لگایا جاتا ہے، لیکن بالاخر ہر مشارک کو جو اس نے رقم دی ہے اس کو لوٹانا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ کسی کا مال باطل طریقے سے لینے کا جرم نہ ہو۔

جس طرح سے اس شخص سے ضمان لیا جاتا ہے جس نے اس میں بازی ماری ہو اور جس کے نام یہ قرعہ نکلا ہے، اور یہ بھی کہ اس پر یہ چیز کا حصول طے ہو گیا ہے، اور ساتھ میں دفتری رقم جو اس میں دخول کی رسمی کاروائی سے متعلق ہے وہ لینا بھی جائز ہے، البتہ اس میں اصل کام سے بڑھ کر رقم نہ لی جائے کیونکہ یہ بھی اکل باطل ہے۔

---

[261] - دیکھئے: الهداية (ج 3/ص 53)، فتح القدير (ج 6 ص 477)، شرح العناية على الهداية (ج 6 ص 479)، تبيين الحقائق (ج 4 ص 67)، موهب الجليل (ج 4 ص 439)، الأم (ج 3 ص 92)، المجموع (ج 12 ص 34)، تحفة المحتاج (ج 4 ص 313)، المغني (ج 4 ص 214)، الإقناع (ج 2 ص 75)، كشاف القناع (ج 2 ص 183)، فقه المعاملات الحديثة للدكتور عبد الوهاب أبو سليمان (ص 357).

(2)- دوسری مبحث: عقد انتقاص:

اس کی تعریف:

المناقصة: کسی سامان کی خریداری یا کسی کی خدمت پر اقل ترین قیمت وصول کرنا۔([262])

مناقصہ کی مختلف صورتیں:([263])

جب کوئی حکومت یا موسسات اور کمپنیاں کسی شیء کی بیچنے یا کسی مشروع کے نفاذ اور کسی خدمت کے انجام دینے کا ارادہ رکھتی ہیں تو ان اشیاء کے راغبین کو دعوت دیتے ہیں کہ ان کی پسندیدہ اشیاء کی فراہمی مشروط طریقے سے متوفر کئے جائیں گے۔ پھر ایک رسمی کاروائی کی جاتی ہے جس سے مشتری کو اہتمام کرنا ہوتا ہے، پھر وہ اپنی صوابدید پر کوئی شیء خریدلیتا ہے، تو شریعت میں ازدیاد کی طرح انتقاص پر مبنی بیع جائز ہے۔ البتہ اس کے بھی کچھ احکامات ہیں۔

عقد المناقصہ کی بابت موتمر اسلامی سے جڑی عالمی فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے جاری کیا گیا قرار، نمبر 107 (12/1):

1)- پہلی بات یہ ہے کہ مناقصہ نام ایک ایسے عقد کا جس میں سستی اشیاء دی جاتی ہیں تا کہ کوئی سامان خرید سکے یا کوئی خدمت حاصل کر سکیں۔ اس میں رغبت رکھنے والوں کو کچھ عطیات فراہم کی جاتی ہیں، البتہ اس کی محدود صفات اور معین شروط ہیں۔

2)- المناقصہ شرعاً مزایدہ کی طرح جائز عقد ہے، اس پر اس کے حکامات جاری کئے جائیں گے، مناقصہ چاہے عام ہو یا کچھ شروط سے محدود ہو، داخلی طور سے ہو یا خارجی، سری ہو یا علانیہ، اور مزایدہ سے متعلق فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے اس کے اپنے آٹھویں دورے 73(8/4) میں قرار پاس کیا جا چکا ہے۔

---

[262] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة للزحيلي (ص: 394)

[263] - دیکھئے: فقه المعاملات الحديثة للدكتور عبد الوهاب أبو سليمان (ص 420).

3)- رسمی طور سے مصنفین پر مناقصہ میں کچھ اشتراک جائز ہے، یا حکومتی طور سے ان کے لئے ترخیص بھی جائز ہے، البتہ یہ تصنیف اور ترخیص ایسے اصولوں پر قائم ہو جو عدل پر مبنی ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس عقد مناقصہ میں جو داخل ہوتا ہے اس سے رسمی طور سے کچھ لینا جائز ہے، البتہ عقد مناقصہ میں جو کامیاب ہو گیا ہو اس کے علاوہ مشارکین کو ان کی قیمت لوٹا دینا چاہئے، اور جس نے مناقصہ میں قرار پالیا اس کے حق میں یہ رسم بطور تعویض شمار ہو گی۔

لیکن اس پوری کاروائی میں رسمی طور سے جو قیمت لی جاتی ہے وہ جائز ہے، ہاں اصل خدمت سے بڑھ کر نہ لیا جائے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس نظام میں بہت خلل ہے اس اعتبار سے کہ اس عقد مناقصہ میں جو داخل ہوتے ہیں اور اس میں مستقر نہیں ہوتے تو انہیں ان کی خرچ کی ہوئی رقم پوری طرح نہیں لوٹائی جاتی ہے، یہ کسی طور سے بھی جائز نہیں ہے، ورنہ یہ مال اکل باطل مانا جائے گا۔

(3)- تیسری مبحث: ڈسکاونٹ ٹوکن:

دراصل بعض موسسات اس طرح کی کارڈ کچھ رسمی کاروائی کے تحت مال کے عوض جاری کرتی ہیں، اور اس کارڈ کا فائدہ اس شخص کو جس کے نام پر جاری کیا گیا ہے بعض تجارتی ایجنسیاں، ہوٹل، ریسٹورینٹ، کلینک اور فارمیسیس وغیرہ جگہوں میں ڈسکاونٹ کی شکل میں ہوتا ہے، اور یہ کارڈ انہیں جیسے بڑے اداروں کے نام جاری کیا جاتا ہے۔

اغلب یہی ہے کہ اس طرح کے کارڈ انہیں کے نام جاری کئے جاتے ہیں جنہیں ان اداروں کے ورکر ہونے کا اعتبار ہوتا ہے، اور یہ جاری کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے سے خوب سے خوب ورکرس جمع کئے جائیں، اور اس میں کارڈ میں ان کمپنیوں کا نام بھی ہوتا ہے جنہوں نے اسے جاری کیا ہے، اسی لئے محلات ان کارڈس سے کچھ بھی نہیں حاصل کر سکتی ہیں۔

اس کی مثال:

معلم یا معلمہ کے نام جاری کیا جانے والا کارڈ جس پر رسماً کچھ لیا جاتا ہے، پھر اس کارڈ کے ذریعے معلم یا معلمہ دواخانہ، مطاعم ، اور تجارتی منڈیوں سے ڈسکاونٹ پر اشیاء کی خریداری کر سکتے ہیں۔

اور کچھ ایسے ڈسکاونٹ کارڈ ہوتے ہیں جو کسی کلینک سے مقررہ قیمت پر جاری کئے جاتے ہیں اور جب جب اس کلینک کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اس کئے لئے خاص طرح کا ڈسکاونٹ ملتا ہے۔

اور کچھ مکتبات بھی کچھ قیمت پر ایسے کارڈ جاری کئے جاتے ہیں۔

اس کی شرعی حیثیت:

1)- اگر یہ کارڈس رسوم سے خالی ہوں تو ان کا اجراء جائز ہے۔

مثلا یہ معلم جو کارڈ لے کر موسسات اور تجارتی منڈیوں اور کلینک کا قصد کرتے ہیں اگر انہیں بغیر کسی رسوم کے یہ کارڈ جاری کئے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں شرعا کسی طرح کی مخالفت نہیں ہے، اس امر کی غایت یہ ہے کہ اس میں کارڈ جاری کرنے والے ادارے سے دیگر ادراروں کا تعاون ہے، اور کسی طرح کا ڈسکاونٹ دے دیا جاتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس میں نہ سودی لین دین ہے، نہ جہالت ہے، اور نہ ہی غرر اور جوا کی قبیل سے کوئی شیء ہے، اور معاملات میں اصل اباحت ہے۔

2)- اور اگر ان کارڈس پر کچھ رسوم کی بھرپائی عائد ہوتی ہے تو یہ حرام ہو گا، اور اس پر بہت سی شرعی محاذیر بھی لاگو ہوتی ہیں، جس کے تعلق اللجنہ الدائمہ نے فتوی بھی جاری کیا ہے۔([264])

شرعی مخالفات میں سے کچھ نمایاں یہ ہیں:

پہلی بات: رسوم کی وجہ سے یہ غرر پر مشتمل ہے، کیونکہ اس کارڈ کی وجہ سے وہ تخفیض چاہتا ہے اور کبھی اسے وہ نہیں مل پاتا، اور کبھی رسوم جو قیمت ادا کی ہے اس سے کہیں زیادہ حاصل کرلیتا ہے، اسی کو غرر کہتے ہیں۔ کبھی زیادہ خرچ کر کے کم کا حصول اور کبھی کم خرچ کر کے خوب حاصل کرلینا۔

---

[264] - دیکھئے: فتوى اللجنة الدائمة رقم (19114)، ج 14 ص 12).

دوسری بات: یہ قضیہ سودی لین دین پر مشتمل ہے، اس لئے کہ جب تاجر حضرات اس کارڈ ہولڈر کو تخفیض سے منع کر دیں تو اصل کمپنی اس کو شرح کے ساتھ کچھ دیدیتی ہے، جو کہ عین سود ہے، کیونکہ اس نے جو مال خرچ کیا ہے وہ مقابل میں اس سے کہیں زیادہ حاصل کرلیتا ہے، اوراغلب یہی ہے کہ اس میں اس کارڈ پر جو خرچ آتا ہے اس سے زیادہ ہی کا حصول ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں مال کے مقابل مال میں تفاضل کی وجہ سے ربوی مسئلہ اختیار کر جاتا ہے۔

تیسری بات: اس طرز لین دین کی کچھ سلبیات اور برے نتائج بھی سامنے ہیں، اس طرح سے کہ جو کمپنیاں یہ کارڈ جاری کرتی ہیں اور جو نہیں کرتیں ان کے مابین عداوت اور بغض پیدا ہو سکتا ہے، پھر اس میں استر سال کی گنجائش ہے کہ لوگ ایسی اشیاء کی خریداری کریں جس کی انہیں کوئی حاجت ہی نہیں ہے اور اس میں اسراف اور دیگر خرابیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے اس کے اٹھارویں دورے میں مذکورہ مسئلہ سے متعلق ایک قرار پاس (نمبر2) کیا گیا ہے:

الحمد لله وحده، والصلاة على من لا نبي بعده، سيدنا ونبينا محمد، وعلى آله وصحبه. أما بعد:

رابطہء عالم اسلامی کے زیر نگرانی چلنے والی فقہ اسلامی اکیڈمی مکہ مکرمہ میں اپنے آٹھارویں دورے جو بتاریخ 10-14/3/1427ھ موافق 8-12/4/2006م کو منعقد ہوا۔

رئیس الجمعیہ الخیریہ برائے تحفیظ القرآن الکریم جو جدہ میں ہے کی کتاب سے آگاہی ہوئی ہے۔ یہ جمعیہ اس امر میں بھی رغبت رکھتی ہے کہ وہ ایسے کارڈ جاری کرے جو مارکیٹنگ ایجنسیوں کی جدوجہد کا نتیجہ ہے، جو جمعیہ سے تقاسم کی بنیاد پر اس کی مارکیٹنگ اور بیع کے لئے قائم ہے، اور یہ جمعیہ اور دیگر تجارتی منڈیوں کے مابین اتفاق سے ہوا ہے کہ وہ اس کارڈ کے ذریعے سے ان کے ہاں جو سامان فروخت کیا جارہا ہے اس میں تخفیض سے کام لیں۔

فقہ اسلامی اکیڈمی نے اس موضوع سے متعلق تقدیم کئے گئے بحوث سے آگاہ ہونے اور اس موضوع پر علمی مناقشات کو سننے کے بعد یہ فیصلہ صادر کی ہے:

1)- پہلی بات یہ ہے کہ اس طرح کے مذکورہ تخفیض والی کارڈ اس پر اگر خرچ آتا ہو یعنی رسوم کی شکل میں کچھ کٹوتی ہو یا اس کے لئے سالانہ شرکت ضروری ہو تو نہ جاری کئے جائیں، اور نہ ہی اس سے خرید و فروخت کی جائے، اس لئے کہ اس

ABM PrintTime

میں غرر ہے، مشتری کبھی نقد دیدیتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے، اس میں فائدہ محتمل ہے تو غرم متحقق بھی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔

2)- اور اگر یہ کارڈس مفت تقسیم کئے جائیں تو اس کا استعمال اس سے تخفیض اور اس سے خرید وفروخت شرعا جائز ہے، اس لئے کہ ہبہ اور تبرعات کی قبیل ہے۔وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

ABM PrintTime

گیارہویں فصل

خطاب الضمان

ABM PrintTime

(1)-پہلی مبحث: خطاب الضمان کی حقیقت اوراس کی انواع:

اس ضمان کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب عقد المناقصہ میں ایک شخص داخل ہوتے وقت اس کے ذریعے کچھ اعمال انجام دینے ہوتے ہیں، جیسے: کچھ مشروعات کی تنفیذ، اشیاء کا انشورنس، توجو شخص اس عقد المناقصہ وغیرہ میں داخل ہوتا ہے تو اس سے اس کے زر کی حفاظت کے لئے کچھ ضمان طلب کیا جاتا ہے، اور یہ وہی بینک ہیں۔

اور یہ خطاب الضمان بینک سے ایک معاہدہ ہوتا ہے جس میں مستفید ایک مقررہ رقم ادا کرکے اس خطاب کے ذریعے معاہدہ کرتا ہے، اس طالب ضمان کی یہ خطاب نمائندگی کرتا ہے، جس سے وہ کچھ معینہ التزامات سے مستفید ہوتا ہے۔(265)

یہ شکل انشورنس سے مشابہ ہے، گویا کہ بینک کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ: ہم اس خطاب الضمان یا اس میں کٹوتی کے عوض مطلوبہ امر کی تنفیذ میں اپنی طرف سے خرچ کرنے کا اہتمام کریں گے۔

اور اگر بینک کی طرف سے ان مشاریع کے اتمام اور تکمیل میں پیچھے ہٹنے کی بات آئے تو یہ عین انشورنس ہوگا، جس سے اس میں کٹوتی ہوگی، گویا کہ یہ ایجنسیاں خطاب الضمان کے ذریعے عقد المناقصات میں داخل ہونے والوں سے یہ کہتی ہیں کہ: تم ہمیں تامین دو، اور اس تامین کے بدلے نقد لینے کی بجائے بینک کی طرف سے جاری ہونے والے اس خطاب سے اپنا کام نکال لیتی ہیں، اور جو مناقصہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں اس پر ضمان جدیہ کے پیش نظر بطور قیمت پیش کیا جاتا ہے، اس میں جو رسوم پیش کی جاتی ہیں ان کو اس ضمان کی وجہ سے نقصان اور قرض کی تلافی بھی نہیں ہوتی ہے۔

اور یہ خطاب الضمان "غطا" اور "عدم غطا" دو متنوع شکل میں ہے۔

---

[265] - دیکھئے: إدارة الأعمال المصرفية للدكتور زياد رمضان (ص 139)، تطوير الأعمال المصرفية لسامي حمود (ص 325)، البنك اللاربوي في الإسلام للسيد محمد باقر (ص: 182)، البنوك الإسلامية للدكتور عبد الله الطيار (ص: 148)، المعاملات المالية المعاصرة للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 468)، عمليات البنوك لمحمود الكيلاني (ص: 142)، الاستثمار والرقابة الشرعية عبد الحميد اليحيى (ص: 47)، الربا والمعاملات المصرفية للدكتور عمر المتروك (ص: 385).

ABM Print Time

1)- غطا: اس کا مطلب ہے:

اس خطاب الضمان کے طالب کے پاس ایک رصید ہوتی ہے جو اس کی قیمت پر پردہ پوشی کرتی ہے، اگر خطاب الضمان پر ایک لاکھ ریال لکھاہوا ہے اوراس کی رصید پر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ کی قیمت لکھی ہوئی ہے تو کہاجاتا ہے: اس خطاب الضمان پر غطاہے۔

اس سے فقہی مسئلہ یہ نکلتاہے کہ خطاب ضمان کا طالب اوراس کو جاری کرنے والے یعنی "الوکالۃ" کے درمیان علاقہ یہ ہے ، کہ یہ شخص بینک سے یہ کہتاہے کہ: میں تمھیں یہ مسئلہ سونپتاہوں آپ میرے لئے اس طریق سے یہ خطاب جاری کیجیے، اور یہ تعامل ان دونوں کے درمیان موجود کفالہ کے باوجود ہوتا ہے، اس طرح سے یہ "وکالہ اور کفالہ" دونوں کا سنگم ہے ۔[266]

2)- غطا کے بغیر: اس کا مطلب ہے:

ضمان کے طالب کے پاس رصید نہ ہو جو اس کی قیمت کے لئے غطا کی حیثیت رکھتاہو، خطاب ضمان اس پر ایک لاکھ ریال لکھاہوا ہو اوراس کی رصید پر دس لاکھ ریال ہو تو ایسی صورت میں بینک کے لئے کوئی مانع نہیں کہ کوئی کسٹمر جس پر ان کا اعتماد ہو وہ اپنی طرف سے اس ایک لاکھ ریال کا خطاب ضمان دے، اس لئے اس خطاب کو غیر غطا کہتے ہیں۔

اس سے فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اس خطاب ضمان کے طالب اوراس کے جاری کرنے والے کے مابین ضمان یعنی کفالہ کا علاقہ ہے، گویا کہ بینک ہر اس شخص کو حکومت کی نظروں میں ضمانت دیتی ہے جو عقد مناقصہ میں داخل ہونا چاہتاہے۔

---

[266] - دیکھئے: المعاملات المالية المعاصرة: للدكتور وهبة الزحيلي (ص: 469)، عمليات البنوك، محمد كيلاني (ج، ص 221)، بنوك تجارية بدون ربا، عبد الله شيباني (ص: 90)، موقف الشريعة من المصارف الإسلامية، للعيادي (ص: 31)، البنوك الإسلامية، لمصطفى قابل (ص: 150)، عمليات البنوك من الوجهة القانونية للدكتور محمد جمال (ص: 357)، البنوك التجارية للدكتور حسن محمد (ص: 222)، قرار المجمع الفقهي رقم 12 (ج 12/ص: 2).

(2)-دوسری مبحث: خطاب الضمان کی شرعی حیثیت:

بینک جب خطاب الضمان جاری کرتی ہے تو مفت جاری نہیں کرتی بلکہ اس پر کچھ لازم آتا ہے، یہاں بس اس پر ہونے والے خرچ ہی میں اشکال ہے، اس میں جو بینک کی طرف سے خدمت اور عملی کام ہوتے ہیں اس مقابل وہ جو کسٹمر سے حاصل کرتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن خطاب الضمان کے اجراء میں جو لیتی ہے وہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ضمان کے مقابل میں لینا شرعاً حرام ہے۔ اس لئے کہ ضمان احسان اور رفق کے باب سے ہے، اسی لئے ضمان کے مقابل کچھ لینا جائز نہیں ہے، اگر کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ آپ مجھے ضمان دیں اور آپ کے لئے ایک ہزار ریال، تو یہ حرام ہے، اس لئے کہ یہ احسان اور قرض کے باب سے ہے، اور **اس میں مذاہب اربعہ متفق نظر آتے ہیں۔**

ضمان سے متعلق اسلامی نقطہ نظر بینک سے بہت مختلف ہے، دین اسلام ضمان کو قرض کے مقام پر رکھتا ہے کہ یہ احسان اور رفق کی عقود میں سے ہے، جب کہ بینک اس ضمان کو کسب اور انتفاع کی صورت میں دیکھتے ہیں، تو ایسی صورت میں بینک کا اس تصرف میں ضمان پر کچھ لیتی ہیں، اور ان کا یہ لینا اگر " غطا" ہے تو یہ " وکالة" ہے جس میں اجرت اور بغیر اجرت دونوں عمل جائز ہیں، اس اعتبار سے بینک کا لینے میں کوئی اشکال نہیں ہے، لیکن اس میں بھی صرف اداری امور کی وجہ سے جو خرچ آتا ہے وہی لے سکتے ہیں اس سے زائد ہو تو جائز نہیں ہے، بھلے ہی وہ "غطا" کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو، اس لئے کہ اگرچہ کہ ان دونوں کے مابین کا علاقہ "وکالة" پر ہے لیکن اس میں "کفالة" کی اجزاء باقی رہتی ہیں۔ اس لئے کہ بینک بیک وقت وکیل بھی ہے اور کفیل بھی۔ اسی لئے بینک پر صرف اداری خدمات پر آنے والے خرچ کے لینے پر اکتفا کرنا پڑے گا۔([267])

رہا مسئلہ اس خطاب کا بغیر " غطا" کا ہونا تو اگر اس پر بینک کچھ لیتی ہے تو اس کا حرام ہونا ظاہر ہے، اس لئے ان کے مابین کا علاقہ "ضمان اور کفالہ" کا ہے، لیکن اگر بینک اپنے اداری خدمات پر آنے والے خرچ ہی کو لیتی ہے تو یہ جائز ہے۔

---

[267] - دیکھئے: البنوك الإسلامية للدكتور عبد الله الطيار (ص: 150)، المصارف الإسلامية: لنصر الدين فضل (ص: 192).

خطاب الضمان سے متعلق فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے جاری کیا گیا قرار:

موتمر اسلامی سے جڑی فقہ اسلامی اکیڈمی نے یہ قرار جاری کیا ہے، قرار نمبر 12 (2/12)، مجلہ " المجمع " (ع 2، ج 2 / ص 1035) میں خطاب الضمان سے متلعلق قرار مذکور ہے:

موتمر اسلامی کے تحت چل رہی فقہ اسلامی اکیڈمی شہر جدہ میں منعقدہ اپنی دوسری کانفرنس کے دورے بتاریخ 10-16/6/1406ھ موافق ۲۲-۲۸ڈیسمبر ۱۹۸۵ام، میں طے کیا گیا ہے:

خطاب الضمان سے متعلق جو مقالات اور بحوث تیار کئے گئے اوراس پر غور و فکر کرنے مزید اس سے متعلق علمی حوار اور مناقشات ہونے کے بعد یہ بات واضح ہوئی ہے کہ:

1)- پہلی بات یہ ہے کہ خطاب الضمان میں شرع تا آخر یہ " غطا" سے پر ہے یا اس کے بغیر ہے، اگر " غطا" کے بغیر ہو تو یہ ایک کی ذمہ کو دوسرے پر لازم کرنا ہوا یہ تو فی الحال اس پر ذمہ ہو گا یہ بطور انجام کے یہ لازم آئے گا۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جسے فقہ اسلامی نے "الضمان" یا" الکفالہ " مرادلیتی ہے۔

اگر یہ تعامل " غطا" سے ہو تو پھر ان کے مابین کا علاقہ " الوکالہ" کا ہو گا، ایسی صورت میں وکالہ اجرت اور بغیر اجرت دونوں حالتوں میں صحیح ہے اور یہ بھی کہ یہ " الکفالۃ" سے مل کر بھی مستفید کے حق میں بہتر ہو سکتا ہے۔

2)- دوسری بات یہ ہے کہ " الکفالۃ" یہ وہ عقد ہے جو رفق اور احسان کی بنیاد پر قائم ہے۔ اور فقہاء نے " الکفالۃ " میں عوضا اجر لینے کو عدم جواز کہا ہے، اس لئے کہ اس حالت میں یہ قرض کے مقام پر ہے اور جو قرض محض مقرض کے حق میں فائدہ لے آئے تو حرام اور سود ہے، اور شرعا یہ ممنوع ہے۔

مذکورہ تفصیل کے روشنی میں فقہ اسلامی اکیڈمی اپنا قرار ان الفاظ میں جاری کرتی ہے:

1)- خطاب الضمان میں ضمان کی بنیاد پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، جس میں ضمان کی مدت کی رعایت کی جاتی ہے، اس کے عدم جواز ہونے میں " غطا" ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے۔

ABM PrintTime

2)- بینکوں کی طرف سے ادارتی امور کی طرف سے جاری کیا جانے والا خطاب الضمان جائز ہے،ہاں اس کی رعایت ضروری ہے کہ مارکیٹ کرایہ سے زیادہ نہ لیا جائے،" غطا" کی صورت میں کلی ہو یا کہ جزئی ان دونوں صورتوں میں ادارتی اخراجات پر اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم

نظام بینک پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر شرعی قواعد کی تطبیق میں لاپرواہ ہیں، اور یہ اس ضمان کی بنیاد پر استثمار کو پیش نظر رکھتے ہیں اسی لئے اس ضمان کو بھی وہ محض کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔

اسلامی بینکوں میں کچھ اس کا خیال رکھتے ہیں اور صرف اس کی اداری کاموں کا ہی خرچ لیتے ہیں جیسے راجحی بینک ہے، اور بعض کچھ لیتے ہیں البتہ اس شرط پر کہ یہ قرض کی صورت اختیار نہ کرلی جائے، اگر قرض کی صورت اختیار کرلے تو اس میں سے کچھ نہ لے، ہمارے ملک کے بینکوں کا یہی حال ہے جو شرعی کمیٹی کی طرف سے بینکوں کے نام جاری کئے گئے قرار کی پیش نظر رکھتے ہوئے اہتمام کرتی ہیں۔

ABM PrintTime

بارہویں فصل

جمعیات الموظفین

ABM PrintTime

(1)- پہلی مبحث: جمعیات الموظفین کا معنی ومفہوم اوراس کی انواع:

اس کی شکل: کچھ موظفین کا جو اغلب یہ ہے کہ وہ ایک ہی ڈپارٹمنٹ میں عمیل ہوں، چاہے وہ سکول ہویا کوئی ادارہ یا اس کے علاوہ کوئی بھی ہو، ان میں سے ہر کوئی ایک معین رقم جمع کرتا ہے، جسے ماہ کے اواخر میں ان میں سے کسی ایک کو وہ کل رقم دیدی جاتی ہے، دوسرے ماہ دوسرے شخص کو، اسی طرح ہر ماہ میں ہوتے رہتاہے، یوں ہر ماہ ہر شخص دوسروں کی طرح کل رقم بغیر کسی نقص اور زیادتی ہے حاصل کرتے رہتاہے۔

اس کی مثال: کسی سکول کے اساتذہ اس بات پر متفق ہوجائیں کہ ان میں سے ہر کوئی ۵۰۰۰ پانچ ہزار ریال اداکریں گے، اور مدرسین کی تعداد ۲۰ ہے، تو ایک ماہ میں ایک لاکھ ریال جمع ہوجاتے ہیں، جسے انہیں میں سے کسی کو یہ رقم دیدی جاتی ہے، دوسرے ماہ کسی دوسرے کو، تیسرے ماہ کسی اور کو، یہی تسلسل چلتے رہتاہے۔

(2)- دوسری مبحث: جمعیات الموظفین کی شرعی حیثیت:

معاصر اہل علم اس امر میں اختلاف کئے ہیں، اس میں دو قول ہیں:

پہلا قول: یہ جائزہے، اوراسی پر اکثر اہل علم([268]) کی رائے ہے، مملکت عربیہ سعودیہ کی ہیئہ کبار علماء([269]) بھی اس رائے کو ترجیح دیتے ہوئے قرار جاری کیاہے، ان اہل علم میں نمایاں طور سے شیخ عبد العزیز ابن باز([270]) اور شیخ ابن العثیمین([271]) رحمہا اللہ ہیں۔

---

[268] - متقدمین میں سے ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ نے بھی یہی فتوی دئے ہیں۔دیکھئے: حاشية قليوبي، (ج2، ص 285).

[269] - دیکھئے: قرار هيئة كبار العلماء رقم (164)، تأريخ: 1410/2/26ھ

[270] - دیکھئے: قرار هيئة كبار العلماء رقم (164)، تأريخ: 1410/2/26ھ

[271] - دیکھئے: رسالة اللقاء الشهري (9)، (ص: 39)، للشيخ ابن العثيمين رحمه الله

ABM Print Time

دوسرا قول: یہ حرام ہے، کچھ اہل علم کی یہ رائے ہے، ان میں سے خاص طور سے شیخ صالح الفوزان وفقہ اللہ ہیں۔[272]

اختلاف کا سبب:

سبب خلاف یہ ہے کہ اس کی طرح کی جمعیات میں جمع ہونے والا پیسہ کیا اس قرض کی قبیل سے ہے جو انتفاع کی صورت میں ہو گا، یا نہیں؟؟

جنہوں نے کہا کہ یہ اسی قرض کی قبیل سے ہے جس میں قرض منتفع ہو تا ہے، یوں یہ حرام ہے۔

اور جن کی رائے پہلی رائے سے دگر گوں ہے وہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔

قائلین جواز کی دلائل:

1)- اس میں جو منفعت ہے وہ مقرض کے حق میں ہے لیکن مقترض کو اس کا حق کچھ کم ملنے والا نہیں ہے، اس کو بھی اس کا پورا حق یا مقرض کے مساوی یا اس کے قریب تر ملے گا، ایسی صورت میں اس لین دین میں طرفین یعنی مقرض اور مقترض دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

2)- اس طرز لین دین میں طرفین میں سے کسی ایک کو بھی کچھ ضرر پہنچنے والا نہیں ہے، اور مقترض کے حساب سے مقرض کو کچھ زیادہ ملنے والا بھی نہیں ہے، اور قرض کے باب میں وہ نفع حرام ہے جو صرف مقرض کو فائدہ دے، اور مقترض اس سے محروم رہے، اگر نفع طرفین سے تعلق رکھتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور شریعت ایسے مصالح کو حرام نہیں قرار دیتا جس کسی طرح کا کوئی بھی ضرر نہ ہو، یوں یہ "سفتجہ" کی مشابہ ہے، کیونکہ اس میں طرفین کا فائدہ ہے، اس فائدہ میں صرف مقرض ہی اکیلا نہیں ہو تا، اسی لئے بہت سارے محقق اہل علم نے اس کی اجازت دی ہیں، جیسے ابو العباس ابن تیمیہ، ابن القیم رحمہا اللہ، اور اس سے متعلق گفتگو اس سے قبل گذر چکی ہے۔

مانعین کے دلائل:

---

[272] - دیکھئے: وجهة النظر حول قرار هيئة كبار العلماء رقم (164).

ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ وہ قرض ہے جس میں نفع بھی موجود ہے،اس طرح سے کہ ان مشارکین میں سے ہر ایک دوسرے کو مشروط طریقے سے قرض دیتاہے، یہ ایک نفع ہے،اس اعتبارسے یہ وہ قرض ہے جو نفع ساتھ لاتاہے، اس طرح کا نفع بخش قرض رباہے۔

ترجیح:

اس مسئلہ میں –واللہ اعلم– صحیح قول پہلا قول ہے، دلائل کی روشنی میں یہی بات واضح ہورہی ہے۔وہ یہ جمیعہ الموظفین جائزہے، اوراس قرض کو نفع بخش کی قبیل سے نہیں ماناجائے گا،بلکہ یہ عام قرض ہے، البتہ اس قرض میں ایک سے زائد لوگ شریک ہوجاتے ہیں،اورجو شخص سب سے پہلے اس کو حاصل کرتاہے وہ تمام کی جانب سے مقترض ہوجائے گا،دوسرا شخص بھی دوسرے ماہ میں تمام کی طرف سے مقترض ہوجائے گا،اسی طرح سلسلہ آگے بڑھتارہتاہے،ہاں سب سے پہلے حاصل کرنے والاسبھوں کے حق میں مقترض ہوگا،اورسب سے آخرمیں لینے والاسبھوں سے قرضہ وصول کرنے والاہوجائے گا،یہی اس جمعیت کی حقیقت ہے، شیخ ابن بازاور شیخ ابن العثیمین رحمہما اللہ نے اسی قول کوراجح قراردیاہے۔([273])

اس موضوع سے متعلق کسی فاضل طالب علم نے مجلۃ البحوث العلمیہ میں لکھاہے،اور قول جواز کوشروط سے مقید کیاہے،وہ یہ ہے کہ جمعیۃ میں یہ دورانیہ ایک سے زائد نہیں ہوناچاہئے،اگرایسی شرط ہے تو اس میں داخل ہوناجائزہے،لیکن اگردورانیہ دویاتین ہونے والاہے توحرام ہے،ورنہ یہ لازم آئے گاکہ اس میں قرض خواہ ایک اس کوبنیادبناکرایک سے زائدمرتبہ کی ہوس دیتاہے اوراس کی شرط لگاتاہے،تویہ مسئلہ قرض پرخروج ہے،اس طرح سے کہ اگرکوئی کسی کوقرض

---

[273] - شیخ ابن العثمین رحمہ اللہ نے تویہاں تک کہاہے کہ یہ آپسی تعامل نیکی اور تقوی میں ایک دوسرے کاتعاون کرناہے۔دیکھئے: بحث جمعية الموظفين وأحكامها في الفقه الإسلامي، للدكتور عبد الله بن عبد العزيز الجبرين، منشور في مجلة البحوث العلمية الإسلامية الصادرة من دار الإفتاء في المملكة العربية السعودية العدد (43)، ص: 247.

دیتاہے تو مستقبل میں دینے کی شرط لگاتاہے،یعنی یہ کہنا کہ: میں تمہیں اس شرط پر قرض دوں گا کہ تم مجھے قرض دوگے، اور یہ حرام ہے،اس لئے کہ یہ ایسا قرض ہے جو نفع بخش ہے۔(274)

مذکورہ مسئلہ جو قرض سے نکلاہواہے وہ اہل علم کے مابین محل خلاف ہے،کچھ اہل نے اس سے منع کیاہے، لیکن صحیح قول جواز ہی کاہے،اسی قول کو شیخ ابن العثیمین رحمہ اللہ نے اختیار کیاہے، اس لئے کہ اس میں کوئی زائد رقم نہیں لی جاتی ہے،اور حرام وہی صورت ہے جس میں زائد رقم لی جائے،جب کہ اس میں منفعت مقرض اور مقترض دونوں کے حق میں مساوی ہے،اور یہ قاعدہ ہی ہے کہ:ہر نفع حرام نہیں ہے بلکہ جو نفع محض مقرض سے جڑاہووہ حرام ہے،یاصرف مقرض کے حق میں ازدیاد ہو،جب کہ اس شکل میں ایسی بات نہیں ہے،اسی بناپر اس میں جواز ہی اصل ہے اور مطلق جواز ہے بغیر کسی تقیید کے۔

جمعیۃ الموظفین کی بابت کبار اہل علم کمیٹی کا فتوی:

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام الأتمان الأكملان على خير الخلق أجمعين، نبينا محمد وعلى آله وصحبه ومن اهتدى بهديه إلى يوم الدين. أما بعد:

کبار اہل علم پر مشتمل کمیٹی طائف میں منعقد اپنے ۳۴ویں دورے بتاریخ 16/2/1410 تا26/2/1410 تھا، بعض موظفین کے استفسارات کو دیکھنے کے بعد جو سماحۃ الرئیس کی طرف بھیجے گئے تھے پھر انہیں مجلس عاملہ کی طرف لوٹا گیا کہ اس سے متعلق شرعی حکم کی وضاحت کی جائے،جو جمعیۃ الموظفین کی بابت ہے:

اس جمعیت کی صورتیں:

کچھ موظفین کا جو اغلب یہ ہے کہ وہ ایک ہی ڈپارٹمنٹ میں عمیل ہوں،چاہے وہ سکول ہو یا کوئی ادارہ یا اس کے علاوہ کوئی بھی ہو،ان میں سے ہر کوئی ایک معین رقم جمع کرتاہے،جسے ماہ کے اواخر میں ان میں سے کسی ایک کو وہ کل رقم دیدی جاتی

274 - دیکھئے: بحث جمعية الموظفين وأحكامها في الفقه الإسلامي للدكتور عبد الله بن عبد العزيز الجبرين، منشور في مجلة البحوث الإسلامية، دار الإفتاء في المملكة العربية السعودية العدد (43)، ص: 283.

ہے، دوسرے ماہ دوسرے شخص کو، اسی طرح ہر ماہ میں ہوتے رہتا ہے، یوں ہر ماہ ہر شخص دوسروں کی طرح کل رقم بغیر کسی نقص اور زیادتی ہے حاصل کرتے رہتا ہے۔

اسی طرح اس مقالہ سے بھی واقفیت ہوئی جسے شیخ عبد اللہ بن سلیمان المنیع نے ترتیب دیا ہے، جس میں انہوں نے اس قرض کی نشاندہی کی ہے جو نفع بخش ہوتا ہے۔

پھر اس موضوع سے متعلق جو مناقشات ہوئیں ہیں اس سے مجلس پر ایسی کوئی بات واضح نہیں ہوئی جو اس تعامل سے شرعی نقطہء نظر سے مانع ہو، کیونکہ اس میں وہ نفع ہے وہ مقترض کو کچھ کم ہونے والا بھی نہیں ہے، اس میں منافع مساوی ہے، اوران مشارکین میں سے کسی کو بھی اس میں کوئی ضرر نہیں ہے، اور نہ ہی کسی سے کسی کو زیادہ نفع ملنے والا ہے۔

اور شریعت مطہرہ میں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جو ایسے مصالح کو حرام قرار دے جس میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس اس کی مشروعیت ثابت ہے، وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه.

جمعیۃ الموظفین کے جمع کردہ مال میں زکاۃ:

اس سے قبل یہ بات گذرچکی ہے کہ یہ قرض کی شکل ہے، اور قرض دین ہے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ ہر قرض دین ہے لیکن ہر دین قرض نہیں ہوتا، اب یہاں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کیا دین میں زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

زیادہ قرین صحت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے:

دین اگر ملیء پر ہو حولان حول کی صورت میں اس میں زکاۃ ہر سال واجب ہے۔

اور اگر دین کسی پریشان حال یہ مماطل پر ہو تو اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے، موتمر اسلامی سے جڑی فقہ اسلامی اکیڈمی([275]) نے یہی قرار جاری کیا ہے، اور ہمارے شیخ ابن باز([276]) رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں اس جمعیات سے متعلق ہم یہی کہیں گے کہ:

---

[275] - دیکھئے: القرار (1)، من الدورة الثانية (2/1).

[276] - دیکھئے: مجموع فتاوى ومقالات متنوعة للشيخ عبد العزيز بن باز (42/14، 43).

موظفین کی پہلی کڑی اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے کیونکہ اس پر حولان حول ہی نہیں ہوا ہے، اسی طرح دوسرے شخص سے لے کر ۱۲ ہویں شخص تک بھی۔

رہا مسئلہ تیرہویں شخص کا تو وہ قرض جو اس کے دیگر اصحاب پر ہے ان پر حولان حول ہو چکا ہے، اور یہ ایک جماعت پر دین ہے، تو ایسی صورت میں زکاۃ واجب ہو جاتی ہے۔

تو ۱۲ سے زیادہ ہوں تو ۱۳ سے اوپر جو بھی ہوں گے ان پر زکاۃ واجب ہو جاتی ہے، اس اعتبار سے کہ ان پر دیگر افراد کا قرض لازم آئے گا، وہ یہ کہ ایک جماعت پر قرض ہے، تو ایسے حضرات سالانہ حولان حول کی صورت میں دیگر موظفین کی طرف سے زکاۃ ادا کریں گے، واللہ اعلم

ABM PrintTime

تیرہویں فصل

تجارتی مسابقات[277]

اور اس کے احکام

ABM PrintTime

[277] - ازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں استباق کا معنی تین جگہ مختلف معنوں میں آیا ہے، اس میں ایک سورہ یوسف کی آیت ہے، اللہ تعالی نے فرمایا:﴿إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ﴾(یوسف: 17)۔ یہاں مفسرین اس کا معنی یہ بتلاتے ہیں کہ: ہم رمی کا انتظار کر رہے تھے۔

اس کی اہمیت:

یہ موضوع غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، ہمارے اس دور میں یہ بہت ہی عام ہے، سازوسامان کو لوگوں کے علم میں لانے اوران کی اس جانب رغبت کے لئے یہ موثر ذریعہ ہے، نفع بخش تجارت کے لئے یہ نہایت اہم وسیلہ ہے، چاہے یہ مسابقات کسی ایجنسی یا کمپنی کی طرف سے ہو یا جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ میڈیا کے طریق سے ہو۔

عملی طور سے اس کا وجود اور بکثرت اس کے استعمال کی وجہ سے اس امر کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے، اس موضوع کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ اکثر لوگ اس سے متعلق شرعی احکام سے ناواقف رہتے ہیں، ہاں اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس موضوع سے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے، گرچہ کہ فقہائے عظام نے اس موضوع سے متعلق وافر معلومات جمع کی ہیں اوراس سے متعلق لکھے ہیں، لیکن عصر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر ان شرعی ضوابط کی تطبیق ہنوز باقی ہے۔

مسابقات سے متعلق گفتگو کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع سے متعلق فقہاء نے جو اصول اور قواعد کی طرف راہنمائی کی ہیں اس کو ذکر کر دیا جائے، اوران ضوابط کے ذریعے یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس میں مباح کیا ہے اور عدم مباح کیونکر ہے، پھر ہم ہر دو کے لئے کچھ مثالیں بھی پیش کریں گے۔

اس مسئلہ کی اصل وہ عظیم حدیث مبارکہ ہے جس اہل علم نے اس موضوع کے بیان میں کافی اعتماد کئے ہیں، اوروہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لاَ سَبَقَ إِلاَّ فِى خُفٍّ أَوْ فِى حَافِرٍ أَوْ نَصْلٍ»([278])، یہ حدیث مبارکہ جوامع الکلم میں سے ہے، اوراس موضوع کے بہت سارے مسائل سے متعلق اپنے اندر ضوابط رکھتی ہے، جب کہ مذکورہ حدیث شریف کو تحریر میں لائیں تو اس کی عبارت ایک سطر سے تجاوز نہیں کرے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: «لاَ سَبَقَ»، لا یہاں نافیہ ہے۔

رب العلمین کا ایک فرمان: ﴿واستبقا الْباب﴾ (یوسف: 25)۔ اس کے معنی ہیں ان دونوں میں سے ہر ایک نے دروازے کی طرف دوڑنے لگے۔ اور تیسری آیت کریمہ ہے: ﴿ولو نشاء لطمسنا على أعينهم فاستبقوا الصراط فأنى يبصرون﴾ (یس: 66)۔ یہاں مسابقہ کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا یہاں تک کہ وہ گمراہ ہو جائیں اور راہ حق پر نہ رہیں۔ دیکھئے: تهذيب اللغة: (ج6، ص: 126).

[278] - أخرجه أحمد (7691)، وأبو داؤد: (2576)، والنسائي: (3600)، والترمذي: (1801)،وابن ماجه: (2899).

ABM PrintTime

«سبقَ»، یہ اسم "با" کے زبر اور جزم دونوں اعتبار سے پڑھا گیا ہے، لیکن مشہور زبر کے ساتھ ہی ہے۔ امام خطابی رحمہ اللہ اپنی کتاب "معالم السنن" میں کہتے ہیں: "اس باب میں صحیح بات با کا مفتوح ہونا ہے"۔ یہ نفی دراصل نھی کے معنی میں ہے ، لیکن نھی سے ابلغ ہے، تو اس کا معنی یہ ہے کہ: مسابقہ سوائے ان تین چیزوں کے علاوہ کسی اور میں صحیح نہیں ہے۔ تو اس حدیث مبارکہ سے یہ بات بھی بطور دلیل کے معلوم ہوتی ہے کہ مسابقہ میں اصل منع ہے، یوں اس باب میں یہ نہایت اہم قاعدہ ہے۔

«خُفّ» اس سے مراد اونٹ ہیں، «حَافِر» سے مراد گھوڑا اور «نَصْلٍ» سے مراد تیر ہے۔ معنی یہ ہے کہ سوائے اونٹ، گھوڑا اور تیر اندازی کے کسی اور شیء میں مسابقہ کی گنجائش نہیں ہے۔

مذکورہ تینوں چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارکہ میں آلات جہاد و حرب تھے، دور جدید میں جو آلات حرب ہیں ان کو بھی اس میں ضم کرنا چاہئے ، یوں اس میں بھی مسابقہ جائز ہے، کیونکہ وہ بھی اس کی وسعت میں داخل ہوتے ہیں، اس لئے بھی کہ شریعت کا عام آلات سے ان کو مستثنی کرنے اور ابھارنے کا سبب اہل اسلام کی تدریب ہے۔

اس کی اقسام: مسابقات اور مغالبات کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: عوض اور بغیر دونوں حیثیت سے جائز ہے، اور یہ مذکورہ حدیث کی روشنی میں اونٹ، گھوڑا([279])، اور تیر اندازی میں ہے، اور اس پر اہل علم کا اتفاق بھی ہے۔

دوسری قسم: عوض اور بغیر عوض ہر دو اعتبار سے بھی مطلقا حرام ہے، اور وہ ہے ہر وہ چیز جو انسان کو اس کے واجبات سے غافل کردے، یہ وہ از خود حرام ہو۔

تیسری قسم: بغیر عوض کے جائز مسابقہ، یعنی ہر وہ چیز جس میں منفعہ مباح طریقے سے ہو، اور اس میں مفسد غالب نہ ہو، یا راجح قول کے مطابق وہ ناجائز نہ ہو، جیسے فٹ بال ہے۔

---

[279] - دیکھئے: الجامع لأحكام القرآن (ج4، ص: 3374)، شرح صحيح مسلم للنووي: (ج13، ص: 4)، مراتب الإجماع: (ص: 183)، التمهيد: (ج14، ص: 88)، طرح التثريب: (ج7، ص: 241)، إحكام الأحكام شرح أصول الأحكام: (ج3، ص: 131).

ABM Print Time

بعض اہل علم نے قسم اول میں اس کو اضافہ کیاہے، کہ وہ مسابقہ جس میں اسلام کی تعلیمات اوراس کے ادالہ اور براھین کا اظہار مقصود ہو، اس تعلق سے ابن تیمیہ اورابن القیم([280]) رحمہا اللہ کا قول زیادہ مشہور ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے تو اپنی کتاب " الفروسیہ " میں اس موضوع سے متعلق کافی تفصیل سے لکھاہے، اوراس مسئلہ کے جواز پر استدلال کرتے ہوئے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کفار سے مراہنہ کو پیش کیاہے۔

مذکورہ قصہ کی تفصیل یہ ہے کہ: اللہ تعالی نے جب سورہ روم کی ابتدائی آیت نازل فرمایاجو یہ تھیں: ﴿الم* غُلِبَتِ الرُّومُ * فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ* فِي بِضْعِ سِنِينَ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ* بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ*﴾(يس: 1- 5)۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب فارس اورروم کامابین محاربت تھی، اوراہل اسلام روم کی فتح چاہتے تھے اس لئے کہ وہ اہل کتاب تھے، اور قریش فارس کی جیت کے منتظر تھے، اس لئے کہ وہ ان کی طرح اہل کتاب نہیں تھے، جب یہ آیت نازل ہوئیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں باآواز بلند یہ پڑھتے ہوئے نکل پڑے، تو قریش کے بعض لوگوں نے کہا: یہ آیات اس بات کا دعوی کررہی ہیں کہ روم کچھ ہی سالوں میں فارس پر غالب آجائے گا، اس پر انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مراہنہ کرلیا، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس پر ہاں کہدیا، انہوں نے کہا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اس قضیہ کی بابت کچھ سال کا معاہدہ ہوجائے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: چھ سال۔ آپ نے اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی، تو آپ نے فرمایا:" هلا أخفضت "ایک اورروایت میں" هلا احتطت " کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی مطلب یہ تھا کہ قرآن نے جولفظ بیان کیاہے " بضع "، اس کی آخری عدد نو ۹ کو بطور معاہدہ کہ رکھتے، اس میں احتیاط کا پہلو تھا۔ اوراس اعتبار سے چھ ٦ سال گذرگئے اورروم کو فتح نہیں ملی، توانہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے رھان طلب کیا، توابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس معاہدہ کا اعادہ کروایا کہ لفظ بضع کے تحت اس کی آخری عدد ۹ ہے توبقیہ تین سالوں میں اس کی فتح ہوجائے گی، اوراس پر دوبارہ مراہنہ ہوا، اور ساتویں ہی سال اس میں روم نے فارس پر فتح حاصل کرلی۔

اس بارے میں یہ بھی کہاجاتاہے کہ روم کی فارس پر فتح دیکھ کر صدیق کی اس اداپر کئی لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔([281])

---

[280] - دیکھئے: الفروسية: (ص: 96).

[281] - أخرجه أحمد في مسند ابن عباس: (ح 2542)، والترمذي في التفسير (ح 3192)، باب من سورة الروم. وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه من حديث عبد الرحمن بن أبي الزناد.

ABM Print Time

وجہ استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس مراہنہ پر باقی رکھا۔ تو مراہنات کی اس نوع پر مسابقہ جائز ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "الفروسیہ" میں لکھتے ہیں: مراہنہ اسلام کی عظمت اوراس کے دلائل اور براہین کی توضیح میں جائز ہے، جیسے کہ صدیق اکبر رضی اللہ نے مراہنہ کیا، اور یہ اس کے احقاق حق کے لئے تھا، اور یہ مراہنہ اونٹ، گھوڑا اور تیر اندازی کے مسابقہ سے زیادہ افضل ہے۔ اور دین اسلام کی حقانیت میں اس کا نہایت اہم رول ہے، اس لئے کہ اسلام کی عظمت دلائل وبراہین سے بھی ہے اور سیف وسنان سے بھی۔[282]

البتہ جمہور فقہاء نے اس کے جائز ہونے کے لئے یہ شرط بھی رکھے ہیں کہ اس میں اونٹ اور گھوڑے کے آپسی تسابق میں مزید تیسرا اونٹ اور گھوڑا بھی ہو، بصورت دیگر جائز نہیں ہے۔[283]

ان حضرات کی دلیل وہ حدیث ہے جسے سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ أَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ» يعني وهو لا يؤمن أن يسبق «**فَلَيْس بقمارٍ وَمَنْ أَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ وَقَدْ أَمِنَ أَنْ يُسْبَقَ فَهُوَ قِمَارٌ**»[284]

لیکن یہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں ہے، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: المحلل کا مسئلہ لوگوں نے سعید بن المسیب سے اخذ کیا ہے، اس محلل والی شرط کا صحابہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہیں، ان کے مراہنہ کی شکل خوب تر ہونے کے باوجود اس شرط کو نہیں ضروری نہیں قرار دیا ہے، بلکہ اس کے خلاف ان کا عمل رہا ہے[285]۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ میں محلل کے عدم شرط پر کوئی مخالف بھی رہے ہوں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے[286]۔ اسی لئے اس مسئلہ میں قرین صحت یہی قول ہے کہ اس میں محلل غیر مشروط ہونا ہی ہے۔

---

[282] - دیکھئے: الفروسية: (ص: 93).

[283] - دیکھئے: مراتب الإجماع: ص 183، الإفصاح: 318/2، بدائع الصنائع: 3878/8، الكافي لابن عبد البر: 489/1، المهذب: 413/1، المغني: 652/8.

[284] - أخرجه أبو داؤد: باب في المحلل، برقم: 2581، وابن ماجه: باب السبق والرهان. برقم: 2986.

[285] - دیکھئے: الفروسية: (ص: 163).

[286] - دیکھئے: الفروسية: (ص: 166).

جو باتیں اوپر گذر چکی ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ مسابقے جس میں مشارکین حضرات بطور تسابق کے اس میں خرچ کرتے ہیں وہ قمار یا میسر کی قبیل سے ہے، اور یہ ان امور میں سے ہے جس کو شریعت نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

قمار اور میسر میں فرق:

اکثر اہل علم بتلاتے ہیں کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، ان میں کے بعض قمار کو میسر ہی کا ایک جزء مانتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ نے میسر کی دو قسمیں بتلائی ہیں، ایک وہ جس میں محض لہو و لعب ہو، اور دوسرا جس فقط قمار۔([287])

اس رائے کے قائلین حضرات نے قمار کو بطور عوض کے مختص کیا ہے، اور میسر میں عوض اور بغیر عوض دونوں کا وجود ہوتا ہے، بس اس میں میسر کی علت کا ہونا اصل ہوتا ہے، یوں ان کے پاس ہر قمار میسر ہے، لیکن ہر میسر قمار نہیں ہے۔

میسر سے منع کا سبب:

ایک سبب یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس میں باطل طریقے سے کسی کا مال کھانا لازم آتا ہے، جب کہ حقیقی علت وہ ہے جس پر محقق اہل علم ہیں اور وہ یہ ہے: یہ میسر کئی ایک مفاسد کو شامل ہے بھلے ہی وہ عوض سے خالی ہو، یہی رائے شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہما اللہ کی ہے، تو اس میں بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ کئی مفاسد کو شامل ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿**يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**﴾(المائدة: 90)۔

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دراصل نصا و قیاسا یہی صحیح ہے، اصول شریعت بھی اسی کا اعتبار کرتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے میسر کو شراب اور انصاب کو شیطانی عمل اور ان چاروں اشیاء کو رجس قرار دیا ہے، اور ان میں موجود مفاسد کی طرف راہنمائی کی گئی ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿**إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ**﴾(المائدة: 91)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ اس میں موجود علت صرف اکل حرام ہی نہیں ہے بلکہ آیت کریمہ بتلائی گئی مفاسد بھی ہیں۔ البتہ اس میں اکل حرام کو بڑھا دیں تو اس کی حرمت میں مزید اضافہ ہی ہوگا۔ اسی لئے صحیح مسلم کی ایک

---

[287] - متقدمین میں سے ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ نے بھی یہی فتوی دے ہیں۔ دیکھئے: حاشية قليوبي، (ج2، ص 285).

ABM PrintTime

حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا:«**من لعب بالنردشير**[288] **فكأنما صبغ يده في لحم خنزير ودمه**»[289]

میسر اور خمر کو ایک ساتھ بیان کرنے میں غور و فکر سے کام لیجئے! اس میں جو حکمت ہے- واللہ اعلم- یہ ہے کہ: جو میسر کا عادی ہو جاتا ہے وہ اس نشہ میں اس قدر مست ہو جاتا ہے جس طرح شراب کے نشہ میں آدمی مست ہو جاتا ہے، اس کا تھوڑا حصہ بھی اسے مزید آگے لے جاتا ہے، اور اس میں کا ہر ایک عمل بغض و عداوت پیدا کرتا ہے، اور نماز و ذکر الہی سے روکتا ہے۔

میسر سے تعلق رکھنے والے مسابقات کی بابت فقہی قاعدہ:

ہر وہ مسابقہ، مغالبہ اور وہ کھیل جس میں متسابقین خود ہی خرچ کرتے ہوں یا اس میں بطور عوض کے داخل ہوں تو یہ چیز نفع اور خسارہ دونوں کے ساتھ چلتا ہے، تو یہی میسر میں داخل ہے، اس لئے کہ اس مسابقہ میں یا اس مغالبہ اور کھیل میں جو داخل ہوتا ہے وہ یا تو غارم ہو گا یا غانم ہو گا، ہاں وہ مسابقات اس سے مستثنی ہیں جسے شریعت نے اجازت دے رکھی ہے، اور اس سے متعلق کچھ قبل کلام گذر چکا ہے۔

اور جو کوئی ایسے مسابقہ میں داخل ہو گا جس میں یا تو وہ غانم ہو گا یا اس سے سالم ہی رہے گا تو وہ میسر میں شمار نہیں ہو گا، اور یہی وہ چیز ہے جو ہمیں مسابقات میں عملی اور اصولی شکل پیش کرتی ہے۔

---

288 - النرد: یہ ایک کھیل ہے جو گولک، یا پتھر یا اس قبیل سے ہوتا ہے، اور یہ مختلف علاقوں میں مختلف طریقوں سے بنایا جاتا ہے، ہمارے یہاں اس کو لڈو سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ مترجم

دیکھئے: الجامع لأحكام القرآن: 215/8، الفروسية: 64، المعجم الوسيط: 912/2، لسان العرب: 421/3، تاج العروس: 219/9، كشاف القناع: 39/4، منتهى الإرادات: 661/2، المغني: 170/9، الفتاوى الهندية: 398/3، بدائع الصنائع: 269/6، الفواكه الدواني: 79/2، أوجز المسالك إلى موطأ الإمام مالك: 89/15، نهاية المحتاج: 279/8، المهذب: 326/2، شرح النووي على مسلم: 15/15، نيل الأوطار: 258/8، الفقه الإسلامي وأدلته: 572/3.

289 - أخرجه مسلم: باب تحريم اللعب بالنردشير، برقم: 6033

دور حاضر کی مسابقات اور اس کی مختلف صورتیں:

۱)-ایسی تجارتی منڈیاں جو سحب پر مبنی ہوں جس میں دلچسپی رکھنے والا بغیر عوض کے داخل نہیں ہو سکتا ہے، اس شراء کی حیثیت اس مسابقہ میں قسیم کی یا اس قبیل کی ہے، جو کہ شرعا محرم ہے، اس لئے کہ اس میں متسابق یا غانم ہوتا ہے یا غارم۔[290]

رہا اس مسابقہ میں قسیم کا شراء میں مشروط نہ ہونا اور اس تجارتی منڈیوں میں بازار کی قیمت پر ہی اشیاء فروخت ہوتی ہوں تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ اس صورت میں متسابق یا تو غانم ہوتا ہے یا سالم، میسر سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا ہے۔

۲)-وہ مسابقات جس میں جڑنے کے لئے ایک معین رقم مشروط ہوتی ہے، جیسے ۷۰۰ والا نمبر طئے ہوتا ہے، یہ تو اس صورت میں میسر ہے، یوں جو بھی رقم ۷۰۰ سے جڑی ہے تو وہ میسر کی قبیل سے ہے، اس لئے کہ اس میں داخل ہونے والا یا تو غانم ہوتا ہے یا پھر غارم۔

۳)-وہ مسابقات جو بذریعہ رسائل فون کی وساطت سے بھیجے جاتے ہیں:

یہ بھی میسر ہے، اس لئے کہ اس پر وہی مذکورہ قاعدہ منطبق ہوتا ہے، یعنی غانم یا غارم۔

۴)-اخبارات کے ذریعے ہونے والے مسابقات، اس میں تفصیل ہے:

۱)- اس میں بھی داخل ہونا حرام ہے اس لئے کہ یہ میسر کی ہی قبیل سے ہے، اور میسر ہی کا قاعدہ اس پر منطبق ہوتا ہے، ایک اخبار کے مدیر سے سوال کیا گیا کہ وہ روزینہ کتنے اخبار شائع کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ۴۰۰۰ چالیس ہزار اور اس میں سے ۱۰۰۰ ایک ہزار واپس آجاتے ہیں، اور جب اس میں اس نوع کی مسابقہ کی خبر شائع ہوتی ہے اور ۳۰۰۰۰ ہزار شائع کی جائیں تو پوری فروخت ہو جاتی ہیں، کچھ نہیں بچتا ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ ایک تعداد لوگوں کی ایسی ہوتی ہے جو صرف اس لئے اخبار خریدتے ہیں جو اسی نوع کی مسابقات میں کامیابی کی خاطر لالچ میں آکر خریدتے ہیں۔ جب کہ اخبار سے ان کا کوئی اور علاقہ نہیں ہوتا ہے۔

---

290 - دیکھئے: فتوى اللجنة الدائمة، رقم: 11182.

ABMPrintTime

ب)- ہاں کوئی اس لئے اخبار خرید تا ہے جس میں اس کو اس مسابقہ میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی ہے، اور بس وہ اخبار اس لئے خرید تا ہے کہ وہ عادۃ خرید تا ہے، یا تو حکومت اس کو پہنچاتی ہے یا کوئی ایجنسی پہنچاتی ہے، اور یوں کسی مناسبت سے وہ اس مسابقہ میں شریک ہو تا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے اس صورت میں میسر کا قاعدہ اس پر منطبق نہیں ہو تا ہے، بلکہ وہ یا تو غانم ہو تا ہے، یا سالم۔

اس تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ ابن العثیمین رحمہ اللہ نے فتوی دیا ہے۔

۵)- ہوٹل یا ایر پورٹ کی طرف سے دیئے جانے والے کارڈ:

اس میں داخل ہونے والا اگر کچھ عوض میں دیتا ہے تو یہ میسر کی قبیل کی ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے کہ اس میں کچھ ہوٹل اور ایر پورٹ میں یہ آپشن بھی ہو تا ہے کہ اس میں داخل ہونے کے لئے رسماً کچھ رقم خرچ کرنا ہو گا، ایسی صورت میں میسر کا قاعدہ اس پر منطبق ہاجاتا ہے۔

ہاں اگر یہی چیز مفت ہے تو اس میں شرعاً کوئی مانع نہیں ہے اس لئے کہ اس میں میسر کا قاعدہ منطبق نہیں ہو تا ہے، اس میں یا تو وہ غانم ہو تا ہے یا سالم۔

۶)- وہ سارے کھیل کود جس میں عوضاً کچھ دیا جاتا ہے، اور اس میں دافع کا مسئلہ اس طرح ہو تا ہے کہ وہ نفع یا نقصان کے مابین ہو تا ہے۔

ABM PrintTime

انہیں کھیلوں میں سے ایک شطرنج اور نرد([291]) وغیرہ بھی ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «من لعب بالنرد شیرفکأنما صبغ یده في لحم خنزير ودمه»([292])

ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نرد شیر کھیل حرام ہے، اگر اس میں عوض نہ بھی ہو تو جمہور اہل علم کے ہاں حرام ہے، اور اگر عوضا ہو تو باجماع اہل علم حرام ہے۔([293])

دور کی وہ شکلیں جو میسر کی امتزاج سے خالی ہیں:

1)- قرآن وسنت([294]) اور دیگر ثقافتی مسابقے:

جس میں متسابقین میں سے کوئی بھی اپنے تئیں خرچ نہیں کرتا ہے، یا کرتا ہے تو خارجی طور سے کوئی کرتا ہے، تو اس میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے، اور اس میں خرچ کرنا فقہی نقطہ نظر سے یہ جعالہ کی قبیل سے ہوگا۔

2)- بعض تجارتی منڈیوں کی طرف سے سامان کے ساتھ دئے جانے والے تحائف:

جیسے کچھ مشروبات اور دودھ وغیرہ ہے، اس میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ چیزیں بھی بازار ہی کی قیمت پر فروخت کی جائیں، اس میں بس اتنی سی بات ہے کہ بائع اپنے کچھ حق سے تنازلی اختیار کرلیتاہے، مثلاً کسی چیز کی قیمت دس ریال ہو اور وہ نو ریال میں فروخت کردے اور ایک ریال پر مبنی کوئی چیز ساتھ دیدے، تو ایسی صورت میں یہ میسر سے کوئی علاقہ نہیں رکھتاہے، کیونکہ وہ یا تو غانم ہوتاہے یا پھر سالم۔

3)- **بعض محطات الوقود کی طرف سے** بطور ہدیہ دی جانے والی اشیاء جیسے دستی وغیرہ۔

---

[291] - دیکھئے: المعجم الوسيط: 482/1، تاج العروس: 219/1، أوجز المسالك: 88/15، مطالب أولى النهى: 702/3، مجموع فتاوى أبو العباس ابن تيمية: 216/3، كشاف القناع: 39/4، المغني: 131/9، منتهى الإرادات: 611/2، المدونة الكبرى: 79/4، بدائع الصنائع: 270/6، مغني المحتاج: 312/4.

[292] - أخرجه مسلم: باب تحريم اللعب بالنردشير، برقم: 6033

[293] - دیکھئے: مجموع الفتاوى: 32/242- 253

[294] - دیکھئے: المغني: 652/8، كشاف القناع: 39/4، مواهب الجليل: 390/3، حاشية ابن عابدين: 403/6، الاختيار: 268/4، الاختيارات الفقهية: ص 160، الفروسية: ص 65، فتاوى الشيخ محمد بن إبراهيم: 132/8.

ایک رائے یہ ہے کہ یہ جائز ہے، اس لئے کہ میسر کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ سابقہ مسئلہ سے ہم آہنگ ہے، اور صاحب المحطہ کی طرف سے اپنے حق میں تنازلی ہے، ہمارے بعض مشائخ نے بھی اس کے جواز کا فتوی دیا ہے، جن میں سے شیخ ابن العثیمین رحمہ اللہ ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہ حرام ہے، اس لئے کہ دوسرے محطات کو اس سے ضرر پہنچتا ہے، یہ بعض معاصر اہل علم کی رائے ہے۔

مذکورہ دونوں قابل احترام رائے کو سامنے رکھ کر نقاش کیا گیا کہ تجارتی امور میں تنافس زمانہ قدیم سے رہا ہے، حتی کے عہد نبوی میں بھی رہا ہے، البتہ اس میں ظاہری اعتبار سے کسی کو ضرر پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں ولی الامر اس میں تداخل کرے گا اور اشیاء کی قیمت لگائے گا، اسی کو فقہاء کی زبانی تسعیر کہتے ہیں۔ جیسے کہ اس کی طرف ابو العباس ابن تیمیہ اور آپ کے شاگرد ابن القیم رحمہا اللہ نے اشارہ کیا ہے۔

صحیح اور اقرب الی الصواب قول یہ ہے کہ پہلا قول راجح ہے اور وہ جواز ہے، کیونکہ یہ تخفیض سے مشابہ ہے البتہ براہ راست ہونے والا معاملہ نہیں ہے۔

اس بحث کو ہم مسابقات سے متعلق فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے پیش کی گئی قرارداد بتلا کر ختم کرتے ہیں۔

موتمر اسلامی کی زیر نگرانی فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے پاس کیا گیا قرار جو مسابقات سے متعلق ہے، قرار نمبر 127 (14/1).

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين، والصلاة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وعلى آله وصحبه أجمعين.

موتمر اسلامی سے جڑی فقہ اسلامی اکیڈمی نے شہر دوحہ قطر میں منعقدہ اپنے چودھویں دورے میں جو بتاریخ 8-13 ذوالقعدۃ 1423 موافق 11-16 جنوری 2003م کو رہا۔

مسابقات سے متعلق جو بحوث وارد ہوئے ہیں ان سے مطلع ہونے اور اس پر ہوئے مناقشات کو سننے کے بعد اکیڈمی نے یہ قرار پیش کیا ہے:

پہلی بات: مسابقہ کی تعریف:

مسابقہ کہتے ہیں: اس معاملہ کو جو دو یا دو سے زائد کے مابین کسی امر کے محقق ہونے میں منافست پر قائم ہو، یا پھر عوضا یا عوض کے بغیر انعام کے حصول پر قائم ہو۔

دوسری بات: مسابقہ کی مشروعیت:

ABM Print Time

1)- مسابقہ ہر اس امر میں جائز ہے جو میں عوض نہ ہو، ہاں کسی امر میں شرعا نص وارد ہو تو وہ جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اس کے استعمال میں کسی حرام کے مرتکب ہونا یا کسی واجب کے ترک کرنا نہیں ہو گا۔

2)- مسابقہ عوضا بھی درج ذیل ضوابط کی روشنی میں جائز ہے:

أ)- مسابقہ کے اہداف و مقاصد، وسائل اور اس کے سارے میادین مشروع ہوں۔

ب)- عوضا بطور انعام کی رقم میں سارے متسابقین شریک نہ ہوں۔

ج)- مسابقہ اس کا اصل مقصد کسی طرح بھی شرعی نقطہء نظر سے صحیح ہو۔

د)- اس مسابقہ کے ذریعے کسی واجب کے ترک کرنے یا کسی حرام کے ارتکاب ہونے نہ پائے۔

تیسری بات: ایسی بطاقات یا کوپن جس میں کسی طرح کی قیمت یا اس کا کوئی جزء بھی انعامات کے کسی بھی حصے میں داخل ہو تو یہ شرعا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ میسر کی قبیل سے ہے۔

چوتھی بات: دو یا دو سے زائد کے مابین کسی عمل غیر کے نتیجے میں مادی یا معنوی فائدے کی خاطر مراہنہ شرعا حرام ہے، یہ میسر کی حرمت سے متعلق آیات اور احادیث کے عموم میں داخل ہے۔

پانچویں بات: اس طرح کے مسابقات میں داخل ہونے کے لئے بذریعے فون ہونے والے مکالمات کی تکمیل کے لئے خرچ ہونے والی رقوم بھی شرعا جائز نہیں ہیں، اگر یہ رقوم ملنے والے انعامات کا حصہ ہیں تو شرعا حرام ہیں، اس لئے کہ یہ لوگوں کے مال کو غیر شرعی طریقے سے کھانا لازم آتا ہے۔

چھٹی بات: اس عمل کے ذریعے یعنی انعامات کے حوالے سے جس میں مسابقہ بھی شرعی نقطہء نظر سے ہو کوئی اپنے سامان کی ترویج کا فائدہ اٹھاتا ہے تو اس میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے، ہاں اس میں کسی طور سے مالی استفادے کی بات نہ ہو، اس میں ایک شرط ہے وہ یہ کہ: اس میں موجود قیمت متسابقین کی طرف سے نہ ہو، اور اس سامان کی ترویج میں کسی طرح کا دھوکہ اور اپنا پیسہ خرچ کرنے والوں کے حق میں خیانت ہو۔

ساتویں بات: محض کامیابی کے لئے قیمت کو بڑھا دینا یا درپیش نقصان کی خاطر خوب گھٹا دینا شرعا جائز نہیں ہے۔

آٹھویں بات: ہوٹل اور ہوائی اڈوں سے متعلق کمپنیاں اور دیگر ایجنسیاں جو بطاقات فراہم کرتی ہیں اس سے وہ مباح طریقے سے فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ یہ بغیر عوض کے ہو اور مفت ہو تو شرعا جائز ہے، اور اگر عوضا ہو تو اس میں موجود غرر کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

نصیحت:

اکیڈمی سارے ہی مسلمانوں کی اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ وہ اپنے سارے معاملات اورنشاطات میں حلال کے حصول میں سرگرم رہیں، اوراسراف وفضول کرچی سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔

ABM PrintTime

چودہویں فصل

شرکات التسویق الھرمی

ABM Print Time

پہلا مبحث: تسویق ہرمی کی حقیقت

اس طرح کی کمپنیاں آخری دور میں نمایاں ہوئی ہیں، اور یہ مغربی ممالک میں ظاہر ہوئی ہیں، پھر مسلم ماحول میں اس نے اپنا مقام بنائی ہیں، اسی لئے معاصر اہل علم کے مابین اس میں اختلاف ہوا ہے، اس کی کارکردگی کا خلاصہ یہ ہے کہ: اس میں یہ کمپنیاں آدمی کو سامان کی خریداری میں مطمئن کر دیتی ہیں، اور اگر یہ دیگر گاہکوں کو لاتا ہے تو ہر گاہک پر اس کے لئے ایک معین حصہ ہوتا ہے، اور گاہکوں کا طبقہ جتنا بڑھتے رہتا ہے، تو ابتدائی گاہکوں کے آمدنی میں اتنا ہی اضافہ ہوتا رہتا ہے، یوں ہزاروں ریالات کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر مشارک اپنے تئیں اور گاہکوں کو اس سامان کی خریداری میں قانع کرتا رہتا ہے تاکہ اضافی رقم کا وہ مستحق ہوتا رہے، یوں دھیرے دھیرے اس کمپنی سے خریدی کرنے والوں کی تعداد خوب خوب ہو جاتی ہے جو دراصل انہیں گاہکوں کی رہین منت ہے۔

ان کمپنیوں سے متعلق مزید وضاحت کے لئے ہم بطور مثال دو کمپنیوں کو پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس میدان میں خوب پذیرائی حاصل کی ہیں۔ جن میں سے ایک "بزناس" ہے اور دوسری کمپنی ہے "ہبۃ الجزیرۃ"۔

رہا مسئلہ بزناس کمپنی کا تو اس کا طرز تعامل یہ ہے کہ ایک شخص جو بھی خریداری کرے وہ کمپنی سے اپنا معاملہ رکھے، اس کمپنی کا ایک نظام ہوتا ہے اس کو پروسس ہے، اس کے ایمیل کے ذریعے رابطہ کرے جس کی قیمت ۹۹ ڈالر ہے، پھر اس کے بعد وہ اس مشتری کو ایک موقع دیتے ہیں کہ وہ ایک معین قیمت کے تحت کسی گاہک کو لاکر خریداری کرواسکتا ہے، پھر اس کے بعد وہ دیگر گاہکوں کو اس خریداری سے مطمئن کرواسکتا ہے، یہاں تک کہ یہ ایک مضبوط پوزیشن میں ہو جاتا ہے۔

کمپنی اس معاملہ میں یہ شرط بھی رکھتی ہے کہ وہ جو گاہکوں کو لے آتا ہے وہ نو ۹ کی عدد سے کم میں نہ ہوں، پھر اس سلسلہ میں اول خریدار کے نیچے دو ہوں تو اس سے دو عدد جڑے ہی ہوں اس سے کم میں نہ ہوں، اس طرح اس کی قیمت ۵۵ ڈالر ہو جاتی ہے، اور یہ رقم کی اس طرز تعامل کے تحت نو ۹ لوگوں کے مقابل تصریف کی جاتی ہے۔ اور اس کمپنی میں جتنے لوگوں کا اضافہ ہوتا ہے اس کے بقدر قیمت بھی دوگنی ہوتی ہے، اگر ہم فرض کرلیں کہ کمپنی ہر ماہ ترقی کی طرف آگے بڑھ رہی ہے، یعنی ہر شخص کی طرف سے دو لوگوں کا اضافہ ہو رہا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ: اس کمپنی سے جڑا ایک رکن

ABM Print Line

اس آمدنی میں ایک روپیہ سے لے کر ۲۵ ہزار ڈالر تک حاصل کرلیتا ہے، جو کہ ایک سال کی مدت ہے، اور یہ اضافہ ہر ماہ ہوتے رہتا ہے۔

ہبۃ الجزیرۃ کمپنی اپنی سوچ وبچار میں بزناس کمپنی سے قریب قریب ہے، یہ اپنی تجارت کو سی ڈی کے ذریعے فروغ دیتی ہے ،اس میں مختلف طریقے کے شرعی علوم کے حامل فنکشن ہوتے ہیں، جیسے فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ۔۔۔۔اور یہ پانچ سو ۵۰۰ ریال میں فروخت کی جاتی ہے، اور ہر کوئی اس کمپنی ہی سے اس کی مارکیٹنگ کرتا ہے، اس لئے کہ اس میں ہر خریدار کا نام مندرج ہوتا ہے جسے اس نے ساتھ لایا ہے، اور جس شخص کے ذریعے چار گاہکوں کی عدد پوری ہو جائے تو کمپنی کی طرف یہ شخص بطور مکافہ ۶۰۰ ریال حاصل کرتا ہے، جب کہ مارکٹنگ کرنے والے پر چار کی عدد کوئی لازمہ نہیں ہے۔

اگر مارکٹنگ کرنے والا اپنی طرف سے کچھ لوگوں کو لے آتا ہے جو اس تسوق میں رغبت رکھتے ہیں، تو یہ ہر کی طرف سے کمپنی سے ۷۵ ریال کا مستحق ہوتا ہے، اور اگر اس کی طرف سے ۳۴۰ خریدار ہو جائیں، تو یہ کمپنی کی طرف سے ۴۲ ہزار ۵۰۰ ریال کا مستحق ہو جاتا ہے، جو کہ کمپنی کی طرف سے ایک عطیہ ہوتا ہے، تو محض اس اسطوانہ کی خریداری کی وجہ سے جس کی قیمت ۵۰۰ ریال ہے، تو وہ کئی عمولات کا حصول کر جاتا ہے جو ۴۲ ہزار ۵۰۰ ریال تک جاتا ہے، اور یہ کمپنی کی طرف سے ہبہ اور عطیہ مانا جاتا ہے۔

ان کمپنیوں کا یہ کہنا ہے کہ: یہ عمولات اس وقت عطیہ کی جاتی ہیں جب آپ اپنے بعد دیگر گاہکوں کو لے آئیں گے تب، بلکہ نہ بھی لائیں تب بھی یہ دی جائیں گی، ہاں جب یہ خوب جمع ہو جائیں تو ۴۲ ہزار ۵۰۰ ریال بن جاتے ہیں۔

پہلا مبحث: تسویق ہرمی کا شرعی حکم:

معاصر اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے، اور اس میں دو قول ہیں:

پہلا قول: جواز کا ہے، پھر اس قول کے قائلین میں اختلاف ہے۔

ان میں سے کچھ نے بغیر کسی قید وشرط کے مطلقا جائز قرار دیا ہے۔

ان میں سے بعض اہل علم نے اس قید سے جائز قرار دیا ہے کہ کمپنی اس صورت میں کچھ خدمت بھی پیش کرے جو کہ حقیقی ہو۔

اور ان میں سے بعض اہل علم نے دو شرط رکھے ہیں۔

کمپنی ان اشیاء کی فروخت میں وہی قیمت رکھے جو بازار کی قیمت ہے۔

اس میں خریدار کا وقت خریداری اپنی حاجت رکھتا ہو اور رغبت بھی۔

ABM Print Time

دوسرا قول: منع ہے، اور شرعا حرام ہے، اسی قول کی طرف دور حاضر کے اکثر اہل گئے ہیں، اور اللجنہ الدائمہ کی طرف سے اس بارے میں فتوی بھی جاری کیا گیا ہے۔

قائلین جواز مطلق کے دلائل:

1)- عقود میں اصل اباحت ہے۔

2)- اور جو عمولات خریدار حاصل کرتا ہے وہ بذریعہ دلال کے حاصل کرتا ہے، تو یہ عمولات دلالی کے عوض ہے، اور یہ شرعا جائز ہے۔

3)- اور خریداروں کے ازدیاد سے ہونے والے نفع سے کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے کہ خریداروں کے اضافے سے دلالی کرنے والے کی اجرت میں اضافہ ہوتا ہے، اور عقود میں اگر ربا، اور کسی طرح کا دھوکہ نہ ہو تو اصل اباحت ہے۔

اور جو حضرات اس بات کی قید لگائے ہیں کہ اس میں کمپنی کی طرف سے حقیقی خدمات ہوں محض خیالی نہ ہوں، تو انہوں نے یہ کہا ہے کہ: اگر یہ محض تخمینہ ہو تو اس میں ربا سمیت بہت ساری شرعی محاذیر ہوتی ہیں۔

اور جو اہل علم اس میں دو شرطوں کا اضافہ کئے ہیں: کہ کمپنی بازار کی قیمت ہی پر فروخت کرے، اور خریدار کی رغبت بھی اس میں ہو۔ یہ دو شرطوں کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ: یہ عمولات ان دو شرطوں کی وجہ سے مشتری کے حق میں ہبہ مانی جائے گی۔

قائلین عدم جواز کے دلائل:

ان اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ اس معاملہ میں اصل مقصود عمولات ہے، اس سے ہونے والا استنتاج نہیں ہے، اور یہ عمولات کبھی ہزاروں تک جا پہنچتا ہے جب کہ اس منتج کی قیمت سیکڑوں پر سے متجاوز نہیں ہوتی، اور کسی بھی عاقل پر یہ دونوں امر درپیش ہوں اور اختیار دیا گیا ہو تو وہ عمولات ہی کو اختیار کرتا ہے۔ اسی لئے ان کمپنیوں کا مارکٹنگ میں عمولات کو نمایاں کرنے میں ہی اعتماد ہوتا ہے جس سے ان کو اس بیع میں بکثرت لوگوں کا اشتراک مقصود ہے، اور کچھ سی ہل چل سے بڑے پیمانے پر نفع اندوز ہونا ہی اصل اصیل ہوتا ہے، جو دراصل منتج کی قیمت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کمپنیاں جو مارکٹنگ کرتی ہیں وہ اس منتج کو رکھ کر دراصل ان کے پیش نظر نفع ہی ہوتا ہے۔

اسی لئے ان خریداروں میں سے اکثر- ہاں ہم یہ نہیں کہیں گے کہ پورے ہی خریدار- کا مطمح نظر یہی ہوتا ہے کہ وہ اس منتج کے ذریعے اپنی محنت کی برابری اور مکافات ہی چاہتے ہیں اس سے منتفع ہونا اصل مقصد نہیں ہوتا۔

ABM PrintTime

ان میں سے کچھ اس کی خریداری کرتے ہیں جب کہ ان کے پاس کوئی اس کا کوئی خاص حساب وکتاب ہی نہیں رہتا، کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس علم شرعی نہیں ہوتا۔ کچھ تو عربی زبان سے بھی واقف نہیں ہوتے، اور کچھ تو سرے سے مسلمان ہی نہیں ہوتے ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خرید کر دوسروں کو سونپ دیتے ہیں، اس پریشانی سے اپنے آپ کو دور ہی رکھتے ہیں، اور کچھ تو بڑی مقدار میں اس کی خریداری کرتے ہیں جب کہ ان کو اس کی حاجت ہی نہیں رہتی ہے۔

مذکورہ حقیقت سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ان خریداروں کے پیش نظر محض عمولات کا حصول ہی ہوتا ہے، اور مکافات کا حصول جو کہ دھیرے دھیرے ہزاروں تک جا پہنچتا ہے، اور اگر صورت حال یہ ہو تو یہ کئی وجوہات کی بناء پر حرام ہوگا، وہ وجوہات یہ ہیں:

پہلی وجہ: یہ شکل ربا کی دونوں نوعیتوں سے پر ہے، اس میں شریک ہونے والا برائے نام ادا کرتا ہے اور خوب منافع حاصل کرتا ہے، تو یہ بیع نقد پر نقد ہے اور اس میں تفاضل بھی واقع ہو رہا ہے، اور یہ حرام ہے، اور وہ منتج جسے کمپنی فروخت کرتی ہے یہ بس تبادلہ کی ایک شکل ہے، اور اس میں شریک افراد کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، اور اصل حکم میں اس کا کوئی اثر بھی نہیں ہے، اسی لئے یہ منتج مثلاً جو ۵۰۰ ریال میں بیچی جاتی ہے۔ کمپنی ایسا کوئی دعوی تو نہیں کرتی ہے۔ جب بازار کی قیمت اس سے مختلف ہوتی ہے اور کافی کم ہوتی ہے، یوں کمپنی حقوق کی تحفظ نہیں کرپاتی ہے، کبھی دس ریال تک اس کی قیمت پہنچتی ہے اور کبھی اس سے کم۔ اور اگر بڑھ جائے تو اس کی قیمت سو۱۰۰ ریال تک پہنچتی ہے، تو اس سے بچی ہوئی قیمت ربوی کہلاتی ہے۔

مثلاً: ایک شخص چار سو ریال ادا کرتا ہے اور اس کے مقابل کئی گنا اضافی رقم حاصل کرلیتا ہے، یہی ربا الفضل ہے، اور اس میں تاخیر ہونے کی وجہ سے یہ ربا النسیئۃ بھی جمع ہو جاتا ہے۔

دوسری وجہ: یہ شرعی نقطہ نظر سے بھی دھوکہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے یہ مشترک اس بات سے قطعا ناواقف رہتا ہے کہ آیا وہ اس عدد کو پوری کرپائے گا یا نہیں؟ اس لئے بھی تسویق ہرمی میں جتنا بھی تسلسل رہے بالآخر اس کو ایک عرصہ بعد ایک نقطہ انتہاء پر توقف کرنا ہی ہوتا ہے، اور اس مارکٹنگ میں وہ یہ نہیں جان پاتا ہے کہ وہ طبقہ علیا میں ہوگا کہ وہ کامیاب ہو جائے گا؟ یا پھر وہ نچلے طبقہ میں ہوگا کہ وہ خسارہ میں ہوگا؟ اور دیکھنے میں تو یہی آتا ہے کہ اس میں

شریک اکثر لوگ خسارہ میں رہتے ہیں سوائے کچھ لوگوں کے جنہیں کامیابی ملتی ہے۔اور حقیقت میں یہی غرر اور دھوکہ ہے۔یعنی فائدہ اور نقصان کے مسئلے کو لے کر متردد ہونا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دھوکہ سے منع فرمایا ہے۔([295])

تیسری وجہ: اس میں لوگوں کا باطل طریقے سے مال کھانا بھی لازم آتا ہے، اس لئے کہ اس آمدنی سے صرف کمپنی ہی فائدہ اٹھاتی ہے، اور وہ لوگ جو اس میں شرکاء کی ازدیاد پر مامور ہیں، جس میں اوروں سے خداع ہوتا ہے، حالانکہ رب العلمین نے فرمایا: ﴿ **يا أَيُّها الذين آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَموالَكُمْ بينَكُمْ بالْبَاطِلِ إلَّا أَنْ تَكُونَ تجارةً عَنْ تَراضٍ منكُمْ ولَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إنَّ اللهَ كَانَ بكُم رحيماً**﴾(النساء: 29)۔

اسی لئے ہم بعض مغربی ممالک میں دیکھتے ہیں اگر اس طرز تعامل میں منہج نہیں ہے تو وہ تعامل پر روک لگاتے ہیں، اور اس طرح یہ کمپنیاں اس پر عمل پیراہ ہوتی ہیں، اور اور کچھ اس طرح حیلے اختیار کرتی ہیں جس سے اس منہج کو رکھ کر کام نکالتی ہیں، جو دراصل ان حقائق پر پردہ پوشی کر رہی ہوتی ہے۔تاکہ بلاد غرب میں اس عمل کی وجہ سے قانون کی زد میں آنے سے بچ جائیں، اور اسی تصور سے یہ مسلم ممالک میں بھی اپنا جال بچھا چکی ہیں۔

چوتھی وجہ: اس طرز تعامل میں "منہج" کے دل فریب نام پر تدلیس سے کام لیا جاتا ہے، جب کہ معاملہ اس کے برخلاف ہوتا ہے، پھر خطیر رقم کا حوالہ دے کر ان کو لوگوں کو متوجہ کیا جاتا ہے جو بیشتر اوقات ہاتھ نہیں آتے ہیں، یوں یہ عین دھوکہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے، جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من غشنا فليس منا"([296])، مزید براں یہ کہ اس نوع کی مارکیٹنگ ابتداء ہی سے غش کی مختلف صورتیں اپنے اندر رکھتی ہے، مستزادیہ ہے کہ اس طرز تجارت کی تحذیر پر بہت ساری کتابیں، بحوث سامنے آئی ہیں، اس تجارت سے اس سے جڑے افراد جو امید لئے بیٹھے ہیں، دراصل مالی لالچ انہیں یہاں کھینچ لاتا ہے، اور خطیر رقم کے حصول ان کے زعم میں معمولی ادائیگی پر ہوتی دکھائی دیتی ہے، جب کہ امر آخر یہی ہوتا ہے کہ یہ رقم ان کمپنیوں کے کھاتے میں چلی جاتی ہے، اور عام لوگ بس منہ لئے رہ جاتے ہیں۔

---

[295] - دیکھئے: أخرجه مسلم عن أبي هريرة رضي الله عنه: كتاب البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر. (ح881،3)

[296] - دیکھئے: أخرجه مسلم: كتاب الإيمان، باب قوله: من غشنا فليس منا. (ح 294)

ABM Print Time

مثلا: پاکستان کی مالی امور پر مشتمل کمیٹی نے وہاں اپنی عوام کو بزناس کمپنی سے تعامل کرنے پر آگاہ کیا ہے، اوراس سے باخبر کرتے ہوئے کہاہے کہ: یہ کمپنیاں اپنے معاملات میں غیر شرعی ہونے کے ساتھ مختلف حیلے اختیار کئے ہوئے ہیں اور تعامل میں غیر اخلاق بھی ہیں، دھوکہ دہی اور فریب کاری میں یہ کمپنیاں سر تا پیر ڈوبی ہوئی ہیں۔

اسی طرح سکا ییر نامی کمپنی ہے جو اپنے معاملات میں بزناس کمپنی کے عین مشابہ ہے، جو متحدہ امریکہ میں واقع ہے، عالمی سطح پر اس کی کئی شاخیں بھی ہیں، امریکی تجارت کے وزیر نے اس کے خلاف ایکشن لیاہے اوراس پر الزام لگایاہے کہ یہ اپنے معاملات میں صحیح نہیں ہے، اور دھوکہ دہی اور فریب کاری کے انجام دینے میں حیلے اختیار کرتی ہے، اور کورٹ نے یہ فیصلہ بھی جاری کیاہے کہ اب سے اس طرح کی کمپنیوں پر روک لگادی جائے اور لوگوں کا لیاگیاپیسہ واپس کیاجائے، اب غور طلب امر یہ ہے کہ اگر مغربی ممالک ہی میں اس نوع کی تجارت پر پابندی لگائی جاتی ہے اوراس طرح کی کمپنیوں کو دھوکہ کی وجہ سے مطعون کیاجاتاہے تو شریعت اسلامیہ بدرجہ اولی اس پر پابندی لگاتی ہے، بلکہ اسلامی تعلیمات ان کمپنیوں پر جو بنیادی طور سے دھوکہ اور فریب پر قائم ہیں، انہیں روک لگانے کا زیادہ استحقاق رکھتی ہیں۔

راجح:

راجح یہی ہے کہ یہ ممنوع تجارت ہے، اس لئے تحریم سے متعلق جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ نہایت قوی ہیں، اور جواز سے متعلق پیش کئے گئے دلائل اس کے مقابل ضعیف ہیں۔

رہا قائلین جواز کا یہ کہنا کہ اس منتج کی قیمت وہی ہے جو بازار کی قیمت ہے اورازدیاد کا تعلق مشترکین کو بطور ہدایا کے دیاجاتاہے، تو ان کی اس بات کو تسلیم کرلینے کے بعد انہیں یہ جواب دیاگیاجائے گا کہ: بازار کی قیمت اس سے کہیں زیادہ کم ہوتی ہے، اوراعتبار بازار کی اصل قیمت کا ہوگا نا کہ ان کمپنیوں کا جو بازار کی قیمت کا ریٹ اپنی طرف سے بتلادیتے ہیں جو کہ خلاف حقیقت ہے، اسی لئے اگراس طرح کی کمپنیاں اپنے اس دعوی میں سچے اور سنجیدہ ہیں تو وہ منتج کو بازار ہی میں لے کر کیوں نہیں آجاتے؟ تاکہ معلوم ہوجائے کہ بازار میں کیاقیمت چل رہی ہے! اور یہ بات غیر معقول ہے کہ ایک اسطوانہ کی قیمت ۵۰۰ ریال ہوجائے گی، ہاں بازار کی قیمت بھی اگراسی کے مساوی ہو تو یہ بات مقبول ہے، پھر یہ بات اس اعتبار سے مقبول ہوگی کہ یہ ازدیاد بطور ہبہ یا بطور دلالی کے دی جاتی ہے۔

قائلین کا یہ کہنا: عمولات یہ دراصل دلالی کے مقابل عوضا دیاجاتاہے، جب کہ دلال کو سامان کے فروخت کرنے پر بطور اجرت دیاجاتاہے، جب کہ اس نوع میں مشترک ہی درحقیقت ادا کرتاہے، اور دلالی میں سامان فروخت کرنا ضروری

ABM PrintTime

ہوتا ہے جب ہرمی تسویق میں ایسا کوئی ضروری نہیں، اس میں عمولات کو فروخت کرنا ہوتا ہے منتج نہیں، اس طرح ان میں سے ہر دو کی شکل جدا جدا ہے۔

قائلین کا یہ کہنا کہ یہ ازدیاد بطور ہبہ کے ہے، غیر مسلم بات ہے، تسلیم کر بھی لیا جائے تو ہر ہبہ جائز نہیں ہوتا۔ مثال کے طور سے وہ ہبہ جو مستقرض مقرض کو پوری رقم ادا کرنے سے پہلے دیتا ہے، یا پوری رقم ادا کرنے کے بعد مشروط طور سے دیا جانے والا ہبہ، اور عمال کو دیا جانے والا ہبہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے، جسے شریعت غلول کا نام دیتی ہے۔ اور موظف کا اپنے مالک کو دیا جانے والا ہبہ جیسے کچھ بھی حرام ہے، یوں ہر ہبہ جائز نہیں ہوتا ہے، اور یہ عمولات دراصل اس لئے دئے جاتے ہیں تاکہ تسویق ہرمی میں مزید سے مزید لوگوں کا اشتراک ہو سکے۔ اس طرز تعامل کو جو بھی نام دیا جائے لیکن حقیقت تو بہر حال بدل نہیں سکتی ہے۔ اور کسی عقل مند سے بھی یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کمپنیاں جن کا بنیادی مقصد ہی نفع حاصل کرنا ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس منتج کو ۵۰۰ ریال میں فروخت کریں اور پھر اللہ کی خاطر اس پر لوگوں کو تحفہ بھی دیں؟ اور یہ ہبہ بھی ۴۲ ہزار ۵۰۰ ریال سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ ذرا سا غور کریں تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ کمپنیاں اس طرح کا خرچ کیوں برداشت کریں گی؟ انہیں اس طرح کے ہدایا میں نہ اللہ تعالی سے اجر و ثواب کی نیت ہوتی ہے اور نہ ہی لوگوں پر احسان کرنا مقصود ہوتا ہے، بلکہ ان کی اپنی دوکان چلانی مقصود ہوتی ہے۔

تسویق ہرمی کی بابت اللجنہ الدائمہ کا فتوی:

استفسار:

اللجنہ الدائمہ کو تسویق ہرمی سے متعلق کافی سوالات کئے گئے ہیں، اور کچھ بذریعہ نٹ کی جانے تجارت کرنے والی کمپنیاں جیسے "بزناس" اور "ہبۃ الجزیرۃ"۔ اس طرز تعامل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں کمپنی کسی شخص کو خریداری پر مطمئن کرتی ہے، یا بطور منتج کے وہ اوروں کو اس پر اطمنان دلانے والوں کو تیار کرتی ہے، اور یہ لوگ مزید کو اس طرف راغب کرتے ہیں، اس طرح مشترکین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور جس نے اس میں پہل کی اس کو ایک خطیر رقم ملتی ہے جو ہزاروں پر ہوتی ہے۔ اور جو اس پر دوسروں کو بھی مطمئن کرتا ہے وہ جو اس کو بھی ایک بڑی رقم کی آرزو دلا کر مطمئن کرتا ہے، بالآخر وہ اپنی اس کامیابی پر بھاری بھر کم رقم بٹور لیتا ہے، اسی شکل کو تسویق الھرمی یا شبکی کہتے ہیں۔

جواب:

مذکورہ سوال پر اللجنہ الدائمہ کی طرف سے دیا گیا جواب:

یہ نوعیت امور حرام میں سے ہے، اس میں اصل مقصود عمولات ہوتی ہے نا کہ منتج، عمولات تو ہزاروں پر پہنچ جاتی ہے، جب کہ منتج کی قیمت سیکڑوں کو بھی نہیں پہنچ پاتی ہے، اور کسی بھی ذی شعور شخص پر مذ کورہ دونوں معاملات میں اختیار دیا جائے تو وہ عمولات لینے ہی آگے بڑھے گا، اسی لئے اس طرح کی کمپنیاں منتج کو بطور وسیلہ کے استعمال کرتی ہیں اور اس پر اعتماد کرتی ہیں کہ اس کو سامنے رکھ کر بڑی مقدار میں عمولات کو لانچ کرتی ہیں، اور منتج کے فروخت پر جس کی قیمت برائے نام ہوتی ہے اس کے عوض خطیر رقم بطور نفع کے حاصل کر لیتی ہیں۔ تو منتج چونکہ ایک طرح کا وسیلہ ہوتا ہے اور یہی حقیقت بھی ہے تو یہ کئی وجوہات کی بنا شرعا حرام ہے:

1)- اس طرز تجارت میں ربا کی دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں، ربا الفضل اور ربا النسیئہ۔ اس میں مشترک کچھ خرچ کر کے خوب حاصل کر لیتا ہے، تو یہ نقد پر نقد تفاضل کی وجہ سے اور ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے منصوص اور اس کے نتیجے میں بطور اجماع کے حرام ہے۔ اور منتج جس کو کمپنی لانچ کرتی ہے وہ تو بس زر مبادلہ کے ہے۔ یہ اصلا ہی مشترک کے قصد سے خارج ہے، اسی لئے اس پر کسی طرح کا حکم نہیں ہوتا ہے۔

2)- تجارت کی یہ نوع شرعا اس لئے بھی حرام ہے کہ یہ دھوکہ ہے، اس میں مشترک کسی طور سے بھی اس بات سے ناواقف رہتا ہے کہ وہ کامیاب ہوگا کی نہیں، اتنے لوگوں کو وہ بطور مشترک جمع کر پائے گا یا نہیں؟ اور تسویق ہرمی کا اصل ہدف تو یہی ہوتا ہے، اور مشترک اس بات سے بھی ناواقف رہتا ہے کہ وہ اعلی درجہ پر ہوگا کہ کامیاب ہوگا یا نچلے حصہ کا جزء ہوگا کہ خسارہ اس کا مقدر ہوگا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ سوائے چند افراد کے اکثر لوگ اس میں ناکام ہی رہتے ہیں، یہی تو دھوکا ہے، کہ دو معاملے میں ایک طرح کا تردد، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے سے روکا ہے۔ یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔

3)- اس طرز تعامل کے ذریعے لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا لازم آتا ہے، اس عقد میں صرف کمپنی یا وہ مشترکین جو اوروں کو اس کا حصہ بنانے پر مامور ہوتے ہیں وہی مستفید ہوتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالی نے اس سے منع فرماتے ہوئے کہا: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾(النساء: 29)۔

4)- تجارت کی اس نوع میں بطور تعامل کے لوگوں پر التباس ہوتا ہے، منتج کے نام انہیں لوٹا جاتا ہے، اس میں مقصود منتج نہیں ہوا کرتا ہے، اسی لئے یہ شرعاً حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من غشنا فليس منا"([297])

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: **«الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا أَوْ قَالَ حَتَّى يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا»**([298])

اوران قائلین کا یہ کہنا کہ یہ سمسرہ اور دلالی ہے، تو یہ کسی طور بھی صحیح نہیں ہے: عمولات یہ دراصل دلالی کے مقابل عوضاً دیا جاتا ہے، جب کہ دلال کو سامان کے فروخت کرنے پر بطور اجرت دیا جاتا ہے، جب کہ اس نوع میں مشترک ہی درحقیقت ادا کرتا ہے، اور دلالی میں سامان فروخت کرنا ضروری ہوتا ہے جب ہرمی تسویق میں ایسا کوئی ضروری نہیں، اس میں عمولات کو فروخت کرنا ہوتا ہے منتج نہیں، اس طرح ان میں سے ہر دو کی شکل جدا جدا ہے۔

اور عمولات کو ہبہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے، اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو ہر ہبہ شرعاً جائز نہیں ہوتا ہے، قرض پر ہبہ تو ربا ہے۔ اسی لئے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے کہا: **" إِنَّكَ بِأَرْضٍ الرِّبَا بِهَا فَاشٍ إِذَا كَانَ لَكَ عَلَى رَجُلٍ حَقٌّ فَأَهْدَى إِلَيْكَ حِمْلَ تِبْنٍ أَوْ حِمْلَ شَعِيرٍ أَوْ حِمْلَ قَتٍّ فَلَا تَأْخُذْهُ فَإِنَّهُ رِبًا"**([299])

ہبہ کبھی اس وجہ سے بھی دیا جاتا ہے کہ اس کام کے لئے آپ اصل سبب ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو قبیلہ ازد کے تھے انہیں زکاۃ وصولی کے لئے بھیجا، انہیں ابن اللتبیہ کہا جاتا تھا، جب واپس آئے تو کہا کہ یہ آپ کے لئے ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **«فَهَلَّا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ يُهْدَى لَهُ أَمْ لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْهُ شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى رَقَبَتِهِ إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ بِيَدِهِ حَتَّى رَأَيْنَا عُفْرَةَ إِبْطَيْهِ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا»**([300])

ABM Print Time

---

[297] - دیکھئے: أخرجه مسلم: كتاب الإيمان، باب قوله: من غشنا فليس منا. (ح 294)

[298] - صحيح البخاري: كتاب البيوع، باب ما يمحق الكذب والكتمان في البيع. برقم: 2082

[299] - صحيح البخاري: كتاب المناقب، باب مناقب عبد الله بن سلام رضي الله عنه. برقم: 3814

[300] - صحيح البخاري: كتاب الهبة، باب من لم يقبل الهدية لعلة. برقم: 2597، وصحيح مسلم: كتاب الإمارة، باب تحريم هدايا العمال. برقم: 4837

تو یہ عمولات تو تسویق ہرمی میں اشتراک کی وجہ سے آپ پاتے ہیں، اب اس کو کچھ بھی نام دے دیا جائے اس کی حقیقت نہیں بدل سکتی اور نہ ہی اس کا حکم بدل سکتا ہے۔

اور یہاں اس بات کا بیان کرنا بھی بہت مناسب ہوگا کہ دور حاضر میں کچھ کمپنیاں انہیں تسویق ہرمی کے طرز پر اپنا معاملہ کرتی ہیں، سمارٹس وای کمپنی اور گولڈ کویسٹ کمپنی، اور سفن ڈائمنڈ کمپنی وغیرہ۔ مذکورہ کمپنیوں میں اور اس میں کچھ معاملات الگ ہوسکتے ہیں ورنہ طرز تعامل ایک ہونے کی وجہ سے دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا ہے۔

وبالله التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله.([301])

اس موضوع سے متعلق اہل علم کے کلام کا یہی خلاصہ ہے، ہاں اگر مستقبل میں آپ ایسی کمپنیوں کو پاتے ہو جس میں منتج کی وہی قیمت ہے جو بازار میں ہے، اور اس میں کمپنیوں کا میڈیا پر اس کا اعلان کرنے کے بجائے اس پر لوگوں میں ٹوکن تقسیم کردے اور اس میں وہ اپنے عمل میں صحیح رہے۔ اس کی تصحیح کے لئے اہل علم کی ایک کمیٹی ہونے چاہئے، اس لئے اس میں موجود اغلاط کی وجہ سے مفتی حضرات کی تحذیر کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور اس سے بچنے کے لئے شرعی علم کے حاملین کی کمیٹی از حد ضروری ہے تاکہ وہ اس کی تصحیح اور تدقیق میں شرعی نقطہ نظر سے دیکھیں اور اس کے نتیجے میں جواز یا عدم جواز کا فتوی دیں، اور یہ ہر ناحیہ سے یہ شرعا درست ہو، اور یہ بھی کہ ان کا اولین مقصد اکل حلال ہونا چاہئے۔

والله المستعان، وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه.

---

[301] - دیکھئے: فتوى رقم: (22935)، وتأريخ: 1425/3/14هـ

ABM PrintTime

پندرہویں فصل

المتاجرة بالهامش[302] (المارجن)

[302] - عربی زبان میں " هامش" کہتے ہیں: حاشية الكتاب. اوردورحاضر میں رائج معاملات کی اصطلاح میں: سامان کو گاہک کے سپرد کیا جاتا ہے، اوراس حساب سے کہ اس پر جو بازار کی قیمت ہوتی ہے اس پر ایک مقررہ پر سینٹیج رکھ کر سامان فروخت کیا جاتا ہے، اوراس پر تاریخ بھی لکھی جاتی ہے۔

دیکھئے: القاموس المحيط: (ص: 1363)، ومبادي الاستثمار لطاهر حيدر: (ص: 49)، بحث المتاجرة بالهامش دراسة تصويرية فقهية: للدكتور عبد الله السعيدي (ص: 8)

ABM Print Time

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں خریدار سامان کی کچھ قیمت ادا کر دیتا ہے اور دلالی کو بطور قرض کچھ دینا باقی رہ جاتا ہے، جو کہ اس معاملہ میں شریک تھا۔ جو اس کا ماہانہ اس پر بنفٹ ہوتا ہے، تاکہ اس سے مالی اوراق کی خریداری ہو پھر اس کو دلالی کے پاس بطور رھن کے رکھ دیتا ہے جو قرض کی ادائیگی کے لئے ضمان کی طرح ہوتا ہے۔([303])

پہلا مبحث: اس نوع کی حقیقت

ھامش پر مبنی تجارت عالمی سطح کے بازاری معاملات میں سے ایک ہے، جو کئی امور کو متضمن ہوتی ہے:

فنانسنگ: اس کا ایک پہلو بنک یا دلال ہے، یعنی روپیہ لگانے والا اور گاہک۔

تجارت: اور اغلب اس میں مالی اوراق، یعنی شئیر، باونڈز، اور عملات ہوتی ہیں۔

رھن: اور اس ایک پہلو فنانسر اور گاہک ہوتا ہے۔

دلالی: اس میں کمپنی یا بنک بطور دلالی کے اس تجارت میں درمیان میں ہوتے ہیں، کبھی گاہک کی طرف سے نیابت کرتے ہوئے براہ راست ہوتی ہیں جو کہ گاہک کی صلاح وفلاح کی خاطر ہوتی ہے، اور کبھی آلات اکٹرانک سے جو کہ اس کے ذریعے گاہک کے لئے مارکیٹنگ کی جاتی ہے، یہ بطور اجیر کے ہوتا ہے۔

اس عقد کی شروط: کچھ نمایاں شروط یہ ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ اس میں رھن کا پرسنٹیج ایک معین قیمت پر قرض کی شکل نہ اختیار کرلے۔ اور اگر ہو جائے تو قرض دار گاہک کو جو بھی فروخت کرے گا وہ مارجن کے حساب میں شمار ہوگا۔

دوسرا مبحث: اس نوع تجارت کا حکم:

جامعۃ الامام محمد بن سعود، کلیۃ الشریعۃ قسم الفقہ سے ہمارے ایک شاگرد شیخ یاسر الخضیری کا اس موضوع پر ماجستر کا ایک رسالہ موجود ہے۔ جن علماء نے ان سے اس موضوع پر نقاش کیا ہے، اس کمیٹی کا میں بھی ایک حصہ تھا، یہ ایک مفید رسالہ ہے، جس میں اس مسئلہ سے متعلق اہم اہم مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

رابطہ ءعالم اسلامی سے کے تابع فقہ اسلامی اکیڈمی نے بھی اس موضوع کا دراسہ کی ہے، اور یہ قرارداد پاس کیا ہے:

---

[303] - دیکھئے: الأوراق المالية وأسواق المال، للدكتور منير إبراهيم هندي: (135)، الأسواق المالية: للدكتور محمود الداغر، (ص: 259)، وأساسيات الاستثمار في بورصة الأوراق المالية، للدكتور محمد محمود الحناوي، (ص 26).

قرار نمبر ا، دورہ نمبر ۱۸، رابطہ ءعالم اسلامی کی تابع فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے جاری کیا گیا قرار:

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، سيدنا ونبينا محمد، وعلى آله وصحبه. أما بعد:

رابطہ ء عالم اسلامی کی زیر نگرانی فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے مکہ مکرمہ میں منعقد کئے گئے اپنے اٹھارویں دورے جو بتاریخ 10-14/3/1427ھ موافق 8-12 اپریل ۲۰۰۶م، اس اکیڈمی نے اس موضوع پر غور وفکر سے کام لیا ہے، اس نوع کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں سامان کی قیمت گاہک کچھ ہی ادا کرتا ہے، جو اس کی بقیہ خریداری کی رغبت پر دلالت کناں ہوتا ہے، اسی کو "ہامش" کہتے ہیں۔ اور درمیانی شخص بینک یا اس کے علاوہ کوئی اور بقیہ قیمت کو بطور قرض کے ادا کر دیتا ہے۔ اور اس بقیہ کی ادائیگی عمیل یعنی گاہک کا اس درمیانی شخص کو دینا ہوتا ہے، جو بطور رھن کے مقررہ قیمت ادا کرنا ہوتا ہے۔

پیش کئے گئے ان بحوث کو سننے اور اس پر ہوئے مناقشے کی جانکاری کے بعد فقہ اکیڈمی اپنی رائے کو درج ذیل نقاط میں پیش کرنے جارہی ہے:

1)- المتاجرۃ: یعنی خرید و فروخت جس میں اصل ہدف نفع اندوزی ہوتی ہے۔ اور یہ تجارت بطور اغلب کے بڑی رقم لگانے سے مکمل ہوتی ہے، یا مالی اوراق جو کہ شئیرز اور باونڈز کو شامل ہے، یا بعض تجارتی سامان اور یہ سب کبھی خیار پر مبنی عقد، کبھی مستقبلیات پر مبنی عقد، کو شامل ہوتی ہیں، اور تجارت کو موسع شکل میں پھیلانے کو شامل ہوتی ہیں۔

2)- قرض: یہ وہ معینہ قیمت اور مبلغ ہے جو گاہک کو وسیط فراہم کرتا ہے، اگر یہ وسیط بینک ہے۔ اور اگر نہیں ہے تو کسی واسطے سے وسیط اس کو فراہم کرے گا۔

3)- سود: اور یہ "تبییت" کی طریق سے اس معاملہ میں داخل ہوتا ہے، یہ دراصل اس تجارت میں پیسہ لگانے والے کو مشروط طریقے سے ملنے والا فائدہ ہے، کہ اس دن میں اس کوئی کوئی قرعہ فال نہ نکل جائے۔ اور اس کے قرض کے بقدر اس پر فیصد پر قیمت طئے ہوتی ہے، یا پھر ایک معینہ قیمت ہی طئے کر دی جاتی ہے۔

4)- دلالی: یہ وہ معینہ قیمت ہے جو وسیط مشتری سے بطریق دلالی حاصل کرتا ہے، یہ وہ پرسنٹیج ہے جو خرید وفروخت میں متفق طور پر حاصل کیا جاتا ہے۔

5)- رھن: یہ مشتری کو اس معینہ قیمت کے عوض اس بیع سے باندھے رکھتا ہے، اور اس عقد کے ذریعے اس کو اس کا حق دینا اور قرض خواہ سے پورا لینا ضروری ہوتا ہے، اور جب گاہک کو خسارہ ہوتا ہے تو اس کو بطریق ہامش ایک محدد فیصد پر دیا جاتا ہے، اور بازار میں سامان کی جو قیمت ہوتی ہے یعنی اس کے انخفاض پر گاہک اسی کے بقدر ادا کرتا ہے۔

مذکورہ تفصیل کی بنیاد پر فقہ اسلامی اکیڈمی اس کو درج ذیل اسباب کی وجہ سے شرعا حرام گردانتی ہے:

ABM Print Time

پہلی بات: یہ واضح طور سے سودی امور پر مشتمل ہے، اس میں قرض کی اصل رقم سے زائد دینے کی ترجمانی ہوتی ہے، جسے رسوم التبییت سے موسوم کیا گیاہے، اور یہ شرعا حرام ہے، اللہ تعالی نے فرمایا:﴿يا أَيُّها الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا ما بَقِيَ مِنَ الرِّبا إِنْ كُنْتُم مُؤْمِنِينَ* فَإِنْ لَم تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُم فَلَكُم رءوس أَمْوالِكُمْ لا تَظْلِمُونَ وَلا تُظْلَمُونَ*﴾ (البقرة: 278– 279)

دوسری بات: وسیط کا گاہک پر یہ شرط عائد کرنا کہ وہ اسی کے واسطے تجارت کرے، تو یہ دلالی کے معاوضہ کے ساتھ ساتھ ادھار جمع ہو گئی ہے، اور یہ شرعا ممنوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایاہے: «لاَ يَحِلُّ سَلَفٌ وَبيع»[304]

اس طرح وہ بطور قرض کے مشتری سے منتفع ہوتا ہے، اور فقہائے عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع ساتھ لائے وہ حرام ہے۔

تیسری بات: یہ طرز تجارت اپنے بہت سارے معاملات میں امور حرام کو شامل ہے، اس میں سے کچھ یہ ہیں:

1)- بانڈز کی تجارت، اور یہ سودی ہونے کی وجہ سے حرام تجارت ہے، فقہ اسلامی اکیڈمی کی طرف سے جدہ میں منعقد کیا گیا اپنے چھٹویں دورے نمبر ٦ میں اس امر سے متعلق فتوی جاری کیا جاچکا ہے۔

2)- شئیرز سے متعلق بغیر کسی تمیز کے کمپنیوں سے جڑ کر تجارت کرنا سے متعلق بھی رابطہ عالم اسلامی کے تابع فقہ اسلامی اکیڈمی نے اپنے چودھویں دورے سنہ ١٤١٥ھ کو قرار نمبر ٤ میں اس کی بنیاد ہی حرام پر ہونے کی وجہ سے یا اس کے اکثر معاملات امور حرام سے ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا گیاہے۔

3)- عملات کے خرید وفروخت میں بطور عقد سامان پر عادۃ شرعی طریقے سے قبض نہیں ہوتا ہے، اور اس پر تصرف جائز سمجھا جاتا ہے۔

---

304 - أخرجه أبو دؤاد: كتاب البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده. برقم: 3504، والترمذي: وقال: حديث حسن صحيح.

4)- مستقبلیات اور خیارات کے عقود پر تجارت، اس پر بھی فقہ اسلامی اکیڈمی نے جدہ میں منعقدہ اپنے چھٹویں دورے میں قرار نمبر ٦٣ پر فتوی جاری کی ہے، اور عدم جواز کا ہی فتوی جاری کی ہے، اس لئے کہ جس پر عقد کیا گیا ہے نہ وہ مال ہے اور نہ نفع ہے اور نہ ہی مالی حق ہے کہ جس میں عوض جائز ہو۔ اور دیگر عقود بھی اسی قبیل سے ہیں۔

5)- اور یہ وسیط کبھی کبھار ایسی اشیاء بھی فروخت کرتے ہیں جو ان کی ملکیت میں نہیں ہوتی ہیں اور یہ شرعا حرام ہے۔

چوتھی بات: اس نوع کی تجارت میں اقتصادی طور سے کچھ جوانب کو ضرر پہنچتا ہے، عمومی طور سے مجتمع کو اور بالخصوص گاہک کو اس سے نقصان ہوتا ہے، اس لئے کہ اس میں قرض کے لئے مجال کافی کھلا ہوا ہے، اور نفع اندوزی محض خیالی ہے، اور اس کی اکثر باتیں خداع، جھوٹی نشریات، اور دل بہلانے کی باتیں ہوتی ہیں، اور دھوکے کی سارے گر اس میں استعمال کئے جاتے ہیں، کبھی ذخیرہ اندوزی کے ذریعے، کبھی نجش کی شکل میں اور نتیجے میں قیمت آسمان کو چھونے لگتی ہے، محض سرمایہ کاری کے لئے عام الناس کو غیر شرعی طریقے اختیار کر کے انہیں ان چیزوں کا عادی بنادیتے ہیں، اور اس کا نشہ انہیں لگ جاتا ہے، جو بالآخر لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانے کو لازم آتا ہے، اور لوگوں کا مال اس غلط طریقے پر لگادیا جاتا ہے جب کہ امور خیر اور دیگر مباحات پر لگانے کے نام پر وصول کیا جاتا ہے، یوں پورا معاشرہ اس نقصان کی زد میں آجاتا ہے، اور اقتصادی طور سے بہت کمزور ہو جاتا ہے۔

فقہ اسلامی اکیڈمی مالی ایجنسیوں کو اس بات کی وصیت کرتی ہے کہ وہ امور فنانسنگ میں شرعی تعلیمات کو ملحوظ رکھیں، اور ان طرق سے اپنے دامن کو پاک رکھیں جو ربوی اور سودی ہوں یا اس سے ملتی جلتی کوئی شیء ہو، اور مجمع کو یا عمومی طور سے بھی کسی کو کوئی نقصان کا سامنا نہ کرنا ہو۔ والله ولي التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

ABM PrintLine